

تدوین و پیشکش

اعتماد العلماء مولانا

محمد نذر الحسنین محمدی

(ایم۔اے، فاضل عربی)



حضرت الحاج

مولانا محمد شبیہ الحسنین محمدی اعلی اللہ مقامہ (فاضل مشرقیات)

مضامینِ محمدی

الحاج حضرت مولانا محمد شبیہ الحسنین محمدی اعلیٰ اللہ مقامہ کے
مضامین، سوانح حیات اور شاعری

تدوین و پیشکش:

مولانا محمد نذر الحسنین محمدی

ایم اے، فاضل عربی

ملنے کا پتہ:

محفوظ MBA
محفوظ بک ایجنسی
مارٹن روڈ کراچی
Tel: 424286 - 4917823 Fax: 4312882
E-mail: anisco@cyber.net.pk

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب: مضامین محمدی

تدوین: اعتماد العلماء مولانا محمد نذر الحسنین محمدی

تزئین وترتیب: مولانا محمد یعقوب شاہد آخوندی

ناشر: مولانا محمد شبیہ الحسنین محمدی فاؤنڈیشن پاکستان

طبع: باراوّل

تاریخ طبع: مارچ ۲۰۱۳ء

مطبع:

تعداد: ۵۰۰

ہدیہ: 200 روپے

ملنے کا پتہ:

محفوظ بک ایجنسی — مارٹن روڈ کراچی

Tel: 424286 - 4917823 Fax: 4312882

E-mail: anisco@cyber.net.pk

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

اس حقیری کاوش کے ثواب جاریہ کو

اپنے شفیق و مہربان،

دلسوز، محب وطن

قوم و ملت کے دلعزیز،

مصمم ارادوں کے مالک

والد بزرگوار

یعنی

مولانا شبیہ الحسنین محمدی اعلی اللہ مقامہ

کی خدمت عالیہ میں

بصد ادب پیش کرتا ہوں

"گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف"

ندرالحسنین محمدی

فہرست مطالب:

عرضِ ناشر

قارئینِ کرام!

زیرِ نظر کتاب "مضامین محمدی" میں ہم نے کوشش کی ہے کہ مولانا الحاج محمد شبیہ الحسنین محمدی اعلیٰ اللہ مقامہ کے وہ تمام مضامین جو مختلف رسائل و اخبارات میں شائع ہو چکے تھے، یا بہ وجوہ شائع نہ ہو سکے۔۔۔ ان کو یکجا کر کے کتاب کی شکل میں شائع کر دیا جائے۔
ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کے شکرگزار ہیں کہ آخرکار ہماری یہ جدوجہد پایۂ تکمیل کو پہنچ رہی ہے۔

اس سلسلے میں بحیثیت صدر نشین ادارہ مولانا محمد شبیہ الحسنین محمدی فاؤنڈیشن پاکستان میں اُن تمام حضرات وخواتین کا شکرگزار ہوں، جنہوں نے اس کتاب کے حوالے سے ہماری کسی بھی طرح مدد کی اور دستِ تعاون دراز کیا۔
تاہم خصوصاً جناب حجۃ الاسلام مولانا محمد یعقوب شاہ آخوندی صاحب کا ذکر ضروری سمجھوں گا، جنہوں نے اس کتاب کی خوبصورت کمپوزنگ، تزئین، آرائش اور طباعت میں شدید محنت فرمائی! اور میرے برادر خورد حجۃ الاسلام مولانا فخر الحسنین محمدی سلمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ہر قسم کا تحریری وتقریری مواد جو ان کی تحویل میں تھا فراہم کیا! اللہ تبارک وتعالیٰ سے ان کی صحت وعافیت کے لئے دُعاگو ہوں۔۔۔!!
آخر میں۔۔۔ میں اپنی اہلیہ محترمہ فرحت جہاں صاحبہ کا بھی شکرگزار ہوں، جنہوں نے کتاب کی ترتیب وتصحیح کے دوران مجھے ذہنی سکون فراہم کیا، اور میری حوصلہ افزائی کی! اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔ آمین

نذر الحسنین محمدی
صدر نشین
ادارہ مولانا محمد شبیہ الحسنین محمدی فاؤنڈیشن پاکستان

شکر و امتنان

از: محمد کاظم حسنین محمدی

تمام تر حمد و ثنا اس ذات بابرکت کے لئے ہے۔۔۔ جس نے انسان کو عقل و فہم جیسی نعمت سے نوازا۔۔۔!

میں شکر گزار ہوں مولا کا۔۔۔ جس نے مجھے اس قابل بنایا کہ زیر نظر کتاب میں اپنے تاثرات رقم کر سکوں۔

قارئین کرام!

میں نہ کوئی علمی شخصیت ہوں اور نہ ہی ادیب۔۔۔ مگر مجھے اس عظیم خانوادے کا فرد ہونے کا شرف حاصل ہے۔۔۔ کہ جس نے دین اسلام کی اشاعت و ترویج کے لئے گراں قدر خدمات کو انجام دیا۔ خاص کر موجودہ انتہائی خطرناک حالات میں بھی انجام دے رہا ہے اور آپ سب کی دعاؤں سے آئندہ بھی انشاءاللہ یہ سلسلۂ خدمت جاری و ساری رہے گا۔

میرے والد بزرگوار استاد العلماء مولانا نذر الحسنین محمدی صاحب کی شخصیت پر تبصرہ کرنا میرے بساط علمی میں نہیں ہے۔ مگر اپنے تابہ حیات سرپرست اعلیٰ کے لئے یہ ضرور کہوں گا کہ اس پر آشوب دور میں۔۔۔ جہاں انسان کو اپنی ذات کے علاوہ کسی کی فکر نہیں۔۔۔۔ اس حال و احوال میں رہتے ہوئے جس طرح آپ نے اپنے آباء و اجداد کے آثار کو احیاء کرنے میں قابل تحسین کاوش انجام دی ہے، بلاشبہ مسلمانان بر صغیر پاک و ہند کے لئے بالعموم اور مسلمانان پاکستان کے لئے بالخصوص ایک عظیم سرمایۂ علمی فراہم فرمایا ہے۔ کیونکہ میرے جد بزرگوار خطیب توانا، حضرت الحاج مولانا محمد شبیر الحسنین محمدی کے وہ تمام مضامین و آثار۔۔۔ نہایت عمدگی کے ساتھ محفوظ فرما کر آج زیور طبع سے آراستہ کر کے علم دوست احباب کی خدمت میں پیش فرما رہے ہیں۔ یہ عظیم کاوش لائق ستائش اور قابل تحسین ہے۔

میں بصد ادب و احترام۔۔۔ اپنے والد محترم کی خدمت میں "احیائے آثار محمدی" کی مناسبت سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ میرے والد بزرگوار۔۔۔ میرے لئے ایک ایسی "کتاب" ہیں۔۔۔ جس پر زندگی کے تجربے تحریر ہیں۔۔۔! اور ہر والدین کو۔۔۔ اپنی اولاد کے لئے باعمل ہونا چاہیے۔۔ تاکہ اولاد باعمل ہو سکے۔

میں اپنے والد محترم سے مخاطب ہو کر۔۔۔ میراث علم کے تسلسل کے لئے اتنا عرض کروں گا کہ:

؎ "ہر قدم اُٹھے گا۔۔۔ تیرے نقش پا کو دیکھ کر"

والسلام

محمد کاظم حسنین محمدی

حصہ مضامین

از: مولانا شبیہ الحسنین محمدی اعلیٰ اللہ مقامہ

صوبہ سندھ کے فسادات اور علماء وخطباء کی ذمے داری

کچھ حقائق مسلّمہ اور ناقابل بحث وتکرار ہوتے ہیں، مثلاً سندھ ہمیشہ سے مسلمانوں کی اکثریت کا علاقہ رہا ہے، گو اسے اتحاد تو پاکستان کے قیام کے بعد ہی نصیب ہوا ہے، 1936 تک اس کا صوبائی وجود بھی نہ تھا۔ انگریز نے اس کو بمبئی کی ایک کمشنری کی حیثیت سے پستیوں کے دلدل میں پھنسا دیا تھا۔

جنوری 36ء میں صوبہ سندھ بمبئی سے الگ ہو کر وجود پذیر ہوا۔ لیکن جہاں تک مسلمانوں کی عظمت کے آثار کا تعلق ہے وہ سندھ کے ہر گوشے اور خطے میں ہمیشہ موجود رہیں گے۔ مثلاً صوبہ سندھ کا کوئی گاؤں قصبہ اور چھوٹا بڑا شہر ایسا نہیں جس میں دسیوں مسجدیں نہ ہوں۔ دینی مدارس کا وجود بھی تقریباً ہر جگہ موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ دینی مدارس سے علماء پیدا ہوتے ہیں۔ انہیں مدارس میں معلم کے علاوہ صوبہ کی چھوٹی بڑی مسجدوں میں عالم اور خطیب کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ مسلمانوں کی اکثریت نماز جماعت کی پابند ہے اور اوقات نماز میں عالم اور خطیب سے مسلمانوں کا تعلق اور واسطہ ورابطہ مسلسل رہتا ہے۔

یہ علماء اور خطباء ہمیشہ سے مسلمانوں میں باعظمت اور موثر رہے ہیں۔ لوگ ان کی بات سنتے اور مانتے ہیں، علماء اور خطباء کا اثر ونفوذ مسلمانوں پر اس حد تک رہا ہے اور ہے۔۔۔ کہ اگر کبھی یہ مسلمانوں سے بے اصل اور غیر اسلامی بات بھی منوانا چاہتے ہیں تو مسلمان ان کی بات فوراً مان لیتے ہیں۔ کل ہی کی بات ہے کہ کچھ علمائے کرام نے قرآن کریم کی تلقینات اور اسلام کے مسلّمات کے خلاف ہندوستان کے غیر مسلم اور مسلمانوں کو ایک قوم قرار دے دیا اور مسلمانوں کی ایک بہت بڑی اکثریت نے اسے قبول کر لیا، وہ تو خدا بھلا کرے قائداعظم مرحوم کا کہ انہوں نے اس کا کراماتی توڑ کیا اور دلائل باہرہ اور قاہرہ سے ثابت کر دیا کہ مسلمان اور غیر مسلمان ایک قوم ہو ہی نہیں سکتے۔ جس کے نتیجے میں پاکستان بن گیا، لیکن آج بھی لاکھوں مسلمان وطن یعنی متحدہ قومیت کے قائل ہیں۔ خود پاکستان میں جتنے سندھ وغیرہ تحریکیں متحدہ قومیت کا کرشمہ ہیں۔ سندھ میں جو بھی رہتا ہے وہ سندھی کہلاتا ہے۔ اس لئے ہزاروں سندھی، ہندو، عیسائی، اوڈھ اور ماڑیچے وغیرہ غیر مسلم ہیں اور یہاں یہ حقیقت تسلیم کرنے کے

قابل ہے کہ مہاجر صرف اور صرف مسلمان ہوسکتا ہے، اگر چہ قوم کی حیثیت سے مہاجر کی تنظیم واضح طور پر غلط ہے، اس دنیا میں سب سے عظیم المرتبت مہاجر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہل بیت کرام اور اصحاب عظام ہیں اور آج تک مہاجر کہلاتے ہیں اور قیامت تک کہلاتے رہیں گے۔ لیکن انہوں نے مہاجر تنظیم قائم نہیں کی نہ ان کے مقابل انصار نے کوئی جماعت بنائی، بلکہ سب مسلمانوں کی حیثیت سے زندگی گزارتے رہے۔ مہاجروں کا شرعی اور اخلاقی فرض تھا کہ وہ مہاجر قومیت کا ڈھونگ کھڑا کر کے مسلمانوں میں تفریق پیدا نہ کرتے۔ لفظ مہاجر کلمہ تعارف تو ہوسکتا ہے، اسے قوم کہنا نوجوانوں کے جذباتی نعرے کے علاوہ کچھ نہیں۔ مگر یہ جذباتی نعرہ، انتظامیہ اور برسراقتدار طبقے کی سوچ اور عمل کا ردعمل بھی ہے۔

انتظامیہ نے ڈومیسائل فارم ایسا مرتب کیا ہے جس سے بہ آسانی مہاجر اور سندھی میں خط امتیاز کھنچ جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں طرح طرح کی محرومیوں کی داستان جنم لیتی ہیں۔ کچھ برسراقتدار لوگوں نے سندھ کو شہری اور دیہاتی علاقوں میں تقسیم کر دیا۔ 40% ملازمتیں شہروں کو دی گئیں اور 60% دیہاتوں کو۔ ہم نے کئی دفعہ ملازمتوں کے اشتہار پڑھے جس میں واضح طور پر لکھا جاتا تھا کہ کراچی، حیدرآباد اور سکھر کے لوگ درخواستیں نہ دیں۔ موجودہ حکومت کے وزراء اور چیف منسٹر بار بار دہائی دے رہے ہیں کہ ہم سندھ کو تقسیم نہیں ہونے دیں گے۔ ان اہل دانش سے کوئی یہ تو پوچھے کہ وہ کون لوگ ہیں جو سندھ کی تقسیم چاہتے ہیں۔ کس نے سندھ کے تقسیم کے بارے میں بیان دیا ہے؟ یا مضمون لکھا ہے؟ آخر ان کا نام لیتے ہوئے آپ کیوں شرماتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت وقت صرف انتشار چاہتی ہے اور اس پروپیگنڈے کا مقصد صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ بے عقل لوگوں کے دماغ میں تقسیم سندھ کا کیڑا پیدا کر دیا جائے۔ جہاں تک سندھ کی عملی تقسیم کا تعلق ہے وہ تو خود محترم بھٹو اور ان کے ذہین چچازاد ممتاز علی صاحب بھٹو کر چکے ہیں۔

قائداعظم نے واضح طور پر فرمایا تھا کہ حکومتی اداروں میں صرف اہلیت اور صلاحیت والے افراد کو لیا جائے۔ اس میں ضلع اور صوبے کا کوئی خیال نہ کیا جائے۔ لیکن افسوس ہم نے قائداعظم کی کوئی بات بھی نہ مانی۔ قائداعظم نے کراچی کو پاکستان کا دارالحکومت بنایا تھا، ایوب خان صاحب نے اسے اسلام آباد لے گئے۔ اگر کراچی حکومت پاکستان کا دارالحکومت یعنی مرکز رہتا تو سندھ میں کسی قسم کے فسادات ہو ہی نہیں سکتے تھے۔ سندھ میں مہاجروں کی آبادکاری حادثاتی واقعہ نہیں ہے۔ بلکہ مہاجروں نے یہاں کے لوگوں کے اخلاق وغیرہ کو دیکھ کر اس علاقے

کو پسند کیا۔ چونکہ آنے والے زیادہ تر تعلیم یافتہ اور باہنر تھے اس لئے سندھی مسلمانوں کو تعلیم اور ہنر سے آراستہ کرنے کے لئے انہوں نے اپنی آبادکاری یہاں مناسب اور ضروری سمجھی اور یہ دونوں فرض بہترین طریقے سے انجام دیئے۔ مہاجروں نے یہاں کی کایا پلٹ دی اور بے علم اور بے ہنر خطے کو علوم کا مرکز اور ہنر کا خزانہ بنا دیا۔ تاہم صرف مہاجروں کی تنظیم کا کوئی سبب موجود نہیں تھا۔ اب بھی وقت ہے کہ مہاجر قومی موومنٹ کے موثر کارکن اس تحریک کا نام مسلم قومی تحریک یا متحدہ قومی تحریک رکھ دیں۔ مہاجر قومی موومنٹ کیوں شروع کی گئی؟ یہ ایک تفصیل طلب بحث ہے۔ اگر ضرورت ہوگی تو ہم پھر کبھی اس پر گفتگو کریں گے۔

غرض کہ مسلمانوں میں علماء اور خطباء آج بھی بڑا گہرا اثر رکھتے ہیں اور ہمہ وقت عام مسلمانوں سے انکا واسطہ اور تعلق موجود ہے۔ شادی ہو یا غم۔ میلاد ہو یا مجلس۔ جنازے کا جلوس ہو یا برات کا۔ پیدائش کے مراحل ہوں یا وفات کے۔ ہر جگہ علماء کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے علماء جو چاہیں۔۔۔ عوام سے منوا سکتے ہیں۔ اگر سندھ کے علماء اور خطباء بیدار ہوتے اور وہ یہاں کے مسلمانوں کو فسادات سے روکنا چاہتے ہیں تو یہاں مسلمانوں کا خون اتنا سستا نہ ہوجاتا کہ محض سیاسی نظریئے کے اختلاف کی بنیاد پر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو بلا تکلف قتل کرے۔ مسلمان کی جان و مال، مسلمان کی آبرو اسلام کے نقطہ نظر کے مطابق محترم ہے اور ایک مسلمان کا فرض ہے کہ دوسرے مسلمان کی جان و مال اور عزت کو خطرے میں نہ ڈالے اس تعلق میں اسلامی احکام بالکل صاف ہیں کہ اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کی جان و مال اور عزت کو خطرے میں ڈالے گا تو عالم برزخ اور حشر میں اس سے شدید ہولناک بازپرس ہوگی۔ اور اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے گا تو قرآن کریم کی نص موجود ہے کہ اس کو ہرگز نہیں بخشا جائے گا اور ہمیشہ دوزخ کے شعلوں میں جلتا رہے گا۔ کیا قیامت ہے کہ مسلمان کو قتل کر رہا ہے اور اسے یہ بھی یاد نہیں ہے کہ یہ جرم ناقابل بخشش ہے۔ وہاں محترمہ بے نظیر بھٹو آفتاب شعبان میرانی اور دیگر وزراء اور الطاف حسین صاحب وغیرہ آپ کی مدد کو نہیں پہنچ سکتے اور نہ ان کی بیان بازی کی کوئی قیمت ہوگی، یہ تو خود اپنے اعمال کے بوجھ تلے چیخ رہے ہوں گے اور کوئی ان کی فریاد کو نہیں پہنچے گا۔ یہاں پولیس وغیرہ وزراء کے کہنے سننے سے سچے مقدمات ٹھپ کر دیتے ہیں اور جھوٹے مقدمات تیار کر دیتے ہیں۔ برزخ اور میدان حشر میں یہ پولیس بھی اپنے اعمال میں گرفتار ہوگی۔ ان کے اختیارات اپنے ہاتھ کاٹنے تک محدود ہوں گے کہ ہائے ہم نے یہ کیا کیا؟ خدا کے فرشتے صرف خدا کے احکام کی تعمیل کریں گے، پنجتن پاک کی سفارش اور

شفاعت بھی صرف میدان حشر میں موثر ہوگی۔ لیکن مسلمان کے قتل اور اس کی عزت و مال لوٹنے والوں کی کوئی سفارش نہیں کر سکے گا۔ بہر حال اگر مسلمان کو یہ یاد ہو کہ خدا ہے۔ عالم برزخ ہے۔ عالم حشر ونشر ہے۔ چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے عمل کی پوچھ گچھ ہوگی اور خود انسان کے اعضاء اس کے جرموں کی گواہی دیں گے۔ اس لئے علماء اور خطباء کی ذمے داری ہے کہ وہ مسلمان کے جان و مال اور عزت کے تحفظ کے لئے اسلامی تلقینات کو بار بار دہرائیں اور اگر علماء اور خطباء یہ فریضہ انجام دیں تو ہمارا دعویٰ ہے تین دن میں صوبہ سندھ سے تمام بدامنی ختم ہوجائے گی۔ یا الٰہی یہ کیا ماجرا ہے کہ اتنے علماء اور خطباء موجود ہیں اور پھر مسلمان آپس میں لڑ رہے ہیں۔۔۔۔ خدانخواستہ اور نصیب اعداء۔۔۔ خود علماء اور خطباء اس تعلق میں کوئی کردار تو انجام نہیں دے رہے ہیں۔ اس لئے کہ علماء اور خطباء بھی اب سیاسی پارٹیوں میں تقسیم ہیں انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ کوئی سیاسی پارٹی اگر اقتدار میں ہے تو چند روزہ دنیاوی فائدہ تو انہیں پہنچا سکتی ہے لیکن عاقبت کی تباہی سے انہیں نہیں بچا سکتی۔ اس لئے علماء اور خطباء کو ہر نماز جماعت کے بعد اور ہر جمعہ کے بعد ہر محفل اور مجلس میں یا جہاں بھی دو چار آدمی موجود ہوں، مسلمان کی جان و مال اور اس کی عزت کے متعلق اسلامی تلقینات سے اس کو آگاہ کرنا چاہیے یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلمان، مسلمان رہے، اللہ پر یقین رکھے اور پھر مسلمان کو قتل کرے یہ صحیح ہے کہ کچھ لوگ نام تو مسلمان ایسا رکھتے ہیں لیکن ان کے عقائد اسلام کے نہیں۔ وہ دہریت کے پرستار ہیں ان کا دین و ایمان صرف وطن ہے اور وطن بھی بڑے محدود معنوں میں یعنی وہ ایک صوبے اور ضلع کو وطن سمجھتے ہیں۔ اقبال مرحوم نے کہا تھا:

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے

سندھ میں چند اسلام دشمن اس تازہ خدا کی پوجا پاٹ میں لگے ہوئے ہیں۔ علماء اور خطباء کو چاہیے کہ وہ ان کو یاد دلائیں کہ یہ چند روزہ کھیل ہے، تم چند روز زمین پر چل پھر رہے ہو اور پھر اس کی مٹی میں مل جاؤ گے، تمہارے بزرگ اور اجداد آج کہاں ہیں اس طرح سے تم بھی مٹی میں مل کر بے نشان ہو جاؤ گے اور جس زمین کے لئے تم خدا کا انکار کر رہے ہو وہ خدا تم سے پوچھ گچھ کرے گا اور مسلمان کو قتل کرنے انہیں لوٹنے اور ان کی عزت و آبرو پر ڈاکے ڈالنے کے تعلق میں عبرتناک سزائیں دے گا۔ اس کی سزاؤں سے کوئی جمہوری حکومت اور کوئی شاہانہ حکومت نہیں بچا سکے گی۔ یہ حکام اور حکومتیں سب سے زیادہ خطرناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ ان جمہوریت اور شاہی کے دعوے داروں کا فرض عدل و انصاف ہے۔ لیکن یہ اپنے مخالفوں کے لئے

ہر ظلم وجور اور ناانصافی کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔ یہ کھیل بڑے بڑے جابر کھیلتے رہے ہیں ان کا نام و نشان مٹ گیا، ان کا بھی نام ونشان مٹ جائے گا، ہماری علمائے کرام اور خطباء عظام سے محض اسلام نے ناطے درخواست ہے کہ وہ پارٹی بازی، فرقہ پرستی اور دنیاوی مفاد کو چھوڑ کر صوبہ سندھ میں اسلامی تعلیمات کا جھنڈا لہرائیں۔ تین دن نہ سہی تو ایک ہفتہ میں یہاں امن وامان کا جھنڈا لہرا رہا ہوگا اور اگر کوئی حکومت بھی فساد برپا کرانا چاہے گی تو ناکام ہو جائے گی۔ میں نے جان بوجھ کر قرآن کریم کی آیات اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ، فرمائشات اہلبیت علیہم السلام اور اقوال صحابہ کرام کو درج نہیں کیا۔ میں مخاطب علمائے کرام اور خطباء عظام سے ہوں اور وہ سب یہ چیزیں جانتے ہیں۔ خدا تمام علماء اور خطباء اور ہم مسلمانوں کا مددگار ہو اور حضور رحمۃ للعالمین کی امت ہونے کے ناطے مسلمانوں کی موت نصیب کرے (آمین)

نوائے وقت کراچی، ۳ مارچ ۱۹۸۷ء
تحریر: مولانا شبیر الحسنین محمدی

کراچی کو ٹریفک کے حادثوں سے بچایئے!!

انسان متمدن ہو یا وحشی، مہذب ہو یا غیر مہذب۔ صاحب دین و مذہب ہو یا دہریہ، یہ سب کسی نہ کسی قانون کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔ یہ قانون انسان کے ساختہ پرداختہ ہوں یا خداوند عالم کا عطیہ، یا قبائل کے سربراہوں کے حکم احکام، تحریری ہوں یا روایتی، اور رواجی غرض کہ جو نوعیت اور کیفیت بھی قانون کی ہو، انسان اس کو قبول کرنے پر مجبور ہوتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ قانون کی پابندی عقل کا تقاضا بھی ہے۔ حکم خداوندی بھی اور ہماری ضرورت بھی۔ جب ہم قانون کی خلاف ورزی کریں گے یا کسی رخ سے بھی اسے اپنے ہاتھ میں لے لیں گے تو ہم نقصانات سے دوچار ہو جائیں گے، کسی مصیبت یا مشکل میں پھنسیں گے اور معاشرہ انتشار و خلفشار کی آماج گاہ بن جائے گا۔ انسانی زندگی کے بہت سے شعبے ہیں اور ہر شعبے کے لئے کچھ قوانین ہیں۔

پیدا ہونے سے انسانی موت تک ہزاروں قانون انسان سے متعلق ہوتے ہیں۔ مثلاً کھانے پینے کے قانون، لباس سے متعلق قانون، شادی بیاہ اور وفات سے متعلق فرائض، لین دین کے قواعد، صلح اور جنگ کے قوانین، ملکیت کی تقسیم کے ضوابط وغیرہ۔ تاہم یہ سب قوانین ایسے ہیں جن سے انسان کا خصوصی اوقات میں واسطہ ہوتا ہے، لیکن کچھ قوانین ایسے ہیں، جن سے ہمیں دن رات واسطہ پڑتا ہے اور وہ ہے ٹریفک کے قوانین۔

ظاہر ہے کہ ہم ہر وقت تو گھر میں بیٹھ نہیں سکتے، کبھی بازار جانا ہوتا ہے کبھی دفتر کا رخ کرنا پڑتا ہے، کبھی ریلوے اسٹیشن بندرگاہ ائرپورٹ پہنچنا ہوتا ہے اور کبھی ڈاکخانوں اور ہسپتالوں تک جانا ہوتا ہے۔ اور کبھی اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں کثیر افراد کو روزانہ حاضری دینا پڑتی ہے۔ کچھ لوگ فیکٹریوں اور کارخانوں میں جاتے ہیں اور کچھ سڑکوں پر مزدوری کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ خصوصاً بڑے شہروں میں جیسے کراچی، کوئٹہ، پشاور، راولپنڈی، لاہور، فیصل آباد، حیدرآباد، ملتان وغیرہ میں دن رات انسان پیدل یا کسی سواری میں گردش کرتا رہتا ہے اور بقول شاعر کہا جا سکتا ہے: ؎ ایک چکر ہے مرے پیر میں زنجیر نہیں

اس صورت حالات میں بڑوں کا تو ذکر کیا ہے! چھوٹے چھوٹے بچے اور بچیوں کو بھی ٹریفک کے قوانین سے آگاہ ہونا چاہئے، اور یہ مرحلۂ اول میں ماں باپ کا فرض ہے کہ اپنے بچوں کو سڑک پر چلنے کے قاعدے اور ضابطے صرف زبانی نہیں بلکہ خود ساتھ چل کر عملاً سمجھائیں۔ اس کے بعد پرائمری اساتذہ کی ذمے داری ہے کہ وہ اپنے اسکول کے بچے اور بچیوں کو ٹریفک کے ضروری ضابطے یاد کرائیں، اور یہ بھی دیکھیں کہ بچہ ٹریفک قوانین کو استعمال کرنے کی صلاحیت سے آراستہ ہو چکا ہے؟

میں سمجھتا ہوں کہ یہ محکمہ تعلیم کی ذمے داری ہے کہ ٹریفک قوانین پر مشتمل چھوٹے چھوٹے کتابچے، اسکولوں کے نصاب میں داخل اور رائج کریں، امتحانات میں اس کے نمبرز شامل کر کے نتیجہ شائع کریں۔ تمام بڑے شہروں خصوصاً کراچی میں شب و روز حادثات ہوتے رہتے ہیں، اور انسانی جانیں جن کا کوئی بدل ممکن نہیں ہے، ضائع ہوتی رہتی ہیں۔ زیادہ تر یہ حادثات اس لئے پیش آتے ہیں کہ پیدل چلنے والے ٹریفک کے قوانین سے نابلد ہوتے ہیں، اگر سڑک پر چلنے والوں کو یہ ہدایت کی جائے اور اس کی خلاف ورزی بھی نہ کرے کہ جس سڑک پر فٹ پاتھ ہو ہمیشہ اس پر چلے، اگر فٹ پاتھ نہیں تو اس سڑک کے کنارے پر چلے، اگر سڑک پار کرنا ہو تو، اگر قریب کوئی فلائی اوور برج ہو یا زیر زمین راستہ بنایا گیا ہے تو اس سے گزریں یا جہاں زیبرا کراسنگ ہے وہاں سے گزرے۔ اگر کوئی شخص خواہ وہ عورت ہو یا مرد یا بچہ، غلط جگہیں سے سڑک پار کرے تو اگر کوئی پولیس والا موجود ہو تو اس کا فرض ہے کہ وہاں سے نہ گزرنے دیں، اگر پولیس والا موجود نہ ہو تو دوسرے حضرات کسی کو یہ غلطی نہ کرنے دیں۔ اگر کوئی شخص غلط جگہیں سے سڑک پار کر بھی جائے تو اسے وہاں سے واپس لایا جائے، اور اسے مقررہ جگہ سے گزرنے کا عادی اور پابند بنایا جائے۔ چند روز یہ دیکھ بھال کرنا پڑے گی اس کے بعد لوگ مقررہ مقامات سے سڑک پار کرنے کے عادی ہو جائیں گے۔ دیکھا گیا ہے کہ بہت سے حادثے پیدل چلنے والوں کی غلطی سے ہو جاتے ہیں۔ چار منٹ کی تاخیر سے بچنے کے لئے زندگی کو خطرے میں ڈال دینا کہاں کی عقلمندی ہے؟

سڑکوں کے حادثات میں ڈرائیوروں کا بھی بڑا دخل ہے۔ غیر مناسب تیز رفتاری ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا شوق یا غیر معمولی تعجیل یا ڈرائیور کا کسی مسافر یا ساتھی سے مصروف گفتگو رہنا جس کے نتیجے میں ڈرائیور دائیں بائیں اور آگے سے غافل ہو جاتا ہے اور کوئی نہ کوئی حادثہ رونما ہو جاتا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ ڈرائیوروں کے لئے ایک ٹریننگ اسکول

قائم کیا جائے جس میں ان کو ٹریفک کے قوانین اچھی طرح یاد کرائی جائیں اور سڑک پر انتہائی احتیاط کے ساتھ گاڑی چلانے کا سلیقہ پیدا کیا جائے۔ عام طور پر ڈرائیور انتہائی بے پرواہی سے گاڑی چلاتے ہیں۔ خصوصاً بسوں اور منی بسوں کے ڈرائیورز یا کمائی کی لالچ میں اپنی گاڑیوں کو آندھی دھاندھی کی طرح اڑاتے ہیں۔ ڈرائیوروں کو لائسنس دینے والے بڑے دیانت دار اور خدا ترس لوگ مقرر کئے جائیں۔

ہمارا ملازمت پیشہ طبقہ رشوت خور مشہور ہیں۔ لیکن یقیناً کچھ دیانت دار اور رزق حلال پر انحصار کرنے والے بھی موجود ہیں۔ ایسے لوگوں کو تلاش کر کے ڈرائیونگ لائسنس دینے کا فریضہ ان کے حوالے کیا جائے، بحالات موجودہ پچانوے فیصد ڈرائیور رشوت کے سہارے حادثات کا لائسنس حاصل کر لیتے ہیں اس لئے کہ جب انہیں ٹریفک کے قاعدے قانون معلوم ہی نہیں ہے تو وہ حادثات نہیں کریں گے تو کیا کریں گے۔

وقوع حادثہ کی شکل میں ڈرائیور تو فرار ہو جاتا ہے اور ہمارے جوشیلے نوجوان گاڑی کو نذر آتش کر دیتے ہیں، یہ کوئی نہیں سوچتا کہ اس بے جان گاڑی کا کیا قصور ہے اور اس میں کسی ارتکاب جرم کی صلاحیت ہے بھی کہ نہیں!!!؟

قصور راہ گیر کا تھا یا ڈرائیور کا سزا بہر حال گاڑی کو ملتی ہے۔ اگر قصور راہ گیر کا ہو تو ڈرائیور کو اور گاڑی کو سزا کیوں دی جائے۔ اور اگر قصور ڈرائیور کا ہو تو اس کو پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا جائے۔ گاڑی کو تباہ کرنے کا کیا ثواب ہے؟ ایک گاڑی کی تباہی سے کنڈیکٹر، ڈرائیور اور گاڑی کے مالکان تو معاشی مشکلات میں مبتلا ہوتے ہی ہیں قومی خزانے پر بھی اس کا بوجھ پڑتا ہے کہ جو زرمبادلہ اس کے منگوانے پر خرچ ہوا تھا، وہ برباد ہوا اور مزید زرمبادلہ کا خرچ قومی خزانے پر تاوان کی طرح مسلط ہو گیا، جو خود قوم کا نقصان ہے۔ ضروری نہیں کہ گاڑی کے مالک یا مالکان سرمایہ دار ہوں۔ ممکن ہے کہ ان کے پاس روزی کمانے کا یہی ایک وسیلہ ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس گاڑی کی مالک کوئی بیوہ ہو یا یتیم بچے ہوں۔

ہمارے شوق آتش زنی کے نتیجے میں ان کے گھروں کا چولہا بھی جلنا بند ہو سکتا ہے۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم کسی حادثے کی شکل میں جذباتی نہ بنیں۔ عقل کو زندہ رہنے دیں، گاڑی کو نقصان نہ پہنچائیں، اور ڈرائیور کو پکڑ کر پولیس کے حوالے کریں۔ ''مجروح'' کو جلد از جلد ہسپتال پہنچانے کی کوشش کریں تا کہ اس کا فوری علاج معالجہ ہو سکے۔ ہم آتش زنی کے کھیل میں مجروح کو وہیں تڑپنے دیتے ہیں اور اس کی زندگی کے امکانات کو شوق فضول کی بھینٹ

چڑھا دیتے ہیں۔

میں دیکھتا ہوں کہ کراچی میں معمولی معمولی باتوں پر گاڑیوں کا جلانا فیشن بن گیا ہے، حکومت کب تک ان کے معاوضے ادا کرے گی۔ اس لئے ایسے طریقے اختیار کرنا چاہیے کہ آئندہ گاڑیاں جلانے کا فیشن موت کے گھاٹ اتر جائے اور قانون کے مطابق ہر مجرم کے ساتھ سلوک کیا جائے۔ اس تعلق میں میرا مشورہ یہ ہے کہ ہر وسیلۂ ابلاغ سے کراچی کے باشندوں کو یہ سمجھا جائے کہ گاڑیاں جلانا ایک بہت بڑا شخصی اور قومی نقصان ہے۔

اس لئے اس عادت بد کو ترک کر دیا جائے، عام لوگوں سے درخواست کی جائے کہ جس جگہ حادثہ پیش آئے وہاں کے دکاندار اور مکانوں والے یا راہ گیر گاڑی کے تحفظ کا اہتمام کریں اور لڑکوں کو آگ لگانے سے روکیں اور اگر باز نہ آئے تو انہیں پولیس کے حوالے کر دیں۔ اگر تھانہ قریب ہے تو پولیس کے ایک دستے کو فوراً طلب کر لیا جائے۔ اگر اہل بازار اور محلہ گاڑی کو بچانے کی کوشش نہ کریں تو اس علاقے کے دکانداروں اور باشندوں سے اجتماعی جرمانہ کر کے نقصان رسیدہ افراد کو حصہ رسد دے دیا جائے یہ چلتی ہوئی گاڑیوں کا تماشہ دیکھنے کی عادت صرف اسی صورت میں ختم ہوتا ہے جب کہ ہمیں یہ احساس ہو جائے کہ اگر ہم نے یہ تماشہ اپنے علاقے میں دیکھا تو ہم بھی مالی مشکلات کا شکار ہو جائیں گے۔ کرایے پر چلنے والی گاڑیوں کے مالکان کی ذمے داری ہے کہ وہ اپنے ڈرائیوروں اور کنڈیکٹروں کو کم سے کم ابتدائی انسانی وظائف سے آشنا کر دیں اور انسانی جان کی قدر و قیمت انہیں سمجھا دیں تاکہ وہ ہر مسافر سے اخلاق سے پیش آئے اور شان دکھانے کے لئے راہ گیروں پر گاڑیاں نہ چڑھاتے پھریں۔

اگر تفتیش کے بعد ڈرائیور مجرم ثابت ہو تو مناسب قانونی سزا کے ساتھ ساتھ اس کا لائسنس بھی ہمیشہ کے لئے ضبط کر لیا جائے اور مالکوں پر بھی کچھ جرمانہ عائد کیا جائے تاکہ وہ بھی اپنے ڈرائیوروں کو بردباری کا رویہ اپنانے پر مجبور کریں۔ مالکان پر جو جرمانہ کیا جائے وہ مجروح یا مقتول کے ورثے کو دے دیا جائے۔ اگر زیادہ جرمانہ مناسب نہ ہو تو اپنی طرف سے معاوضے کی رقم میں ایک معقول اضافہ کر دے۔ اس کا فیصلہ بہر حال مجروح یا مقتول کے حالات کو تفتیش کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے۔ آیا وہ خاندان کا کفیل تھا یا فرد کاسب وغیرہ۔۔۔۔!!!

میں سمجھتا ہوں کہ ہم اگر ابتدائی مکاتب سے ہائی اسکول کے اسٹیج تک ٹریفک قوانین کی تدریس و تعلیم کا مناسب انتظام کریں، اور ذرائع ابلاغ اخبارات ریڈیو، ٹیلی ویژن وغیرہ کو اس تبلیغ کے لئے استعمال کریں، اور خطبائے مساجد سے بھی درخواست کریں کہ وہ ٹریفک قوانین

کا دو چار منٹ تذکرہ کر دیا کریں۔ تو امید ہے کہ جو جھگڑے اور فساد کراچی میں ٹریفک حادثات وغیرہ کی وجہ سے ہوتے ہیں، ختم ہو جائیں گے۔ ادارہ ترقیات کراچی کی طرف سے "ٹریفک انجینئر نگ بیورو" ٹریفک حادثات سے بچنے کے لئے کچھ پروگرام مرتب کر کے رو بہ عمل لا رہا ہے، ان اقدامات سے یقیناً ٹریفک حادثات میں واضح اور نمایاں کمی ہو جائے گی۔ بشرطیکہ کراچی پولیس "ٹریفک انجینئر نگ بیورو" کے کئے ہوئے کام کو کالعدم نہ کرا دے۔

دیکھا یہ گیا ہے کہ جن مقامات سے "ٹریفک انجینئر نگ بیورو" نے ٹریفک میں رکاوٹیں دور کرنے کے لئے کچھ اقدامات کئے تو وہ رکاوٹیں پھر چند روز کے بعد بحال ہو گئیں۔ یہ صورت حالات یقیناً پولیس کی بے پرواہی یا رشوت کا کرشمہ ہے۔ پولیس کی ذمے داری ہے کہ جس علاقے کو "ٹریفک انجینئر نگ بیورو" صاف کر دے وہاں دوبارہ وہی صورت حالات پیدا نہ ہونے دیں۔ یہ اس لئے پولیس کا فرض ہے کہ وہ ہر وقت موجود رہتی ہے۔ "ٹریفک انجینئر نگ بیورو" والے تو ایک دفعہ فریضہ انجام دے کر چلے جاتے ہیں۔

بڑی سڑکوں پر تجاوزات اور فٹ پاتھوں پر دکانداروں وغیرہ کے ناجائز تصرف کے علاوہ جگہ جگہ موٹر ورکشاپ کام کرتے رہتے ہیں جو ٹریفک میں رکاوٹ اور بعض حالات میں حادثات کا سبب بن جاتے ہیں۔ اس طریق کار کی ہمت شکنی بھی اشد ضروری ہے۔ بغلی سڑکوں پر بھی ہر وقت دس پانچ منٹ کے فاصلے سے مختلف گاڑیاں رواں دواں رہتی ہیں۔ ان سڑکوں پر علاقے کے بالغ و نابالغ لڑکے فٹ بال، ہاکی اور خاص طور پر کرکٹ میں مشغول نظر آتے ہیں جو ٹریفک کے لئے مصیبت بنتے ہیں اور حادثات کا سبب بھی ہو جاتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ بغلی سڑکیں کھیل کے لئے نہیں ہے۔ کراچی میں کھیل کے لئے ہر محلے میں میدان اور پارک موجود ہیں، ان لڑکوں کے والدین کا فرض ہے کہ وہ ان کو سڑکوں پر کھیلنے سے روکے اور پارکوں اور میدانوں میں کھیلنے کی ہدایت کرے اور عادت ڈلوائے۔ دیکھا گیا ہے لڑکوں کے والدین یا ورثاء ان کی ان حماقتوں کا اور شرارتوں کا کوئی نوٹس نہیں لیتے جو ایک بہت بڑی غلطی ہے، والدین کا فرض ہے کہ وہ اپنے لاڈلوں کو سڑک سے گزرنے والوں کے لئے عذاب نہ بننے دیں، اس صورت حالات کو درست کرنے کے لئے والدین ہی کافی ہیں۔ اگر وہ فرائض شہریت کو نظر انداز نہ کریں۔

شبیہ الحسنین محمدی

۲۸ فروری ۱۹۸۷ء

از: مولانا شبیر الحسنین محمدی

کراچی میں امن وامان کی بحالی اور ہمارے فرائض

کراچی کچھ عرصہ یعنی چند ماہ پہلے امن وامان کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا۔۔۔۔اس کی یہ شہرت بلاوجہ نہ تھی بلکہ اس شہر کا امن وامان، سکون و وقار مثالی تھا۔ دوسرے ملکوں سے آنے والے اور اندرون ملک سے کراچی پہنچنے والے سب ہی روشنیوں کے شہر کے پرسکون ماحول میں اطمینان کا سانس لیتے تھے اور مقصد سفر کی تکمیل کے بعد شاداں وفرحاں، اپنے علاقوں کو واپس چلے جاتے تھے۔۔۔۔یہ درست ہے کہ ٹرانسپورٹ کے کبھی کبھار ہونے والے حادثات کے نتیجے میں تھوڑا بہت انتشار پیدا ہوجایا کرتا تھا، جس کا علاقہ اور اثر محدود اور وقتی ہوتا تھا، تاہم ٹرانسپورٹ میں کام کرنے والے ڈرائیور اور کنڈیکٹروں کے اخلاقی انحطاط سے لوگ شاکی اور نالاں بھی رہے تھے، اور مختلف افراد کی طرف سے اس خواہش کا اظہار کیا جاتا تھا کہ ٹرانسپورٹ کے عملے کو تمیز اور سلیقے سے بات کرنا اور مسافروں سے شرافت اور آدمیت کے برتاؤ کی تربیت دی جانی چاہیے۔ لیکن اس سے سوائے چند افراد کے عمومی طور پر کسی طبقے یا لسانی گروہ سے کوئی نفرت اور بیزاری پیدا نہیں ہوتی تھی، غرضکہ چھوٹے موٹے مناقشوں کی ایسی حیثیت نہیں تھی کہ وہ کراچی کے پرامن ماحول کو تہہ وبالا کرسکتے۔

۱۹۸۵ء میں محمد خان جونیجو وزیر اعظم پاکستان نے مارشل لاء ختم کردیا اور اس کے ساتھ ہی ۶۵ء سے چھنے ہوئے بنیادی حقوق بھی بحال کردیئے یعنی اجتماع اظہار رائے، تحریر اور جلوس، وغیرہ کے حقوق یہ وہ حقوق تھے جن کو واپس کرنے کا تصور سابق وزیر اعظم پاکستان جناب ذوالفقار علی بھٹو ایسے قائد عوام کے دل ودماغ میں بھی پیدا نہ ہوسکا، یا وہ اس کے نتائج و عواقب سے قبل۔۔ازخود خوفزدہ ہوکر ان کی بحالی کا حوصلہ نہ کرسکے اور عوامی دور کی عوامی تاریخ نے یہ ریکارڈ میں ثابت کیا کہ عوام کی خدمت کے تمام تر بلند بانگ دعوؤں کے باوجود عوام کو ان کے عوامی حقوق سے محروم رکھا گیا۔۔۔۔اس دور نے عوام کو کیا دیا؟ یہ بڑا تکلیف دہ ریکارڈ ہے اس کے متعلق فی الحال کچھ کہنے سے نہ کہنا ہی بہتر ہے، غرضکہ محمد خان جونیجو نے وہ کردکھایا جو بڑے بڑے ڈکٹیٹر ایڈمنسٹریٹر اور رہبر نہ کرسکے۔ عوامی حقوق بحال ہوتے ہی ملک میں بھونچال سا آگیا۔۔۔۲۰ رسال سے سینوں میں جو دھواں بھر دیا تھا اس کا اخراج شروع ہوا۔ جدھر

دیکھو جلسے، جس طرف نظر ڈالو، جلوس۔۔۔ جہاں سنو۔۔۔ زندہ باد، مردہ باد۔۔۔ جس طرف نظر اٹھاؤ، رنگ برنگ جھنڈے، جلسے جلوسوں میں ہی نہیں، بلکہ گھروں پر، درختوں پر، بجلی کے کھمبوں پر اور ٹیلی فون کے ستونوں پر، غرضیکہ جس کو جہاں، برمحل یا بے محل جگہ نظر آئی۔۔۔ جھنڈا لہرا دیا، چلو۔۔۔ اس حد تک بھی ٹھیک تھا کہ لوگ اپنی اپنی ڈفلی اپنا اپنا راگ کر رہے تھے۔۔۔ ایک دوسرے کے راستے میں کوئی نہیں آتا تھا۔ شہروں اور دیہاتوں میں ایک طرح کی چہل پہل اور رونق کا دور دورہ تھا کہ یک بیک ایک سیاسی جماعت جو موسم خزاں میں عبوری انتخابات کا مطالبہ داغ دیا اور حکومت پر دباؤ ڈالنے کے لئے ایجی ٹیشن کا راستہ اختیار کیا اور اس طرف خام ذہنوں کو توڑ پھوڑ اور رنگ برنگی ہنگامہ آرائی میں ملوث کر دیا اور پاکستان کا پرسکون معاشرہ انتشار آشنا ہونے لگا۔ بینک لوٹے گئے۔ ریلوے پٹریاں اکھاڑی گئیں، اسٹیشن اور ڈاک خانے جلائے گئے۔۔۔ لیکن ان حرکتوں سے رائے عامہ۔۔۔ جس کو حاصل کرنے کے لئے یہ اقدامات کئے گئے تھے، نفرت اور بے زاری کا مرقع بن گئی اور آخرکار "ایجی ٹیشن" کا بلبلہ یا بتاشہ غیر محسوس طریقے پر بیٹھ گیا اور موسم خزاں میں الیکشن کا خواب خود اس جماعت کے کارکنوں اور رہنماؤں کا طفلانہ حرکتوں کے نتیجے میں دیوانے کا خواب بن گیا۔ تاہم یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ اس ہنگامہ آرائی سے انتشار پسند قوتیں بیدار ہوئیں، ڈاکہ زنی، انسانوں کا اغوا، سڑکوں پر کاروں کا چھیننا اور مسافر بسوں اور مال و اسباب لے جانے والے ٹرکوں کا لوٹنا بعض لوگوں کا فیشن بن گیا ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ پوری قوم ان اقدامات کے خلاف شرپسند عناصر کو قابو میں لانے کے لئے حکومت سے تعاون کرتی۔ لیکن ہوا یہ کہ کچھ رہنماؤں نے ڈاکوؤں کو باغیرت کہہ کے ان کی پیٹھ ٹھونکی اور کچھ نے ان کو مظلوم کا خطاب دے کر مظلومیت کو ظلم میں بدلنے کی ہمت بخشی۔ حکومت نے اس صورت حالات کو کنٹرول کرنے کے لئے اقدامات کئے تو ان کی تائید کے بجائے یہ کہا گیا کہ ڈاکوؤں کے بجائے دیہاتوں پر ظلم کیا جا رہا ہے۔ ان بزرجمہروں سے کوئی یہ پوچھے کہ دیہاتوں نے حکومت کا کیا بگاڑا تھا کہ حکومت ان کے خلاف کوئی اقدام کرتی، حکومت کے راستے میں دشواریاں تو مختلف سیاسی جماعتوں کے لیڈروں نے پیدا کی تھیں۔ وقت کا تقاضا تو یہ تھا کہ ان کے خلاف کوئی "تعزیری یا تادیبی" کارروائی کی جاتی لیکن محمد خان جونیجو نے واضح اعلان کر دیا کہ ہم سیاستدانوں کے خلاف کسی قانون کا سہارا نہیں لیں گے بلکہ سیاست کے میدان ہی میں ان کا مقابلہ کریں گے اور اب تک کا عمل گواہ ہے کہ پاکستان کے کسی بھی حصہ میں کسی جماعت کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی اور عوام کی خدمت

کا پانچ نکاتی پروگرام مرتب کر کے اس پر عمل کے سہارے سیاستدانوں کی چہ میگوئیوں کا جواب دینا شروع کر دیا۔ جب مخالف سیاسی پارٹیاں حکومت کو زک پہنچانے اور نیچا دکھانے میں کامیاب نہ ہوسکیں تو بہت سوچ سمجھ کے کراچی کے امن وامان کو تہہ وبالا کرنے کا پروگرام بنالیا گیا۔

''سہراب گوٹھ'' اسمگلروں، ہیروئن فروشوں، اسلحہ فروشوں غرضیکہ ہر طرح کی لاقانونیت کا اڈہ بن چکا تھا اس اڈے پر مارشل لاء گورنمنٹ نے بھی ہاتھ ڈالنے کا حوصلہ نہیں کیا۔۔۔ یا جان بوجھ کر۔۔۔۔ آنے والی جمہوری حکومت کے لئے ایک دلدلی علاقے کے طور پر باقی رکھا۔ خدا جزا دے سید غوث علی شاہ کو کہ انہوں نے اس اڈے کو ختم کرنے کا حوصلہ کیا اور ہم سب نے دیکھا کہ وہ اڈا ختم ہوگیا۔۔۔۔ ظاہر ہے کہ اس اڈے کے خاتمہ سے جن لوگوں کی چودھراہٹ خطرے میں پڑی ان کے پاس ناجائز دولت کی کمی نہ تھی، ناجائز اسلحہ بھی ان کے قبضہ اور تصرف میں تھا، انہوں نے حکومت کا مقابلہ بلا واسطہ تو نہ کیا لیکن ''علی گڑھ کالونی''، ''قصبہ کالونی'' اور ''اورنگی ٹاؤن'' پر اپنے ہرکاروں کی معرفت ہلا بول دیا اور اس طرح کراچی میں فساد کی بنیاد رکھ دی گئی۔۔۔۔۔ ان بے ضمیر، دین وایمان سے بے بہرہ لوگوں نے یہ پروپیگنڈہ بھی شروع کر دیا کہ یہ دو لسانی گروہوں کا تصادم تھا اور ہے۔۔۔ حالانکہ اس سے بڑا جھوٹ تصور میں بھی نہیں آسکتا۔ اس کے دلائل اور شواہد ہم نے کسی دوسرے مضمون میں بیان کئے ہیں۔ اس فساد کے مرحلے پر تمام سیاسی جماعتوں کا فرض تھا کہ فسادیوں کے خلاف نفرت و بیزاری کا مظاہرہ کرتیں، مظلوموں کے ساتھ ہمدردی کرتیں اور امن وامان کی بحالی میں حکومت کا ہاتھ بٹاتیں۔ لیکن بڑے دکھ کی بات ہے کہ ہر جماعت نے تعاون کے بجائے لایعنی قسم کی تنقیدیں شروع کر دیں حتیٰ کہ ایک جماعت کی طرف سے یہ مطالبہ بھی سامنے آگیا کہ سندھ کی حکومت ''ڈسمس'' کر کے گورنر راج نافذ کر دیا جائے۔۔۔۔۔!!!

مافیا اور قانون شکنوں کے وہ عناصر جو ''علی گڑھ کالونی'' وغیرہ میں حکومت کے دباؤ کے تحت نہ ٹھہر سکے اور فرار پر مجبور ہوئے وہ اب ''سرجانی ٹاؤن'' میں اپنا کھیل شروع کر چکے تھے، ان فسادات نے اہل کراچی کو انتہائی پریشان کر دیا۔

بہت سے خاندان افراد کا سب سے محروم ہوگئے۔ اور وہ گولیوں کا نشانہ بن گئے، اور ہزاروں خاندان پر امن ماحول نہ ہونے کی وجہ سے کسب معاش کے لئے اپنے گھروں سے نکل نہیں سکتے اور وہ فاقہ کشی کا شکار ہیں۔ کراچی کی صنعتی اور تجارتی دنیا میں روزانہ کروڑہا

روپے کا نقصان ہو رہا ہے آخر یہ تباہی لوگ کب تک برداشت کریں گے اس لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ حکومت برسر اقتدار پارٹی مسلم لیگ، تمام سیاسی جماعتیں، علمائے کرام اور ذرائع ابلاغ امن عامہ کی بحالی کے لئے اپنے وسائل استعمال کریں۔۔۔۔۔اب حکومت نے "یہ نہیں کیا، وہ نہیں کیا" کا وقت نہیں ہے۔۔۔!!

ہمیں سب سے پہلے یہ سوچنا چاہئے کہ مسلمان، مسلمان کا لہو کیوں بہا رہا ہے؟ بھائی، بھائی کی دکان اور کاروبار کو کیوں تباہ کر رہا ہے؟ پڑوسی، پڑوسی کے مکان میں کیوں آگ لگا رہا ہے؟ میرے نزدیک اس کی بنیادی وجہ یہ ہے ہمارا اسلام سے واسطہ کم ہے۔ اسلام کے بنیادی عقائد کو ہم بھول گئے! اس لئے کہ "علمائے کرام اور خطبائے مساجد" کا فرض ہے کہ وہ نماز پڑھانے کے بعد ان کو یہ یاد دلائیں کہ اسلام کے بنیادی عقائد میں توحید اور نبوت کے بعد "قیامت" بھی ہے اور قیامت کا منکر بہر حال مسلمان نہیں ہو سکتا۔ قیامت میں اللہ غفور و رحیم ہے۔ ہمارے سب گناہ چاہے تو معاف کر سکتا ہے، لیکن۔۔۔ کسی مسلمان کا قتل، کسی مسلمان کے گھر کو آگ لگانا اور کسی مسلمان کے کاروبار کو نقصان پہنچانا ناقابل معافی جرم ہے۔ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کی نصوص سے یہ حقائق ثابت ہیں کہ مسلمان کو قتل کرنے والا اور اس کو کسی طرح ہاتھ یا زبان سے نقصان پہنچانے والا نجات نہیں پا سکتا! اس لئے کہ۔۔۔۔نجات۔۔۔۔ مسلمان کا حق ہے اور ان جرائم کا ارتکاب کرنے والا حکم خدا اور رسولؐ کے مطابق مسلمان نہیں رہتا۔ علماء کے ساتھ ساتھ تمام "سیاسی جماعتوں" کے رہنماؤں اور کارکنوں کو بھی فرض ہے کہ وہ کراچی کے فسادات کو حکومت کی تبدیلی کا ذریعہ نہ بنائیں بلکہ عوام کو پر امن زندگی گزارنے کی تلقین کریں۔

محلّے کے نمایاں افراد کا بھی فرض ہے کہ وہ چھوٹی چھوٹی کمیٹیاں بنا کر جو مختلف لسانی افراد پر مشتمل ہوں۔۔۔۔۔انتشار پسندوں کو دین و مذہب کی تعلیمات کے ساتھ ساتھ معاشرتی ذمہ داریاں بھی یاد دلائیں۔

آخر میں دو جملے حکومت سے۔۔۔۔کہ اس کا فرض ہے کہ وہ "سہراب گوٹھ" کی طرح "سرجانی ٹاؤن" کے غریبوں، یتیموں، بیواؤں کو ان کا حق دلوائے اور قابضین کو "سرجانی ٹاؤن" سے بلا شرط انخلاء کے بعد کسی مناسب جگہ پر آباد کرنے اور ان کی آباد کاری میں امکانی مدد دے۔ کیونکہ یہ حکومت کا فرض ہوتا ہے کہ وہ شہری کی جس حد تک ممکن ہو خدمت کرے!

روزنامہ "نوائے وقت" کراچی ۲۵ رفروری ۱۹۸۷ء
از: مولانا شبیہ الحسنین محمدی

کراچی کو امن کا گہوارہ بنایئے

ہر با عقل و ہوش انسان کی یہ کوشش ہونا چاہیئے کہ پاکستان کا سب سے بڑا شہر امن وامان کا گہوارہ رہے اور یہاں کوئی ایسے اقدام نہ کیا جائیں جس سے انتشار اور فساد کے امکانات پیدا ہو سکیں۔ ظاہر ہے کہ کراچی پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہونے کے ساتھ ساتھ سب سے بڑا تجارتی اور صنعتی مرکز بھی ہے۔ اس کی بندرگاہ اور اس کا ائرپورٹ بین الاقوامی اہمیت کا حامل ہے۔ غیر تعلیم یافتہ مزدور بھی یہاں عزت کے ساتھ رزق حلال کما سکتا ہے۔ ہر وقت یہاں مختلف قسم کے تعمیراتی سلسلے آگے بڑھتے رہتے ہیں اور اس میں زیادہ تر غیر تعلیم یافتہ پاکستانی اپنی اور اپنے کنبوں کی ضروریات ایک حد تک پوری کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ یہاں کی ٹرانسپورٹ اتنی وسیع ہے کہ لاکھوں افراد مختلف حیثیتوں میں خود سے اپنی روزی کماتے ہیں یعنی کوئی مالک ہے کوئی ڈرائیور ہے اور کوئی کنڈیکٹر۔ جگہ جگہ بسوں، منی بسوں اور ٹیکسیوں، ویگنوں اور رکشاؤں کی مرمت کے لئے ہزار ہا ورکشاپ کھلے ہوئے ہیں۔ غرضکہ ان اداروں سے لاکھوں آدمی اپنی روزی حاصل کرتے ہیں۔ اس شہر کو رئیس نو ہونے کے ساتھ غریب پرور شہر کہا جائے تو لفظ کا بالکل درست استعمال ہوگا۔ ایسے شہر میں ہر وقت مکمل امن وامان کی ضرورت ہے۔ اس شہر کے امن وامان سے نہ خود کھیلیں اور نہ کسی کو کھیلنے کی اجازت دیں۔ اس لئے کہ اس شہر میں اگر معمولی سا بھی امن وامان کا مسئلہ پیدا ہو جائے تو ہزاروں خاندان فقر و فاقے کی نوبت تک پہنچ جاتے ہیں۔ خصوصاً روزانہ کام کرنے والے غیر معمولی مشکلات کا شکار ہو جاتے ہیں، لیکن کس قدر حیرت ناک بات ہے کہ غیر تعلیم یافتہ اور جاہل نہیں بلکہ پڑھے لکھے اور مہذب کہلانے والے اس شہر کے امن وامان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ کبھی عورتوں کا جلوس نکالتے ہیں، کبھی ہڑتالوں کا اہتمام کرتے ہیں اور کبھی اشتعال انگیز تقریروں اور بیانوں کے سہارے انگارے بکھیرتے ہیں۔

گزشتہ ہفتوں میں اس شہر کے غریب باسیوں کو جو ہولناک زخم لگے ہیں وہ ابھی ہرے ہیں۔ اس موقعہ پر اشتعال انگیزی کا رویہ جہلاء بھی نہیں اپنا سکتے، بشرطیکہ ان کے پہلو میں انسانی دل ہو، لیکن میئر صاحب اور ان کے ساتھیوں نے وہیکل ٹیکس کا سہارا لے کر دیدہ دلیری

کے ساتھ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اپوزیشن کی جماعتیں خصوصیت سے "جماعت اسلامی" قیامت برپا کئے ہوئے ہیں کہ میئر اور کونسلروں کی گرفتاری سے جمہوریت تباہ ہوگئی، آسمان پھٹ پڑا اور زمین شق ہوگئی۔ بعض قومی اخبارات بھی اس تند و تیز پروپیگنڈے کی لپیٹ میں آگئے اور انہوں نے بھی حکومت کے اقدامات پر تنقید کر ڈالی۔۔۔ یہ کہنا کہ حکومت نے کراچی میونسپل کارپوریشن کے میئر اور کونسلروں کو گرفتار کیا ہے۔۔۔ رواں ہفتہ کا سب سے بڑا اور مکمل سفید جھوٹ ہے۔ اس لئے کہ یہ گرفتاری میونسپل کارپوریشن کی حدود یا اس کے ریسٹ ہاؤس سے عمل میں نہیں آئیں، بلکہ ان حضرات کو قانون شکنی کے بعد گرفتار کیا گیا جب کہ حکومتِ سندھ کے وزیر قانون اور کمشنر وغیرہ نے مسلسل توجہ دلائی کہ شہر کے اس حصے میں دفعہ ۱۴۴ نافذ ہے اور اس کی خلاف ورزی کو نظر انداز نہیں کیا جاسکے گا۔۔۔!

ہم جناب عبدالستار افغانی اور ان کے ساتھیوں کی گرفتاری پر نوحہ خوانوں سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا قانون کا احترام صرف غریبوں کے لئے ہے اگر روساء شہر اس کو اپنی ٹھوکروں کی گیند بنالیں تو کیا یہ جائز ہے؟ اگر تعلیم یافتہ طبقہ ہی قانون کو کھلونا بنانے لگے اور قانون کے احترام کے ذمہ دار برسر عام قانون کی دھجیاں اُڑانے لگیں اور حکومتِ وقت اسے برداشت کرے، پھر تو اس شہر میں اور اس صوبہ اور اس ملک میں جنگل ہی کا قانون رہ جائے گا۔ اس لئے حکومت کے اقدام پر لے دے کرنے والوں سے ہم یہ عرض کریں گے کہ کیا وہ ایسی حکومت چاہتے ہیں کہ جو قانون کا احترام کرائے نہ خود کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ہنگامہ جناب افغانی نے اپنی بے عملی کے نتیجہ میں اپنی تباہ شدہ ساکھ کو بحال کرنے کے لئے کھڑا کیا تھا۔ وہیکل ٹیکس ۶۸ء میں میونسپل کارپوریشن سے واپس لیا گیا تھا۔ جناب عبدالستار افغانی ۷ سال تک میئر رہے ہیں، وہ مارشل لاء کے پورے دور میں خاموش رہے، کیونکہ جماعت اسلامی کی حکمتِ عملی کامیاب بھی غیر جمہوری ادوار میں ہوتی ہے۔ چنانچہ مسلم لیگ کی قانونی اور جمہوری حکومت کو بدنام کرنے کے لئے کراچی کے باشندوں کی محبت کا دریا اچانک ان کے سینے میں موج زن ہوگیا، اور وہ دفعہ ۱۴۴ کے خاتمہ کا انتظار بھی نہ کرسکے۔ آخر دفعہ ۱۴۴ چند روز کے بعد خود بخود ختم ہوجاتی اور افغانی صاحب اپنے دل کی بھڑاس نکال سکتے تھے، لیکن مسلم لیگ کی حکومت کو بدنام کرنے کا موقع ہاتھ سے نکل جاتا، اس لئے فوری طور پر یہ فریضہ انجام دے ڈالا۔ علاوہ ازیں کارپوریشن کے انتخابات قانوناً چھ سات ماہ کے بعد ہونے والے ہیں۔ اس مرحلہ پر عوام کی خدمت کا ہنگامہ آرائی کی حد تک کا احساس کیوں بیدار ہوا؟ اس کا مطلب صرف یہی تھا کہ ان کی

بے عملی ہنگاموں کے گرد و غبار میں چھپ جائے اور وہ اپنی مظلومیت کا ڈھنڈورا پیٹ کر کراچی کے عوام کو بے وقوف بنا سکیں اور پھر ووٹ حاصل کر سکیں۔ لیکن اس ہنگامہ آرائی میں افغانی صاحب کو قانون شکنی کے عواقب کا احساس نہ رہا، لیکن کراچی کے باشندوں کے بیداری شعور کی یہ ایک تابناک علامت ہے کہ افغانی صاحب کے دونوں حربے بے اثر ہو گئے اور جمہوریت اور کراچی کے امن و امان کے دشمنوں کے علاوہ کسی نے بھی بلدیہ توڑے جانے پر کوئی احتجاج نہیں کیا۔ مختصر یہ ہے کہ جماعت اسلامی کی طرف سے کراچی کے امن و امان کو تہ و بالا کرنے کے یہ سب حربے ناکامیاب ہو چکے ہیں۔ اب ہمیں چند روز انتظار کرنا پڑے گا کہ یہ لوگ کراچی کے عوام کو مبتلائے مصائب کرنے کے لیے کون سا نیا جال لاتے ہیں۔۔۔۔۔!!؟؟

روزنامہ "نوائے وقت" ۱۴ اگست ۱۹۸۷ء

از: مولانا شبیر الحسنین محمدی

دھماکے، حادثے۔۔۔اور ہماری ذمہ داریاں

تاریخِ ماضی کا ریکارڈ بھی ہے اور موجودہ نسل کا مشاہدہ اور مطالعہ بھی۔۔۔کہ آزاد قوموں کے خلاف مصائب اور مشکلات کے طوفان اٹھائے جاتے ہیں اور ان پر اعصاب شکن آلام کے پہاڑ گرائے جاتے ہیں۔۔۔۔کبھی قوم کے ہی ضمیر فروش اور زر پرست افراد کے ذریعے اور کبھی مخالف عناصر اپنے خصوصی وسائل کے سہارے یہ حرکات کرتے ہیں۔ تاہم زندہ قومیں ان مصائب اور مشکلات سے ضبط و تحمل اور باہمی تعاون کے سہارے عہدہ برآ ہو کر زندگی کے تابناک راستوں پر رواں دواں ہو جاتی ہیں۔ کل ہی کی بات ہے کہ جاپان کے "ہیروشیما" نامی علاقے پر تخریب کاروں نے نہیں بلکہ امریکہ کے معروف جرنل مسٹر میکارتھر نے ایٹم بم گرایا۔ اس کے ردِ عمل کے طور پر اس علاقے سے تمام جاندار، انسان، حیوان اور نباتات کا نام و نشان مٹ گیا، اور انسانی ذہنی توانائی اور کدو کاوش کے اثرات و آثار فنا ہو گئے۔ اس ابتلاء عظیم کے بعد جاپانی قوم نے نہ تو امریکہ کے خلاف اپنے سینوں کو بغض و عناد کی بھٹیوں میں تبدیل کیا اور نہ اپنے دماغوں کو غم و غصے کے دھوئیں سے بھرا۔ بلکہ حیاتِ تازہ کے حصول کی طرف اس صبر و انہماک سے متوجہ ہوئے کہ امریکہ کو چند برس کے اندر ہی صنعتی دنیا میں شکستِ فاش دے دی اور آج جاپانی دماغوں کے اور ہاتھوں کے کرشموں سے امریکہ اور دنیا بھر کے بازار اٹے پڑے ہیں۔

پاکستان بھی کچھ عرصے سے دھماکوں کی زد میں ہے اور انشاء اللہ ہم اپنے اللہ اور رسول ﷺ سے تمسک رکھتے ہوئے ان مصائب کو بہت جلد شکستِ فاش دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ یہ دھماکے صوبہ سرحد سے شروع ہو کر پنجاب تک آئے اور پنجاب میں تخریب کے کچھ کرشمے دکھا کر کراچی پہنچ گئے، راولپنڈی اور کراچی کے دھماکے انتہائی ہلاکت آفرین تھے۔ یہ کثیر المقاصد دھماکے ہیں، ان کے جو اور مقاصد ہو سکتے ہیں ان پر بھی کسی وقت بحث کی جائے گی۔ تاہم یہ دونوں دھماکے عین اس وقت کئے گئے ہیں اور ان کے لئے راولپنڈی اور کراچی کے خصوصیت سے وہ بازار منتخب کئے گئے جو ہر وقت انسانوں سے چھلکتے رہتے ہیں۔ جبکہ وزیر اعظم پاکستان ہی ملحنہ اور جاپان وغیرہ کے دوروں پر اس لئے گئے ہوئے تھے کہ بیرونی سرمایہ داروں کو پاکستان میں سرمایہ کاری اور صنعتیں لگانے کی ترغیب دیں، تاکہ بیروزگاری کے مسئلے پر قابو پایا جا سکے۔ ان دھماکوں کا کھلا ہوا واضح اور فوری مقصد یہ محسوس ہوتا ہے کہ وزیر اعظم کے دوروں کے ان مقاصد کو سبوتاژ کیا

جائے اور پاکستان کی مسلم لیگی حکومت بیروزگاری کے مسئلے کو حل کرنے کی کوششوں میں ناکامیاب رہے۔ ان دھماکوں سے غیر ملکی سرمایہ کاروں کو یہ جتلانا مقصود تھا کہ جو حکومت اپنے بھرے پڑے بازاروں کو تباہیوں سے نہیں بچا سکتی وہ تمہارے کارخانوں کو کیسے تحفظ دے سکتی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وزیر اعظم کو دونوں دوروں سے بڑی عجلت کے ساتھ واپس آنا پڑا۔ لیکن انشاء اللہ اس صورتِ حالات پر بھی قومی یکجہتی کے جذبات کو زندہ کر کے با آسانی قابو پالیا جائے گا، اگر جاپان "ہیروشیما" کی تباہی کے بعد صنعت کی دنیا میں انقلاب لا سکتا ہے تو اس کے مقابلے میں ہمارا راولپنڈی اور کراچی کا نقصان اپنی جگہ کتنا ہی عظیم سہی، بہت چھوٹا ہے۔ انشاء اللہ ہم بھی تباہی کے ان نشانات کو حرفِ غلط کی طرح مٹانے میں کامیاب ہو جائیں گے، اس مرحلے پر ایک بات اور عرض کرنے کو جی چاہتا ہے کہ سرحد، بلوچستان اور پنجاب میں دھماکوں کے بعد وہاں کے عوام مقامی شرپسندوں کے ہاتھوں مصائب کا شکار نہیں بنتے گئے۔ لیکن کراچی میں دھماکے تو رہے ایک طرف، معمولی ٹریفک حادثے کے بعد بھی توڑ پھوڑ اور لوٹ مار کا ایک بازار گرم کر دیا جاتا ہے تاکہ اصل مجرموں کو بھاگ جانے کا راستہ ہاتھ آ جائے اور جو نقصانات میں کسر رہ گئی ہے اس کو پورا کر دیا جائے۔ اور یہ توڑ پھوڑ، لوٹ مار کراچی کے مخصوص علاقوں میں ہوتی ہے۔ حادثہ کہیں ہو، لیاقت آباد اور گولیمار میں ہنگامے ضرور کھڑے کر دیئے جاتے ہیں۔ توڑ پھوڑ اور لوٹ مار کا بازار ضرور گرم ہوتا ہے۔ ان علاقوں کی انتظامیہ اور پولیس اتنی نااہل ہے کہ وہ ہنگامے کے بعد ہنگامہ دیکھتی ہے اور کنٹرول نہیں کر پاتی۔ حالانکہ ان علاقوں میں اگر فرض شناس اور دیانتدار تھانیداری لگا دیئے جائیں تو ہنگاموں کو با آسانی ختم کیا جا سکتا ہے۔ ایک ہنگامے میں شریک ہونے والے لوگوں کو بروقت گھیرا ڈال کر گرفتار کر لیا جائے، تماشا نہ دیکھا جائے اور ان کی فہرست بنا کر ان کے ورثاء کو بلایا جائے اور نقصانات کا معاوضہ ان سے وصول کیا جائے اور توڑ پھوڑ کرنے والوں کو آئندہ ہنگامہ کرنے پر عبرتناک سزا کی خبر سنا کر چھوڑ دیا جائے۔ دوسرے ہنگامہ آرائی کو دوران ہنگامہ گرفتار کیا جائے۔ ان کی فہرست بنائی جائے اور یہ دیکھا جائے کہ سابقہ فہرست میں سے کن لوگوں نے شرکت کی ہے۔ ان لوگوں کو عبرتناک سزا دی جائے۔۔۔۔۔ اور باقی ماندہ کو خطرناک نتائج سے آگاہ کر کے اور ان کے ورثاء سے توڑ پھوڑ کا معاوضہ وصول کر کے دو چار دن کے بعد چھوڑ دیا جائے۔ ہمیں اُمید ہے کہ تیسری بار کوئی ہنگامہ نہیں ہوگا۔ پولیس کرتی یہ ہے کہ ہنگامہ ختم ہونے کے بعد گھروں سے زیادہ تر بے گناہوں کو گھسیٹ لاتی ہے اور نذرانے وصول کر کے ان کو چھوڑ دیتی ہے۔ اس لئے اب لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ ہنگاموں کی ہمت افزائی خود پولیس کرتی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ نذرانے وصول ہو سکیں۔ یہ نوٹ کر لیا جائے کہ تاجر برادری اور ملازمت پیشہ افراد ہنگاموں میں حصہ نہیں لے

سکتے۔ یہ حرکتیں صرف وہ نوجوان کرتے ہیں جو یا تو احساس کمتری کا شکار ہیں کہ ان کے پاس گاڑیاں وغیرہ نہیں ہیں۔ اس لئے وہ دوسروں کی گاڑیاں تباہ کر کے ایک سکون محسوس کرتے ہیں کہ ہم نے کوئی کارنامہ سرانجام دے لیا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی سیاسی جماعت حکومت وقت کو بدنام کرنے کے لئے اور مشکلات میں پھنسانے کے لئے شریر لڑکوں کو کچھ پیسے دے دلا کرا کساتی ہے۔ تا کہ حکومت پر نااہلی کا الزام لگا سکیں۔ چنانچہ یہ دیکھا گیا ہے کہ حکومت کو نااہلی کا طعنہ دے کر اس سے استعفٰی کا مطالبہ کرتے ہیں۔

چلئے صاحب! حکومت استعفٰی دے تو چارج کس کے حوالے کرے؟ ان لیڈروں کے حوالے جو اپنی جماعتوں کا نظم و ضبط بھی باقی رکھنے کے اہل نہیں۔ آخر چارج کسے دیں؟ گورنر کو۔۔۔؟ تو پھر صاف کہیے کہ آپ کو جمہوریت سے بیر ہے اور آپ جمہوریت کو پھلتا پھولتا نہیں دیکھنا چاہتے۔

موجودہ حکومت بہر حال جمہوریت کا چراغ روشن کیے ہوئے ہے۔ اس کو کام کرنے دیجئے۔ قوم کی خدمت کیجئے، عوام کی توجہ کا مرکز بنئے اور انتخابات میں حصہ لے کر موجودہ حکومت کو نکال باہر کیجئے اور خود حکومت کی کرسیوں پر جلوہ فرما ہو جائیے تا کہ جمہوریت کا تسلسل برقرار رہے۔ اور وہ "پودا" جو جناب محمد خان جونیجو اور ان کے ساتھیوں نے لگایا ہے، آپ کی انتشار پسندیوں کے نتیجے میں ناوقت نہ مرجائے۔ اس تعلق میں ایک جماعت کا طریقہ واردات بڑا دلچسپ ہے۔ پچھلے دنوں جب "علی گڑھ کالونی" اور "اورنگی ٹاؤن" پر ڈرگ مافیا کے زرخرید نمائندوں کے ہاتھوں قیامت ٹوٹی تو اس جماعت کے ایک موذن نے ہیروئن فروشوں کو تحفظ دینے کے لئے مسلسل لکھا کہ یہ تو مقامی آبادی کے لسانی گروہوں کا جھگڑا تھا۔ کچھ لوگوں کے نشانے اچھے تھے انہوں نے وہاں لوگوں کو مار لیا اور جن کے نشانے پختہ نہیں تھے انہوں نے کم لوگوں کو۔۔۔۔ حالانکہ مذکورہ کالونیوں میں ظالم حملہ آوروں نے مکانوں میں آگ لگا کر زندہ عورتوں، بچوں اور زخمی مردوں کو بے دردانہ جھونک دیا تھا اور مختلف زبانیں بولنے والوں نے ایک دوسرے کو تحفظ بھی دیا تھا۔ بوہری بازار کے قیامت خیز دھماکے کے نتیجے میں ایک جماعت امدادی کاموں میں حصہ لینے کے بجائے مظاہروں میں مصروف ہوگئی اور چونکہ ان کے نزدیک بوہری بازار میں نقصانات کم ہوئے تھے، لہٰذا "گرومندر" اور "قائد اعظم کے مزار مبارک کے گردونواح میں سینکڑوں گاڑیوں کو نقصان پہنچوادیا اور بہت سے لوگ زخمی بھی ہوئے۔

بوہری بازار کے دھماکے کے بعد قوم کے بعض افراد نے اس ہمت مردانہ اور دلیرانہ دلسوزی کا مظاہرہ کیا کہ جلتی ہوئی آگ میں کود پڑے۔ لوگوں کے جان و مال کو بچانے کے لئے اور

اسپتالوں میں خون دینے کے لئے اور ہر ایک کہتا تھا کہ پہلے ہمارا خون لو پہنچ گئے۔لوگ اپنی بچیوں کی شادیوں کے لئے محفوظ سرمایہ لے کر اسپتالوں میں پہنچ گئے کہ ضروری دواؤں کی کوئی کمی نہ آنے پائے۔اس کے ساتھ ہم نے یہ بے غیرتی، یہ بزدلی، یہ بے حیائی اور یہ انسانیت کشی بھی دیکھی کہ کچھ لوگ ان دوکانوں کا سامان لوٹ رہے تھے جن کے مالک اپنے بھائیوں کی مدد کے لئے اپنی دوکانیں کھلی چھوڑ کر جائے حادثہ پر پہنچ گئے تھے اور جلتے ہوئے گھروں سے بھی سامان لوٹا گیا۔زخمیوں کی گھڑیاں اتاری گئیں اور مردہ عورتوں کے ہاتھوں اور کانوں سے زیور نوچے گئے۔

اس بے حیائی کے مظاہرے کو دھماکے کے مظاہرے سے بھی زیادہ وحشتناک سمجھا جانا چاہیے اور ہمارے علمائے کرام کا فرض ہے کہ وہ کم سے کم ہر نماز جمعہ میں عوام کو یہ بتائیں، مردہ مسلمان تو زیادہ محترم ہے۔زندہ مسلمان کا مال اس کے خون اور اس کی عزت کی طرح دوسرے مسلمان کے لئے حرام ہے اور وہ شخص یقیناً مسلمان نہیں رہتا جو ان وحشیانہ حرکتوں کا ارتکاب کرتا ہے۔عام طور سے یہ دیکھا گیا ہے کہ جہاں کہیں ریل، بس یا جہاز کا حادثہ ہوتا ہے تو کچھ لوگ ضرور لوٹ کھسوٹ میں مشغول ہوجاتے ہیں اور یہ اخلاقی دیوالیہ پن اس لئے ہے کہ ہم مسلمان کو نماز پڑھنا تو سکھاتے ہیں، نماز کے مقتضیات نہیں بتاتے۔نماز تو ہر برائی سے روک دیتی ہے۔کجا کہ اپنے مردہ بھائی یا بہن کے مال پر ہاتھ ڈالنا۔۔۔معاشرے میں ایسے لوگوں کو "زجر وتوبیخ" کا نشانہ بنانا چاہیے اور ان کے خلاف تمام نفرت و بیزاری کا رویہ اپنانا چاہیے۔

ان حادثات میں عام لوٹ کھسوٹ کے علاوہ رہی سہی کسر پولیس کے بعض بے غیرت افراد نکال لیتے ہیں اور وہ بھی اپنے مردہ بھائیوں کے بچے ہوئے مال کو مالِ غنیمت بنالیتے ہیں۔بوہری بازار میں بعض پولیس والوں کے اخلاقی دیوالیہ پن کا عام شکوہ سنا گیا۔پولیس کے تربیتی اداروں میں بھی ہمیں یہ اہتمام کرنا چاہیے کہ پولیس میں اپنے فریضۂ محافظت کو پہچانے اور لوگوں کی طرح ان کے مالوں کی بھی حفاظت کرے۔ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس قسم کے مال سے برکت اٹھ جاتی ہے اور مجرم کا ضمیر تو ملامت کرتا ہی ہے اس کا اپنا مال بھی تباہ ہوجاتا ہے۔

اس قسم کے دھماکوں اور حادثات کو روکنے کے لئے قومی ذہن سے استفادہ کی ضرورت ہے، جو حکومت صرف پولیس اور نوکر شاہی پر بھروسہ کرتی ہے وہ عام طور سے ناکام ہوجاتی ہے۔پولیس اور افسر شاہی سے بھی ضروری اطلاعات حاصل کرو اور اپنے وسائل بھی استعمال کرو۔ہمیں یقین ہے کہ حکومت کے پرائیوٹ وسائل زیادہ خلوص، زیادہ تندہی سے صحیح اطلاعات مہیا کریں گے اور مخلصانہ مشورے دیں گے۔

اس وقت عالم یہ ہے کہ کسی ذمہ دار افسر اور کار پردازانِ حکومت تک کسی کی رسائی نہیں

ہے۔ خصوصیت سے حکومت کے بعض ذمہ دار صاحبان کرسی کے گرد نوکر شاہی کا ایک ایسا حلقہ آ گیا ہے جو ان کے کسی بھی مخلص کو مہینوں ان تک پہنچنے نہیں دیتا کہ وہ لوگ ان کو اچھی اور بری بات بتا سکیں۔ یقیناً عوام سے ملنے والے، عوام میں اٹھنے بیٹھنے والے نوکر شاہی سے زیادہ باخبر ہوتے ہیں۔

ان دھماکوں کے متعلق یہ تو طے سمجھنا چاہیے کہ باہر کے لوگ خواہ وہ خاد کے ایجنٹ ہوں یا کسی کے، خود نہیں کر سکتے۔ وہ پاکستان ہی کے زر پرست اور غرض پرست افراد کو استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اپنا کوئی بھی حلیہ بنالیں وہ اپنے فطری نقش ونگار کو بدل نہیں سکتے اور اس طرح وہ گرفت میں آنے سے بچ نہیں سکتے۔

کوئی بھی یہ دھماکے کرا رہا ہے لیکن پاکستانیوں سے کرا رہا ہے۔ اس لئے ہمارا مشورہ ہے کہ ایسے افراد کو بھی نظر میں رکھیے جو ہزار ہا روپیہ روز خرچ کرتے ہیں۔ آٹھویں دن گاڑیاں تبدیل کرتے ہیں اور عیش وعشرت میں غرق رہتے ہیں۔ ایسے عیش وعشرت میں جس کا ذکر ہم اشاروں ہی میں کر سکتے ہیں۔ بایں ہمہ نہ ان کے پاس کوئی کاروبار ہے، نہ ان کا کوئی رشتہ دار مشرق وسطیٰ میں گیا ہوا ہے۔ اور نہ ان کا کوئی عزیز دوسرے ملکوں سے پیسہ کما کر بھیج رہا ہے۔ آخر ہماری سی۔ آئی۔ ڈی اور انٹیلی جینس کے لئے کوئی دشواری ہے کہ ایسے لوگوں کی فہرست تیار کر کے ان سے پوچھ گچھ کرے اور ایسے لوگوں کو بھی نظر میں رکھے جو ان دھماکوں کے بعد فوری طور پر ملک چھوڑ جاتے ہیں۔

پاکستان میں ایک جماعت مسلّمہ طور پر تخریب کاروں کی موجود ہے اور اس تنظیم کے نمائندے بیرون ممالک میں تخریبی تربیتی کورس بھی کرتے ہوئے دیکھے جا سکتے ہیں۔ پولیس کو ان عناصر پر بھی کڑی نظر رکھنا چاہیے۔ ہماری یہ رائے نہیں ہے کہ پولیس میں سب ناکارہ، رشوت خور اور بے ایمان افراد ہی موجود ہیں۔ اس فورس میں ابھی تک بڑے دیانتدار قوم پرست اور پاکستان کے عاشق بھی پائے جاتے ہیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے افسروں کو پیچھے دھکیل دیا جاتا ہے اور ظالم اور جھوٹے مقدمے بنانے والے افسروں کو آگے لایا جاتا ہے۔ ابھی ایک افسر کو عوامی شکایات کی بنا پر جوہر آباد سے لائن حاضر کیا گیا تھا اور لائن سے اس کو لانڈھی کے ہنگامہ زار میں بھیج دیا گیا کہ جاؤ، جو لوٹ مار اور لوٹ کھسوٹ کی کمی جوہر آباد میں رہ گئی ہے، وہاں پوری کر لو۔

آخر یہ پولیس کے بڑے کراچی کے ذمہ دار شہریوں سے دیانتدار اور پاکستان کے درست تھانیداروں کے اتے پتے کیوں نہیں پوچھتے؟ یاد رکھیے کہ پولیس فورس میں تھانیدار ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، اگر وہ درست ہوگا تو سب کچھ درست ہو جائے گا اور وہ اچھا نہ ہوگا تو ڈی۔ ایس۔ پی۔۔۔۔ ڈی۔ آئی۔ جی۔۔۔ اور آئی۔ جی کی صلاحیتیں بھی متاع فاسد بن جائیں گی

اور ان کی صلاحیتوں سے کراچی اور دوسرے شہروں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ خدا کے لئے اچھے تھانیداروں کو آگے لائیے۔ انہیں انعام دیجئے، انہیں ترقیاں دیجئے۔ بروں کو صرف تبدیل نہ کیجئے بلکہ انہیں لائن حاضر کر کے ان کو عبرتناک سزا دیجئے۔ ان پر مقدمات چلائیے! تاکہ وہ دوسروں کو عبرت ہو۔

اس تھانے سے اُس تھانے تبدیل کر دینا سزا نہیں ہے بلکہ شیطنت بکھیرنے کے نئے مواقع مہیا کرنا ہے۔ آخر میں ہم اپنی قوم کی سیاسی جماعتوں سے دردمندانہ اپیل کریں گے کہ خدا کے لئے "حکومت استعفیٰ دے" کے نعروں کو اوڑھنا بچھونا نہ بنایئے۔۔۔ بلکہ مجرموں کو مقام احتساب میں لانے کے لئے اپنی توانائیاں صرف کیجئے اور انتظامیہ اور حکومت کو جرمانہ ذہن کے کچلنے کے لئے مخلصانہ تعاون دیجئے۔۔۔۔ عوام کی خدمت کیجئے۔۔ غل غپاڑے سے وہ آپ کے نزدیک نہیں آئیں گے۔۔۔ !خدمت سے آئیں گے۔ کیا کبھی آپ نے اپنے حالِ زار کی طرف دیکھا ہے کہ مدتوں سے آپ ایک اجتماعی جلسے کی کوشش کر رہے ہیں اور وہ بھی نہیں کر پاتے۔ آپ ایک رسمی جھنڈے کے نیچے آجانے کے باوجود اپنی اپنی ڈفلی اور اپنا اپنا راگ کرتے رہتے ہیں۔ کوئی پاکستانی کیسے تسلیم کرلے کہ آپ اقتدار میں آگئے تو پاکستان میں شہد اور دودھ کی نہریں بہنے لگیں گی؟ خدا کے لئے یہ بھی سوچئے کہ کیا پاکستان کے علاوہ کسی دوسرے ملک میں بھی اتنی سیاسی جماعتیں ہیں؟ ہر ایک کا دستور الگ، ہر ایک کا منشور الگ، ہر ایک کے مقاصدِ حیات الگ۔۔۔ ہم نے یہ پاکستان ہنگامہ آرائی کے لئے نہیں بنایا تھا۔ بے شک مستقبل میں آپ کا جو جی چاہے کریں۔ اس وقت تو اپنے اور میرے یعنی ہماری قوم کے دشمنوں کا ناکام بنانے کے لئے ایک دوسرے سے تعاون کیجئے اور خاص کر کراچی کے امن کی بحالی میں مدد کیجئے۔۔۔

روزنامہ "نوائے حقیقت" ملتان

۱۸ جون ۱۹۸۹ء

کیا سندھ جل رہا ہے۔۔۔؟؟

قائداعظم کے رفیقِ کار اور ممتاز مسلم لیگی رہنما، مولانا شبیہ الحسنین محمدی سے خصوصی انٹرویو

(انٹرویو: جاوید دزانی۔۔۔بیورو چیف سکھر)

علامہ شبیہ الحسنین محمدی بدایوں کے معروف علمی خانوادے کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوئے۔ لکھنؤ اور لدھیانہ میں فاضل ترین اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ اس خاندان میں حضرت محمد رحمۃ اللہ علیہ کے دور سے اس وقت تک مقتدائے علم و فضل پیدا ہوتے رہے ہیں۔ آپ کے والد ماجد سند العلماء، اعجاز الملت والدین علامہ محمد اعجاز حسین محمدی بدایونی مسلمہ عالم دین تھے۔۔۔ احمد المدارس مدرسۃ الواعظین اور ناظمیہ عربی کالج دونوں میں فرائض تدریس انجام دیتے تھے۔ ان کے شاگردوں میں ہزارہا افراد آسمان شہرت کے آفتاب و مہتاب بنے۔۔۔! علامہ شبیہ الحسنین محمدی کی عربی و فارسی کے علاوہ انگریزی میں بھی درک رکھتے ہیں۔ ایک مدت تک مشہور دینی آرگن البرہان کے ایڈیٹر رہے۔ تحریر، تقریر میں منفرد صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ عنوان شباب سے دینی خدمات کے ساتھ ساتھ ملکی سیاسیات میں حصہ لیتے رہے ہیں۔۔۔

تحریک پاکستان میں مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ تحریک پاکستان کا یہ سپاہی آج کل خیرپور میرس میں اپنے آبائی گھر محمدی ہاؤس میں بستر علالت پر ہے۔

مولانا شبیہ الحسنین محمدی نے سندھ میں امن و امان کی بگڑی ہوئی صورت حال پر اپنے گہرے دکھ کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ شخصی یا قومی کوئی بھی بیماری ہو، جب اس کا ادراک اور شدید احساس نہ ہو اس کا علاج ممکن نہیں۔۔۔!! مرحلۂ اول میں مریض کو احساس ہو کہ وہ بیمار ہے اور اس کی صحت تباہ ہوتی جا رہی ہے۔ پھر وہ ڈاکٹر کی طرف رجوع کرے، اور ڈاکٹر معائنے کے بعد اس کا علاج و معالجہ شروع کر دے تو امید بندھ جاتی ہے کہ جلد یا بدیر شفا حاصل

ہو جائے گی، لیکن مریض تو یہ محسوس کر رہا ہے کہ میں بیمار ہوں اور اس کے دور اور نزدیک کے لوگ بھی یہ محسوس کر رہے ہوں اور بار بار فریاد کر رہے ہوں کہ علاج کیا جائے۔ لیکن ڈاکٹر یہ کہہ دے کہ اس مریض کو کوئی بیماری نہیں۔۔۔ یہ صرف وہم ہے! تو یقیناً علاج نہ ہو سکے گا۔۔۔!!! اور مرض بڑھتا جائے گا۔۔۔ جیسا کہ سندھ کے امن وامان کے سلسلے میں ہو رہا ہے لیکن حکومت سندھ جو معالج کی حیثیت رکھتی ہے، وہ اس مسئلے کا وجود بھی تسلیم نہیں کرتی، نتیجہ اس کا یہ ہے کہ فتنہ وفساد، لوٹ اور قتل وغارت گری کا بازار گرم ہے، اس سیلاب کو روکنے والا کوئی نہیں۔

مولانا شبیہ الحسنین محمدی نے کہا کہ محترمہ وزیر اعظم بے نظیر بھٹو سے لے کے صوبہ سندھ کے چھوٹے بڑے وزیروں تک ہر ذمہ دار اپنے کاندھوں کو جھٹک کر ایسا رویہ اختیار کر رہا ہے، جس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ انہیں امن وامان اور سکون میں دلچسپی نہیں ہے۔ ان کو انتشار اور فساد ہی عزیز ہے۔ محترمہ وزیر اعظم نے سندھ کے قتل وغارت، فتنہ وفساد کے متعلق جو بیان دیا ہے وہ انتہائی گمراہ کن ہے! اور اس بات کا غماز ہے کہ وزیر اعظم محترمہ بے نظیر بھٹو اس بیماری کے علاج میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتیں۔ اُنہوں نے فرمایا ہے کہ:

''اندرونِ سندھ چھاپہ مار جنگ لڑی جا رہی ہے''۔

قتل وغارت، لوٹ مار کو چھاپہ مار جنگ سے تعبیر کرنا حقائق کو مسخ کرنے اور عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے۔۔۔! یہ حقیقت ہر ایک بھی سمجھتا ہے کہ جنگ دو متحرک گروہوں میں ہوتی ہے۔۔۔ لیکن اندرونِ سندھ ایک گروہ لوٹ مار کا ارتکاب کر رہا ہے اور قتل وغارت گری میں مصروف ہے اور دوسرا گروہ ظلم وجور کی تاب نہ لا کر نقل مکانی پر مجبور ہے، اور صوبے کے ان مقامات پر پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے، جہاں ان کو جان ومال، عزت وآبرو کا تحفظ مل سکے۔ یہ بیماری عام ہے، لیکن وزیر باتدبیر نے فرمادیا کہ نقل مکانی کا کوئی مسئلہ نہیں، ایک آدھ خاندان اِدھر سے اُدھر ہو گیا ہے، اس فتنہ وفساد کو چھاپہ مار جنگ سے تعبیر کرنا فتنہ وفساد کو آگے بڑھانا ہے۔

مولانا شبیہ الحسنین محمدی نے کہا کہ یہاں تو ایک گروہ لوٹ رہا ہے، دوسرا لٹ رہا ہے۔۔۔! ایک گروہ قتل کر رہا ہے، اور دوسرا قتل ہو رہا ہے۔۔۔! اور آخر کار مجبور ہو کر جان وعزت بچانے کے لئے نقل مکانی پر مجبور ہے۔۔۔! یہ قیامت نہیں تو اور کیا ہے۔۔۔؟ کہ لوگ اپنے گھروں میں محفوظ نہیں۔۔۔ گھروں کے اندر گھس کر عورتوں اور بچوں کو قتل کیا جا رہا ہے۔۔۔! رپورٹ نامزد ہوتی ہے لیکن گرفتاری عمل میں نہیں آتی۔۔۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ

سارا کھیل حکومت کا ہے۔۔۔ادھر وزیر اعلیٰ سندھ نے یہ بیان دے کر کہ فتنہ وفساد ہمیں ورثے میں ملا ہے، اپنے کندھے جھٹک کر اپنا دامن جھاڑ دیا ہے۔۔۔!انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے جتنا ورثہ ہمیں فتنہ وفساد کی صورت میں ملا تھا اسی حد پر چلنے دیتے ہیں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس ورثے میں کئی گناہ اضافہ ہو چکا ہے۔۔۔اور اس اضافے کے رجحان کو کنٹرول کرنے کا کوئی عندیہ نہیں ملتا۔۔۔اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اندرون سندھ سے لوگ یعنی مہاجر پنجابی اور پٹھان پُر امن اور محفوظ علاقوں کی طرف بھاگنے پر مجبور ہو گئے ہیں اور جب سب ایک جگہ جمع ہو جائیں گے تو سندھ کے تقسیم ہونے کا امکان وجود پذیر ہو جائے گا۔ یہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے، صرف سندھ کو تقسیم کرانے کی ارادی یا غیر ارادی کوشش ہے۔

مولانا شبیہ الحسنین محمدی نے تجویز پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ سندھ کی تقسیم ایک ہی صورت میں روکی جا سکتی ہے کہ اندرون سندھ کا مہاجر، پنجابی اور پٹھان اپنے موجودہ وطنوں میں تحفظ کا احساس کرے اور وہ اپنے علاقوں کو نہ چھوڑے، سندھ کے نوجوانوں کو اس حد تک غلط راستے پر ڈال دیا گیا ہے کہ قتل وغارت اور لوٹ مار کو وہ ایک کھیل سمجھتے ہیں اور دن رات اسی میں مصروف ہیں۔ نتائج کو وہ سوچ سکتے ہیں، نہ ان میں یہ صلاحیت ہے۔ حکومت کے ذمہ دار ردِ عمل کو اچھی طرح جانتے ہیں، لیکن اُنہوں نے اس کھیل کو کیوں جاری کر رکھا ہے!اور کیوں اجازت دے رکھی ہے، اس کا پتا خود انہیں ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ سندھ کے فتنہ وفساد اور انتشار کے حال میں سندھ کے چار ضلعوں کو دوسرے علاقے سے امتیازی حیثیت حاصل ہے، اور اس کا تجربہ نیک نیتی سے کرنا ہمارے لئے بڑا مفید ہوگا!

ضلع لاڑکانہ محترمہ وزیر اعظم کا ضلع ہے۔۔!اور وہاں دن رات قتل وغارت کا عمل جاری ہے اور لاہوری محلّہ کے علاوہ پنجابیوں اور مہاجروں کی حد تک پورا شہر نقل مکانی کر چکا ہے۔ وہاں غیر سندھی، پنجابی ہو، مہاجر ہو یا پٹھان۔۔۔محفوظ نہیں!کالجوں اور اسکولوں میں ان کے بچے نہیں پڑھ سکتے۔۔!گھروں کے اندر گھس کر عورتوں اور بچوں کو قتل کر دیا جاتا ہے۔۔اور وزیر اعظم اسے چھاپہ مار جنگ قرار دیتی ہیں۔۔!

تحریک پاکستان کے بزرگ کارکن مولانا شبیہ الحسنین محمدی نے کہا کہ دوسرا ضلع خیرپور ہے جہاں دن رات لوٹ مار اور قتل وغارت کا عمل جاری ہے۔۔۔خود وزیر اعلیٰ کے حواریوں پر جو پنجابی ہیں۔۔۔انتہائی قسم کا حملہ ہوا ہے، ان کے مردوں کو رسیوں سے باندھ کر خواتین سے ان کے مردوں کے سامنے زنا کیا گیا۔۔۔ان کے گھر میں ایک تنکا بھی نہیں چھوڑا

گیا۔۔۔بل اور دیگر سامان سب لٹیرے لوٹ کر لے گئے۔۔۔اور وزیر اعلیٰ اسے سابقہ حکومت کا ورثہ قرار دے کر اطمینان کے گہرے گہرے سانس لینے لگے۔۔۔! جب وزیر اعلیٰ کے زیر سایہ لوگوں کا یہ حشر ہے تو دوسرے لوگوں کا کیا حشر ہوگا۔۔۔اس بات کا بہ آسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حالات کو کس طرح کنٹرول کیا جا رہا ہے اور مظلوموں کی دادرسی کیسے کی جاتی ہے۔

مولانا شبیہ الحسنین نے انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ تیسرا ضلع حیدر آباد ہے، اس ضلع کا بالا ڈویژن مخدوم طالب المولیٰ اور ان کے بیٹوں کے دائرۂ اختیار میں ہے۔ وہاں آج اس گاؤں میں توکل اس گاؤں میں کھلے بندوں لوٹ مار ہوتی ہے۔ کاروبار کو آگ لگائی جاتی ہیں، دکانیں لوٹی جاتی ہیں، خواتین کی عزتوں سے کھیلا جاتا ہے اور مخدوم خلیق الرحمان صرف اتنا ارشاد فرماتے ہیں کہ ''لٹیروں، ڈاکوؤں اور قاتلوں کو عام معافی دی جائے''۔ وزیر اعظم نے بھی سندھ کے ڈاکوؤں اور لٹیروں کو یہ کہہ کر خراج عقیدت پیش کیا تھا کہ یہ بڑے غیور لوگ ہیں، جب جمہوری اور عوامی حکومت آجائے گی یہ خود بہ خود درست ہو جائیں گے۔ اب یہ غیور گروہ کتنا زیادہ طوفان اٹھا رہے ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ جن ظالموں کو ضیاء مرحوم کے دور حکومت میں پلنے بڑھنے کا موقع ملا تھا اب وہ لوگ ان کے کنٹرول میں نہیں ہیں۔ یا یہ سب کچھ ان کی مرضی سے ہو رہا ہے، تو مخدوم صاحب کا علاقہ فتنہ زنجیر کا گڑھ ہے۔ پولیس اور رینجرز سب کچھ موجود لیکن کارروائی کرنے کا حکم موجود نہیں۔۔۔!

مولانا شبیہ الحسنین محمدی نے کہا کہ چوتھا ضلع سانگھڑ کا ہے۔۔۔یہ پیر صاحب پاگارہ کا ضلع ہے۔۔۔پاکستان کے لوگ خیر پور کو پیر پگارہ کا ضلع سمجھتے ہیں۔۔۔یہ غلط ہے، پیر صاحب کا وطن خیر پور ہے۔۔۔یہ ان کا ضلع نہیں ہے، بہت تھوڑی تعداد میں ان کے مرید اس ضلع میں آباد ہیں۔۔۔اگر اس ضلع میں کچھ تھے بھی تو اہل تدبیر نے انتخابی مقاصد کے تحت دوسرے اضلاع میں شامل کروا دیا اس لئے پیر صاحب پگارہ کا ضلع سانگھڑ ہے۔ ان کا بیٹا سید علی گوہر اور ان کا خلیفہ محمد عاقل مخالفتوں کے باوجود وہاں سے کامیاب ہوئے۔۔۔خیر پور میں پیر صاحب پگارہ اور ان کے دو بیٹے پیر صبغت اللہ شاہ راشدی اور صدر الدین شاہ راشدی واضح شکست سے دوچار ہوئے۔ ان کے مقابلے میں جن لوگوں کا انتخاب کیا گیا، وہ کیا ہیں؟ ان کا کردار کیا ہے؟ ہم اس سے بحث کرنا نہیں چاہتے، تو بہر حال۔۔۔سانگھڑ پیر صاحب کا ضلع ہے اور یہ ایک حقیقت ہے جس کا انکار کوئی شخص نہیں کر سکتا۔۔۔چاہے وہ ضیاء مرحوم کا دور ہو۔۔۔یا محمد خان

جونیجو کا دور ہو۔۔۔یا پیپلز پارٹی کا دور حکومت۔۔۔!سانگھڑ میں مکمل امن وامان رہا ہے اور وہاں کسی قسم کا کوئی فساد نہیں ہوا۔۔۔!ہم نے اخبارات میں اس ضلع کے فتنہ وفساد کی معمولی سی خبر بھی نہیں پڑھی۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پیپلز پارٹی کی حکومت جو شور مچاتی ہے کہ شکست خوردہ فسادات کرا رہے ہیں سو فیصد جھوٹ ہے۔۔۔!بلکہ یہ ماننا پڑے گا کہ سارا فساد حکومت کی نااہلی میں ہو رہا ہے۔۔۔!اور حکومت نے دیدہ ودانستہ سندھ کو تقسیم کرانے کا فیصلہ کر رکھا ہے،سندھ کو تقسیم سے روکنے کا ایک ہی راستہ رہ گیا ہے کہ اندرون سندھ مہاجر،پنجابی،اور پٹھان کو۔۔۔مکمل طور پر تحفظ دیا جائے اور جب تک اندرون سندھ غیر سندھیوں سے خالی نہیں ہوگا اس وقت تک سندھ کی تقسیم کا خواب خواہ وہ الطاف حسین نے دیکھا ہو یا مخدوم خلیق الزماں یا قائم علی شاہ نے دیکھا ہو۔۔۔!شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔۔۔سندھ کے حال اور مستقبل کا تقاضا یہ ہے کہ سندھ تقسیم نہ ہو،اگر سندھ تقسیم ہوگیا اور حکومت نے احتیاطی اقدامات نہ کئے تو صرف پرانے سندھیوں کا نقصان ہوگا اور وہ ہر اعتبار سے تباہ ہوجائیں گے۔

مسلم لیگی رہنما مولانا شبیہ الحسنین محمدی نے کہا کہ سندھ کو اس کے باشندوں کی شرافت اور امن پسندی کے تحت منتخب کیا تھا اور ہم اب بھی اقرار کرتے ہیں کہ جہاں ہم آباد ہیں وہیں رہیں۔لیکن سندھ کے نوجوانوں کو اور خصوصاً طالب علم کو اندھا کردیا گیا ہے کہ وہ مہاجر،پنجابی اور پٹھان طالب علموں کو اب کالجوں اور اسکولوں میں داخل نہیں ہونے دیتے۔۔۔!بازار میں امن وامان کے ساتھ کاروبار کرنے نہیں دیتے کھیتی باڑی کرنے والے بھی ترک سکونت کرتے جارہے ہیں اس کا نتیجہ صرف اور صرف پرانے سندھیوں ہی کے حق میں زہر قاتل ہوگا۔۔۔!دس بیس ہزار مہاجروں،پنجابیوں اور پٹھانوں کے مارے جانے سے ان کی آبادی میں کوئی کمی نہیں آئے گی اور اس سے زیادہ لوگوں کو مارا بھی جاسکتا ہے،کیونکہ لوگ محفوظ مقامات کی طرف نقل مکانی کرجائیں گے،جو ہو رہا ہے اس لئے پیپلز پارٹی کو حقائق سے آنکھیں بند نہیں کرنی چاہئے۔ٹھنڈے دل سے امن وامان کی ابتری کو تسلیم کرنا چاہئے۔کیونکہ ڈاکٹر مرض کو تشخیص نہیں کرے گا تو علاج ممکن نہیں ہوگا!

اندرون سندھ نوجوانوں خصوصاً طالب علموں کو فتنہ انگیزی کے نقصانات سمجھائے جائیں انہوں نے کہا کہ ہم لوگ تو بہت کچھ سمجھاتے ہیں لیکن ہم لوگ پسے ہوئے عناصر ہیں،ہماری بات کو وہ خود غرضی پر محمول کرتے ہیں۔اس لئے حکومت آگے بڑھ کر سمجھائے تو وہ سمجھ لیں گے۔۔۔!اور جو نہ مانے ان کے خلاف طاقت استعمال کی جائے۔۔۔لیکن وزیر اعلیٰ سندھ

کا یہ ارشاد کہ عوام ہمیں مطلع کریں کہ کون لوگ فتنہ فساد کر رہے ہیں؟ یہ انداز گفتگو بڑا حیران کن ہے۔ اس لئے کہ عوام کے نمائندے گویا تمام عوام خود ان کی جیب میں موجود ہیں۔ اب باہر کون ہے جس سے وہ پوچھ رہے ہیں کہ مارنے والے کون ہیں؟ یا پٹنے والے کون ہیں؟ مارنے والوں کو غرض کیا پڑی ہے کہ آپ کو بتائیں، جس کو مارا جاتا ہے وہ فریاد کرتے ہیں تو ان کو سابقہ حکومت کا ورثہ قرار دیا جاتا ہے۔ بہر حال پیپلز پارٹی کی حکومت عوامی حکومت ہے۔۔۔ اور جس دن ممبران اسمبلی سندھ اور وزراء صحیح راستے پر آ گئے تو سندھ میں امن وامان کا کوئی مسئلہ نہیں رہے گا اس لئے کہ یہ لوٹ مار یہ قتل وغارت گری یک طرفہ ہے۔

اگر حکومت سندھ ذمہ داری محسوس کرلے جو اس کی ذمہ داری ہے وہ یہ دیکھیں کہ سندھ میں سب سے پہلے فساد کب اور کہاں کھڑا کیا گیا ہے اور اس کے بعد کہاں کہاں فسادات ہوئے اور ان فسادات میں کن لوگوں نے لوٹ مار کے بازار گرم کئے؟ اگر حکومت ان کے ساتھ سختی سے پیش آئے جب تک پورے فسادات کی تاریخ پیپلز پارٹی اپنے سامنے نہیں رکھے گی وہ اس بیماری کا علاج نہیں کرسکتی۔ یہ علاج قلیل عرصہ ہی میں کیا جاسکتا ہے۔ اور جب تحقیق ہوگی تو پتہ چل جائے گا کہ فساد کا مرکز کون ہے؟ بے نقاب کرنے کا حوصلہ نہیں دیا جائے گا جب تک مجرموں کو سزائیں نہیں دی جاتیں اس وقت تک امن وامان سندھ میں بحال نہیں ہوسکتا۔ قائم علی شاہ کہتے ہیں کہ ہم سو رہے ہیں ہمیں جگاؤ۔۔۔ لیکن یہ سونا جھوٹ ہے اور وہ جاگ رہے ہیں، اب جاگے ہوئے کو کس طرح جگایا جائے!

آخر میں مولانا شبیہ الحسنین محمدی نے کہا کہ اب تو کئی آوازیں بلند ہوئی ہیں کہ غیر سندھیوں کو چاہئے کہ وہ سندھی بن جائیں۔ خدا کے لئے سندھی بننے کا نسخہ کیا ہے؟ اس کی اشاعت کیجئے۔۔۔! قائم علی شاہ وزیر اعلیٰ سندھ تو خود سندھی نہیں ہیں، پیر صاحب پگارو، جی ایم سید اور مخدوم طالب المولیٰ بھی تو سندھی نہیں ہیں انہوں نے کیا عمل کیا کہ وہ سندھی قرار پاگئے۔۔۔ وہ عمل کیا ہیں؟ ہمیں بھی بتایئے! ہم اجرک کندھے پر ڈال لیں اور شیشوں والی ٹوپی اوڑھنا شروع کردیں تو کیا ہم سندھی ہوجائیں گے؟ ایسے ہزاروں لوگوں کو قتل کیا گیا ہے جو شیشوں والی ٹوپی اوڑھتے تھے اور اجرک کندھے پر ڈالتے تھے۔۔۔! تو بہر حال یہاں ہزاروں غیر سندھی، سندھی قرار دیئے گئے ہیں جیسا کہ جی ایم سید وغیرہ کوئی سندھی نہ تھا۔۔۔ اب سندھی ہیں۔۔۔ کیسے؟ انہوں نے کیا تبدیلی کی؟ اور کون سا نسخہ استعمال کیا؟ کہ یہ سندھی ہیں۔۔۔! وہ ہمیں بھی بتا دیجئے۔ ہم کہتے ہیں ہم سندھی ہیں، ہم اجرک بھی کندھے پر ڈالتے

ہیں، شیشوں والی ٹوپی بھی اوڑھتے ہیں سندھی بولتے ہیں۔اس کے باوجود ہمیں سندھی نہیں مانا جاتا، بلکہ کہا جاتا ہے کہ سندھی بن جاؤ۔۔۔! کیسے بن جائیں وہ نسخہ تو بتاؤ؟ حکومت فسادات کی ذمہ دار ہے اور ان حالات میں یہ حکومت زیادہ دیر نہیں چل سکتی اور آخر کار یہ ریت کی دیوار بہت جلد زمین بوس ہو جائے گی۔

مسلم لیگی رہنما مولانا شبیہ الحسنین محمدی نے ایم کیو ایم کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ مہاجر قومی موومنٹ قطعاً مہاجروں نے نہیں بنائی۔۔۔الطاف حسین کو مجبور کر دیا گیا وہ ایم کیو ایم بنائے۔۔۔! جئے سندھ کا۔۔۔۔۔اس طور طریقوں کا شدید ردعمل ایم کیو ایم ہے۔ مسلم لیگ نے بھی مہاجروں کو مکمل طور پر نظر انداز کیا۔اب پیپلز پارٹی بھی وہی کھیل کھیل رہی ہے۔۔۔اور جن لوگوں کو قومی دھارے سے جان بوجھ کر کاٹ دیا جائے تو وہ ایم کیو ایم کی چھتری کے نیچے پناہ نہ لیں تو کیا کریں؟ ہم نے بھی ایم کیو ایم کی ہمت افزائی نہیں کی لیکن خود اہل سندھ نے اسے اپنی ایڑیوں کے نیچے کچل دیا اور تعلیم کے نام سے کالجز یونیورسٹیاں اور اسکول تو ہیں لیکن تعلیم نہیں، کوئی ڈگری یافتہ نوجوان شاید ہی تعلیم یافتہ ہو۔ ننانوے فیصد ڈگریاں سینہ زوری کے بل بوتے پر حاصل کی گئی ہیں۔۔۔اور جب یہ لوگ ان ڈگریوں کے سہارے منصب اقتدار پر آتے ہیں تو اپنی جہالت کی وجہ سے سندھ کو تباہی کے راستے پر چڑھا دیتے ہیں۔ ابھی وقت ہے سندھ کو بچانے کی کوشش کی جاسکتی ہے! بشرطیکہ یہ وڈیرے مخلص ہو جائیں۔ ہم نے سندھ سے بہت کم لیا ہے جس کے بدلے میں ہم نے بہت کچھ دیا ہے۔۔۔تعلیم دی ہے، صنعت و حرفت دی ہے، سائنس اور ٹیکنالوجی مہیا کی ہے، لیکن اس کے جواب میں ہمیں صرف گولی اور آگ سے سابقہ پڑا۔اس لئے اچھا ہے کہ یہ کھیل ختم کر دیا جائے اور سندھ رہنے دیا جائے۔ یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ سندھ امن و امان کا گہوارہ تھا۔۔۔اور آئندہ بھی اسے امن و امان کا گہوارہ بنایا جاسکتا ہے۔۔۔!

خداوند عالم ہمیں نیکی و بھلائی کی ہدایت کرے۔۔۔(آمین)

از مولانا شبیہ الحسنین محمدی۔

سندھ میں اپوزیشن کی جمہوریت دشمنی

یونانی مفکروں کی ذہنی کاوشوں اور فلسفیوں کی دماغی تگ ودتاز کے ثمر یا نتیجہ کے طور پر نوع انسانی جمہوری طرز حکومت سے آشنا اور واقف ہوئی۔ مختلف قوموں نے مختلف ملکوں میں جمہوری طرز حکومت پر عمل کرنے کی طرح ڈالی اور صدہا برس کے وسیع تجربات کی روشنی میں انسانی برادری کی اکثریت اس نتیجے پر پہنچی کہ اقوام وملل عالم کیلئے جمہوری طرز حکومت مفید ہے۔ اس لئے کہ ایک تو قوم کے ہر فرد کو ملک کے نظم ونسق میں حصہ دار ہونے کا احساس ہوتا ہے اور دوسرے اکثر منتخب حکمران غیر مناسب اور نقصان سوسال طرز عمل اختیار کرے تو تیسرے یا پانچویں سال ان کو کسی ہنگامے کے بغیر صرف ووٹ کی پرچی کے سہارے بدلا جا سکتا ہے۔ اور اس طرح بہتر سے بہتر کی تلاش کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ پاکستان کے قیام کے بعد قائد اعظمؒ نے جو طرز حکومت رائج کیا وہ جمہوری ہی تھا اور جمہوریت ہی کے سہارے وہ پاکستان کی تشکیل میں کامیاب ہوئے تھے۔

اگر جماعتی انتخاب نہ ہوتا تو قیامت تک پاکستان نہیں بن سکتا تھا۔ یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ قائد اعظمؒ قیام پاکستان کے بعد بہت جلد وفات پا گئے۔ اور اس کے کچھ عرصے بعد ان کے دست راست نواب زادہ لیاقت علی خان وزیر اعظم پاکستان کو راولپنڈی میں قتل کر دیا گیا ان دو ہستیوں کے غم سے ابھی پاکستان نڈھال ہی تھی، نوکر شاہی ہاتھ پیر نکالنا اور دکھانا شروع کر دیئے۔ سب سے پہلے مسلم لیگ کا تیا پانچا کرنے کی کوشش کی گئی۔ یہ ایک المناک داستان ہے کہ جس کو کسی دوسرے مرحلے پر موضوع گفتگو قرار دیا جائے گا۔ مختصر یہ ہے کہ ۱۹۵۸ء میں جنرل اسکندر مرزا کی حماقت کے نتیجے میں جنرل محمد ایوب خان نے مارشل لاء نافذ کر دیا اور جمہوری طرز حکومت میں نئے تجربوں کی بنیاد رکھ دی۔ بنیادی جمہوریت کا تحفہ پاکستانی عوام کو پیش کیا گیا اور حیرت ناک بات یہ ہے کہ ملک کے سیاستدانوں کی اکثریت نے اسے قبول کر لیا، جنرل ایوب کے بعد جنرل یحییٰ کا دور آیا انہوں نے بھی ایک آدھ نئے تجربے کا ڈول ڈالا۔ لیکن حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ ان کو عام انتخابات کرانے پڑے، جو غیر معمولی حد تک دیانت دارانہ تھے۔ ان انتخابات کے نتیجے میں مجیب الرحمن کی عوامی لیگ نے مشرقی پاکستان

میں اور ذوالفقار علی بھٹو صاحب کی پیپلز پارٹی نے مغربی پاکستان میں اکثریت حاصل کی۔

پیپلز پارٹی نے سیاسی گٹھ جوڑ کے سہارے مشرقی پاکستانیوں کی اکثریت کو بے اثر بنانے کی کوشش میں مجیب الرحمن کو وزارت عظمیٰ کا چارج نہ لینے دیا اور قومی اسمبلی کے اجلاس میں اڑنگا لگا دیا۔ اور واضح اعلان کیا کہ جو شخص قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لئے مغربی پاکستان سے مشرقی پاکستان جائے گا اس کی ٹانگیں توڑ دی جائیں گی اور آخر کار "اُدھر تم، اِدھر ہم:۔۔۔!" کا نعرہ لگا کر ملک کو دولخت کرنے کی حکمت عملی کو بروئے کار لا کر مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنا دیا۔ پیپلز پارٹی نے ہیں کے الیکشنز میں کل ۳۷ فیصد ووٹ اور حزب اختلاف نے ساٹھ فیصد سے زیادہ ووٹ حاصل کئے تھے۔ چونکہ حزب اختلاف انتشار کا شکار تھی اور ہر پارٹی نے اپنے اپنے نمائندے میدان انتخاب میں اتارے ہوئے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ امیدواروں کی کثرت کی وجہ سے پیپلز پارٹی کے ہر نمائندے کو زیادہ ووٹ ملے۔ اور حزب اختلاف کی مجموعی فتح انفرادی شکست میں تبدیل ہوئی۔ غرض کہ پیپلز پارٹی کی حکومت بن گئی۔ اور پیپلز پارٹی نے حکومت کے نشے میں بدمست ہو کر پاکستان پر مسلط رہنے کے لئے ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں ہر ممکن دھاندلی اور بے ایمانی روا رکھی۔ جس کے نتیجے میں پاکستان قومی اتحاد کی تحریک چلی۔ اس کی طاقت سے مجبور ہو کر بھٹو صاحب دوبارہ الیکشن کرانے پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن بعض امور پر تصفیہ نہ ہونے کی وجہ سے جنرل ضیاء الحق صاحب کو مارشل لاء لگانے کا موقع مل گیا۔ یہ مارشل لاء نو برس تک ملک پر مسلط رہا۔ لیکن حالات نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو مجبور کر دیا کہ وہ انتخاب کا ڈول ڈالے جس طرح سے بنیادی جمہوریت کا ڈھونگ بعض سیاستدانوں نے جنرل محمد ایوب کی خوشنودی مجاز کے لئے کھڑا کر دیا تھا۔ بالکل اسی سے ملتے جلتے انداز میں کچھ حضرات نے جنرل ضیاء الحق صاحب کی خواہش کی تکمیل کے لئے غیر جماعتی الیکشن کی طرح ڈال دی۔

یہ بالکل درست ہے کہ غیر جماعتی الیکشن قائداعظم کے اور قائد ملت کے نظریہ اور عمل سے بالکل متصادم تھے۔ لیکن پاکستان کے سیاستدانوں نے زبانی کلامی احتجاج کے علاوہ کوئی موثر اقدام نہیں کیا۔ اس مرحلے پر بعض سیاستدانوں نے بجا طور پر انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کر لیا کہ اس طرح سے جمہوریت کی بحالی کی کوئی شکل تو نکل آئے گی۔

جو لوگ غیر جماعتی انتخابات کے مخالف تھے انہوں نے ووٹروں سے ووٹ نہ دینے کی اپیل کی، جو غیر موثر رہی اور عوام نے ان حضرات کی خواہش کو مسترد کر دیا گویا عوام نے اپنا حق رائے دہی استعمال کر کے اپوزیشن کو بے اثر ثابت کر دیا۔

جناب پیر صاحب پگارا نے اس انتخاب کے موقع پر واضح اعلان کیا کہ رائے دھندگان مسلم لیگ کے حامی امیدواروں کو ووٹ دے اور اس طرح پیر صاحب نے غیر جماعتی انتخابات کو جماعتی انتخاب بنا دیا، اور مسلم لیگی نمایاں اکثریت کے ساتھ مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں میں پہنچ گئے۔ پیر صاحب پگارا کی ہدایت کی روشنی میں مسلم لیگ اسمبلی پارٹی بنائی گئی جس کے نتیجے میں مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کے لیڈر محمد خان جونیجو قرار پائے اور وہ پاکستان کے وزیر اعظم ہو گئے۔ اس طرح ایک طویل عرصے کے بعد پاکستان کی خالق جماعت اقتدار میں آئی۔ محمد خان جونیجو کو پیدائشی مسلم لیگر کہا جا سکتا ہے۔ یعنی ان کی ساری زندگی مسلم لیگ سے وابستگی میں گزری۔ انہوں نے کبھی کوئی قلابازی نہیں کھائی۔ محمد خان جونیجو نے اقتدار میں آتے ہی مارشل لاء کو ختم کر دیا اور سب سے بڑا کارنامہ یہ انجام دیا کہ ۱۹۶۵ء سے پاکستانیوں کے جو بنیادی حقوق معطل تھے، بحال کر دیئے۔ یعنی بولنے لکھنے اور جلسے جلوس پر سے ہر طرح کی پابندی ختم کر دی۔

پاکستان کا قیام مسلم لیگ کا ایک عظیم الشان تاریخی کارنامہ تھا اور بنیادی حقوق کی بحالی دوسری اہم ترین خدمت ہے۔ اور تیسری خدمت یہ ہے کہ آئندہ کے لئے غیر جماعتی انتخاب کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا، اور واضح اعلان کر دیا گیا کہ آئندہ جماعتی بنیاد پر انتخابات ہوں گے۔ پیپلز پارٹی کے دور کو معلوم نہیں کس ناطے سے عوامی دور کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ پیپلز پارٹی کے بزرجمہروں نے عوام کے بنیادی حقوق معطل ہی رکھے، یہ پاکستان کی خالق جماعت کی ایک عظیم خدمت ہے کہ اس نے عوامی ذہن، زبان، قلم، اور اجتماع پر سے ہر طرح کے پہرے ہٹا دیئے۔ مرکز کی طرح صوبوں میں بھی مسلم لیگ کی حکومتیں قائم ہو گئیں۔ صوبہ سندھ میں سید غوث علی شاہ وزیر اعلیٰ قرار پائے اور مسلم لیگ کے صدر بھی۔ سید غوث علی شاہ نے باقاعدہ ضلع سکھر کے حلقے سے انتخاب لڑا۔

مسلم لیگ اسمبلی پارٹی نے ان کو اعتماد کا ووٹ دیا۔ اور اس طرح جنرل جہانداد خان کے انتخاب کو عوامی تائید اور توثیق حاصل ہو گئی۔ سید غوث علی شاہ وزارت علیا کے عہدے پر زبردستی نہیں آئے۔ چور دروازے سے داخل نہیں ہوئے ہیں۔ اس لئے ان کو استعفیٰ طلب کرنا اپوزیشن پارٹیوں کا حق نہیں ہے۔ غوث علی شاہ نے چیف منسٹری کا عہدہ سنبھالتے ہی عوام کی خدمت پر کمر باندھی اور انہوں نے دیگر خدمات کے علاوہ ناجائز اسلحہ اور منشیات کے مرکز سہراب گوٹھ کو ختم کرنے کے اقدامات کئے۔ جس کا فائدہ ہمیشہ اہل کراچی کو پہنچتا رہے گا۔ اپوزیشن نے

چیف منسٹر کے اس اقدام کے خلاف بھی ہنگامہ آرائی شروع کر دی۔ کبھی کہا گیا کہ چند سرمایہ داروں کو نوازنے کے لئے اقدام کیا گیا ہے۔ اور لطیفہ یہ ہے کہ جب تک یہ اقدام نہیں کیا گیا تھا اس وقت تک اپوزیشن والے شور مچا رہے تھے۔ کہ حکومت غیر قانونی اسلحہ اور منشیات کی سرپرستی کر رہی ہے۔

قومی اخبارات کے پڑھنے والے اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ انتشار کے علاوہ اپوزیشن کا کوئی پروگرام نہیں۔ سندھ اسمبلی جمہوریت کے ضوابط کے مطابق مسائل کو حل کرنے کی بہترین جگہ ہے۔ وزیر اعلیٰ کی توجہ دہانی کے باوجود کہ اسمبلی میں باہمی بحث و تمحیص سے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی جائے۔ سڑکوں پر ہنگامہ آرائی سے نہیں۔ لیکن اپوزیشن نے اسمبلی کے پہلے ہی دن عورتوں کو اسمبلی پر چڑھا دیا اور اس عمل سے ثابت کر دیا کہ اپوزیشن کو کراچی اور سندھ کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ صرف انتشار اور ہنگامہ آرائی سے دلچسپی رکھتے ہیں اس وقت اپوزیشن کی چودہ جماعتیں ایم آر ڈی کے مصنوعی جھنڈے کے نیچے جلوہ فرما ہے۔ یہ اجتماع اس لئے نہیں ہے کہ قوم و ملک کی کوئی خدمت کی جائے۔ اگر ملک و قوم کی خدمت مطلوب ہو تو یہ چودہ ٹکڑیوں میں کیوں بٹے ہوئے ہیں۔ ایک کیوں نہیں ہو جاتے؟

لیکن اگر ایک جماعت منظم ہو تو چنے کی چودھراہٹ کی نمائش کیسے ہوگی؟ اقتدار کی خواہش کا یہ بھی ایک کرشمہ ہے کہ لوگ ایک جماعت بنا کر کھڑی کر دیتے ہیں خواہ اس میں تین ہی آدمی ہوں، ایک صاحب صدر یعنی مکھ چودھری بن جاتے ہیں۔ دوسرے صاحب سکیریٹری اور تیسرے صاحب خزانچی۔ ایم۔ آر۔ ڈی میں کئی ایسی جماعتیں موجود ہیں جن کے شرکاء کی تعداد با آسانی انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔ یہ بیچارے ایک مشترکہ کانفرنس بلانے پر متحد نہ ہو سکے قومی مسائل میں صرف ایک بات پر انکار اتحاد ہے کہ مسلم لیگ کو دفن کر دیا جائے۔

یہ اس لئے کہ مسلم لیگ کو نقصان پہنچائے بغیر یعنی مسلم لیگ کے ہوتے ہوئے پاکستان کو نقصان نہیں پہنچایا جا سکتا۔ ان جماعتوں کے ماضی میں جھانک کر دیکھ لیا جائے تو ان کی غالب اکثریت پاکستان کے قیام کے ہی مخالف تھی۔ اب نصیب اعداء پاکستان کو توڑنے کی فکر میں ہیں اور اس کی ابتداء چیف منسٹر سندھ کے خلاف ہنگامہ آرائی سے کی جا رہی ہے۔ اپوزیشن والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ سندھ کا وزیر اعلیٰ پکا مسلم لیگی ہے اور وزیر اعظم پاکستان بھی بے داغ مسلم لیگی ہیں۔ اتفاقاً دونوں سندھ کے باشندے ہیں۔ تو اپوزیشن کا کھیل یہ ہے کہ سندھ کے وزیر اعلیٰ کو نشانہ بنایا جائے اور اگر وہ کسی طرح ان کا شکار بن جائیں تو وزیر

اعظم پاکستان محمد خان جونیجو کو شکار کرنا کچھ مشکل نہ رہے گا۔ آخر ہنگامے تو کسی نہ کسی رخ سے بلوچستان، صوبہ سرحد اور پنجاب میں بھی ہوتے رہتے ہیں۔

آخر یہ ساری زور آزمائی اپوزیشن کی طرف سے چیف منسٹر سندھ ہی کے خلاف کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس طرح آخر کار وزیر اعظم پاکستان کو با آسانی ختم کیا جا سکے۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ کوئی سنجیدہ آدمی یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ غوث علی شاہ کو ہاتھ لگایا جائے۔ اگر صوبے میں انتشار نے جنم لیا ہو۔ غوث علی شاہ نے جو بھی قدم اٹھایا ہے وہ صوبے کے باشندوں خصوصاً غریبوں کے مفاد میں ہے۔ ہاں دولتمندوں کے گلے بندھے حسب دستور لوٹ مار نہیں کر پا رہے ہیں۔ کیا اچھا ہوتا کہ سندھ اسمبلی میں اپوزیشن کے ارکان حکومت کی پالیسیوں کا نقصان اور خامیاں بتاتے اور صوبے کے لئے مفید پروگرام دیتے۔ یہ کون سا فریضہ ہے کہ صرف بلڑ ہنگامہ کیا جائے اور اسمبلی کی کارروائی کو پر امن طور پر نہ چلنے دیا جائے۔ ہر شخص کا بس ایک ہی مطالبہ ہے کہ غوث علی شاہ کو الگ کرو۔ گویا غوث علی شاہ کے الگ ہوتے ہی صوبہ سندھ میں دودھ اور شہد کی نہریں بہنے لگ گئیں۔ ایک ایم پی اے صاحب تو اس حد تک آگے بڑھ گئے ہیں کہ انہوں نے راجیو گاندھی صاحب کی پیروی کرنے کا مشورہ دیا ہے۔

کیا خوب! ہم حیران ہیں کہ سندھ اسمبلی کا یہ ممبر بھارت کی محبت میں اتنا غرق ہے کہ راجیو گاندھی کے اتباع اور پیروی کا مشوری دے رہا ہے۔ اصل میں غوث علی شاہ دولتمند یا وڈیرے نہیں ہیں، لیکن علمی حیثیت ان کی اتنی مضبوط ہے کہ ان کو اپوزیشن والے چاہتے ہیں کہ کوئی ایسا آدمی آجائے جس کو یہ جس طرح سے چاہیں استعمال کر سکیں۔ لیکن انشاء اللہ مسلم لیگ اسمبلی پارٹی اتنی مضبوط و توانا ہے کہ وہ اپوزیشن کی کسی داؤ کو کارگر نہیں ہونے دے گی۔ اور انشاء اللہ وزیر اعلیٰ سندھ، صوبہ سندھ کے عوام، مسلم لیگ اور پاکستان کی خدمت کرتے رہیں گے۔

سندھ مسلم لیگ اسمبلی پارٹی نے وزیر اعلیٰ کے حق میں دوبارہ اعتماد کا ووٹ دے کر اپوزیشن کے تمام ناجائز حربوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اپوزیشن تعمیری کردار اپنانے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اس لئے وہ چیف منسٹر کے خلاف ہنگامہ آرائی کرتی ہے تو کرتی رہے۔ جب تک غوث علی شاہ کو سندھ اسمبلی کی اکثریت کا اعتماد حاصل ہے ان کو صوبہ سندھ کی خدمت کرنے کا اخلاقی اور قانونی حق حاصل ہے۔ گورنر راج وغیرہ کا مطالبہ مارشل لاء کو دعوت دینا ہے۔ جو بہر حال قابل نفرت ہے۔

شبیہ الحسنین محمدی

تحریر: مولانا شبیہ الحسنین محمدی
مشیر وفاقی شریعت کورٹ، اسلام آباد
وزکن ایجوکیشن کونسل، سندھ

وسط مدتی (مڈٹرم) انتخابات کے دلائل

وسط مدتی انتخابات کے لئے اس وقت تک کوئی دلیل "انتخاب خواہ" حضرات کی طرف سے پیش نہیں کی گئی ہے۔ صرف ایک وجہ بتائی گئی ہے۔ اگر اس وجہ کو کوئی صاحب دلیل کہنا چاہتے ہیں تو ضرور کہیں۔۔۔۔۔۔ لیکن حقیقتاً یہ ایک واقعی وجہ بھی ہے بلکہ غلطی کے ازالے کی خواہش کہا جاسکتا ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ اپوزیشن جماعتوں کے ورثاء کہتے ہیں کہ چونکہ ہم نے انتخاب میں حصہ نہیں لیا اس لئے ہمیں حصہ لینے کا موقع دیا جائے۔۔۔۔۔!

ان حضرات نے حصہ کیوں نہیں لیا؟ کیا ان کو قوت مقتدرہ نے کسی ذریعہ سے روکا تھا؟ یا کوئی قانونی یا غیر قانونی رکاوٹ ڈالی تھی؟ ایسا کچھ نہیں! بلکہ واقعہ اس طرح ہوا کہ نو برس کا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد۔۔۔۔۔ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق صاحب نے ۱۹۸۵ء میں انتخابات کا اعلان کیا اور جماعتوں کے بجائے افراد کو الیکشن میں حصہ لینے کا حق دیا۔ اس مرحلہ پر سیاستدان دو حصوں میں تقسیم ہوگئے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ جب تک جماعتی بنیادوں پر انتخابات نہیں ہوں گے ہم حصہ نہیں لیں گے۔ گویا عملاً ان کا کہنا یہ تھا کہ بے شک مارشل لاء جاری رہے حالانکہ اسی مارشل لاء کے خاتمہ کے لئے ایک طویل عرصہ سے یہ حضرات جدوجہد کر رہے تھے۔۔۔۔۔ جب کسی نہ کسی شکل میں انتخابات کے انعقاد کا مرحلہ آیا اور مارشل لاء کے خاتمہ کا امکان پیدا ہوا تو ان حضرات نے مارشل لاء کی بقاء کا راستہ ہموار کر دیا اگرچہ زبان و بیان کے اعتبار سے مارشل لاء کے تسلسل کا وسیلہ بن گئے۔۔۔۔۔۔!!

دوسرے گروہ نے انفرادی انتخابات کو قبول کر لیا اور اس میں شرکت کا اعلان کر دیا تا کہ مارشل لاء کے خاتمے کے امکانات عملی شکل اختیار کر سکیں اور انتخابات کے بعد ہی یہی ہوا کہ جناب محمد خان صاحب جونیجو نے اپنی پہلی تقریر میں واضح طور پر اعلان کر دیا کہ

مارشل لاء اور جمہوریت کے ساتھ نہیں چل سکتے اس لئے ہم مارشل لاء کو جلد از جلد رخصت کردیں گے۔۔۔اور۔۔۔۔۔ایسا ہی ہوگیا۔

دراصل انفرادی انتخاب کا اعلان کرکے جنرل ضیاء الحق صاحب نے مارشل لاء کے تسلسل کا پروانۂ جواز حاصل کرنے کی کوشش کی تھی کہ بظاہر حالات وہ یہ سمجھتے تھے کہ انفرادی انتخابات کو لوگ قبول نہیں کریں گے اس لئے الیکشن کے اعلان کے باوجود الیکشن نہ ہوگا۔۔۔اور عملاً مارشل لاء کیلئے پروانۂ جواز مہیا ہوجائے گا۔لیکن قوم کے حال اور مستقبل پر نظر رکھنے والے لوگوں نے جنرل صاحب کے اس اقدام کے نتائج سے بچنے کے لئے انفرادی الیکشن میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا اور قوم نے بھی ساٹھ فیصد سے زیادہ ووٹ دے کر الیکشن میں حصہ لینے والے سیاستدانوں کی تائید کردی اور۔۔۔۔۔حصہ نہ لینے والوں کو مسترد کردیا۔یہ انتخاب ۱۹۹۰ء تک موثر ہے اور کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ چند خود پرست سیاستدانوں کی خوشنودیٔ مزاج کے لئے وسط مدتی انتخابات کرا کے رائے عامہ کی توہین کی جائے۔۔۔!!

یہ بات اپنے مقام پر درست ہے کہ انتخابات جماعتی بنیادوں پر ہی ہونا چاہیے۔۔۔اگر جماعتی بنیادوں پر انگریز انتخابات نہ کرواتے تو پاکستان وجود پذیر نہیں ہوسکتا تھا۔۔۔۔۔تاہم "طاقتور کا ٹھینگا سر پر" کے پیش نظر کسی بڑی برائی سے بچنے کے لئے چھوٹی برائی کو قبول کرکے اس کے ثمرات سے ،بڑی برائی کے اثرات کو زائل کردیا جائے تو۔۔۔۔۔یہ قطعاً عقل کا تقاضا ہے اور "اقل القبیحین" کو قبول کرنا عقلاء کی عملی زندگی کا حصہ ہے۔اب بقول شخصے ہمارے سامنے دو برائیاں تھیں۔بڑی اور عظیم برائی مارشل لاء۔۔۔۔اور معمولی اور کمتر برائی۔۔۔انفرادی الیکشن اگر کمتر برائی کو قبول کرکے الیکشن میں حصہ نہ لیا جاتا تو آج بھی مارشل لاء مسلط ہوتا اور یہ جلسہ جلوس بلکہ ہنگامے سیاسی تماشے اور وسط مدتی انتخابات کے لئے بے تحاشہ تقاضے اور مطالبے کچھ بھی نہ ہوتے۔اس کے علاوہ ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا جماعتی انتخابات کی صورت میں افراد انفرادی حیثیت سے انتخابات میں حصہ لینے سے کسی زمانے میں بھی روکے گئے ہیں یا روکے جاتے ہیں؟تو ہم ۱۹۳۵ء کے بعد سے اس وقت تک ہر انتخابی معرکہ میں جماعتوں کے ساتھ افراد کو بھی حصہ لیتے دیکھتے رہے ہیں اور یہ افراد جماعتی نمائندوں کو شکست دے کر اسمبلی میں پہنچ جاتے ہیں اور وہاں عام طور سے کسی جماعت میں شامل ہوجاتے ہیں اور اس شمولیت پر بھی ہم نے کوئی قدغن نہیں دیکھی۔اس صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے اگر انفرادی انتخابات میں حصہ لیکر جماعت میں شمولیت کا اعلان کچھ لوگوں نے کردیا تو وہ مجرمانہ

نقل کس طرح ہو گیا؟ جبکہ یہ حقیقت بھی ریکارڈ پر موجود ہے کہ ۔۔۔۔۔۔ پیر صاحب پاگارو جیسے بھاری بھرکم سیاستدان نے اعلان کردیا تھا کہ گو قانونی طور پر انتخاب انفرادی ہے۔ لیکن ووٹروں کا فرض ہے کہ وہ صرف مسلم لیگ سے وابستگی رکھنے والوں ہی کو ووٹ دیں! یعنی پیر صاحب نے انفرادی الیکشن میں بھی جماعتی الیکشن کا رنگ بھر دیا اور رائے دہندوں میں جماعت پسندی کا جذبہ بیدار کردیا۔ جماعت اسلامی اگرچہ پاکستان کے حال اور مستقبل سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتی اسے صرف اپنے گروہی مفادات عزیز ہیں تاہم اس نے بھی عقلمندی کا ثبوت یا اور مارشل لاء کو ختم کرنے کے لئے انتخابات میں حصہ لیا اور جماعت اسلامی کے امیدواروں کے حق میں ووٹ دیں!

اب جبکہ مسلم لیگی امیدواروں کو ووٹ دیئے ہی اس لئے گئے تھے کہ وہ مسلم لیگ کے نمائندے ہیں۔۔۔۔ تو اگر انہوں نے اسمبلی میں پہنچ کر مسلم لیگ کی تنظیم کا ڈول ڈال دیا اور مسلم لیگ اسمبلی پارٹی بھی بنالی تو کون سی غلطی کی ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر اسمبلی میں آنے والے افراد جماعتی شکل اختیار نہ کرتے تو اسمبلی ہال بھان متی کا کنبہ ہوتا اور ہر روز ایک نیا تماشہ دیکھنے میں آتا۔

اس تنظیم کا سب سے بڑا فائدہ یہ پہنچا کہ قوم کو مارشل لاء سے نجات مل گئی اور ساتھ ہی ۱۹۶۴ء سے ضبط شدہ بنیادی حقوق بھی واپس مل گئے اور اب جو تمام جماعتوں کے خصوصی ناقوس اپنے اپنے زاگ ورنگ میں مصروف یہ سب مسلم لیگ کا طفیل ہے، جہاں تک ایم۔ آر۔ ڈی کا تعلق ہے اس میں کوئی جماعت پاکستان کے حال اور مستقبل سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتی۔ ایم آر ڈی کی اکثریت کی مرضی کے خلاف پاکستان بنا ہے اور وہ پاکستان کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتے۔ اس لئے ان کے مطالبے پر وسط مدتی انتخاب کرانا عاقلانہ اقدام نہیں کہا جاسکتا۔

اگر عاشقانِ انتخاب تازہ کے پاس واقعی کوئی دلیل ہے انعقادِ انتخاب کے لئے تو وہ پیش کرنے میں تذبذب وتکلف کا کیوں شکار ہیں؟ جیسا کہ ہم نے حصہ نہیں لیا، کوئی دلیل نہیں ہے۔ آپ کو کسی نے روکا نہیں تھا، آپ نے اپنی خوشی اور مرضی سے انتخاب میں حصہ نہیں لیا۔ اب ۱۹۹۰ء تک انتظار کیجئے اور مسلم لیگروں کو عوام کی خدمت کرنے دیجئے۔ مسلم لیگروں کی حکومت عوام کی خدمت کے لئے کئی مناسب منصوبے بنا کر بعض پر عمل کی ابتداء کرچکی ہے اور بعض پر کررہی ہے اور انشاء اللہ پاکستانی عوام کی تعلیمی اور معاشی حالت پستیوں سے نکل کر امکانی بلندیوں تک آجائے گی۔ ایم آر ڈی کے لیڈروں کو مشورہ دوں گا کہ وہ ہنگامہ آرائی کی سیاست کے بجائے قوم

اور ملک کی ترقی کے لئے مختلف مفید منصوبے بنائیں اور اگر واقعی ان میں جان ہو تو مسلم لیگروں کی حکومت کو ان پر عمل کرنے کے لئے آمادہ اور آخر کار مجبور کرنے کے لئے تمام توانائیاں صرف کریں۔ پاکستان کی سرحدوں کے حالات ان سے چھپے ہوئے نہیں ہیں اگر وہ اندرونی انتشار و خلفشار کو ہوا دیتے رہے اور قوم و ملک کی ترقی کے لئے کوئی منصوبہ نہ بنایا تو پاکستانی عوام بہر حال ان کا ساتھ نہیں دیں گے۔ جیسا کہ ماضی میں ـــــ ساتھ نہیں دیا ہے ـــــ

از قلم: مولانا شبیہ الحسنین محمدی اعلیٰ اللہ مقامہ

اسلامی معاشرہ میں قومی کردار

انسان پیدائشی طور پر انفرادیت کی نمود اور نمائش کے جذبات سے بھی سرشار ہے اور اجتماع پسندی کے احساسات بھی اس کی طینت کا حصہ ہیں اسی لئے انسانی زندگی کے دو پہلو ہیں شخصی یا انفرادی اور اجتماعی یا قومی۔ کھانے پینے، رہنے سہنے، لباس اور علم وفن کے انتخاب دوستی اور تعلقات کو آگے بڑھانے کے سلسلے میں انفرادی رجحانات موثر کردار ادا کرتے ہیں شادی بیاہ خاندان سے محبت مختلف سیاسی صنعتی اور تعلیمی وغیرہ اداروں کا قیام حس اجتماعی پسندی کا مظہر ہیں اور یہی ایک دوسرے سے مل جل کر زندگی کے مختلف مراحل سے گزرنا معاشرہ کو وجود بخشتا ہے۔ یعنی معاشرہ نام ہے آدم زادوں کے فکری اور عملی تعامل کے مظاہر کا۔

معاشرہ عربی زبان کا لفظ ہے اس کے معنی ہیں کچھ انسانوں کا کچھ مقاصد کی تکمیل کے لئے مل جل کر زندگی گزارنا۔ یہ مقاصد کبھی اچھے ہوتے ہیں اور کبھی برے۔ اس لئے انسان معاشرہ صالح بھی ہوسکتا ہے اور طالح بھی۔ یعنی اچھا بھی اور برا بھی۔ اس وقت دنیا میں بہت سے معاشرے پائے جاتے ہیں لیکن افہام وتفہیم کی سہولت کے لئے ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

یعنی معاشرہ کی دو قسمیں ہیں، غیر اسلامی معاشرہ اور اسلامی معاشرہ۔ غیر اسلامی معاشرہ اس وقت زیر بحث نہیں۔ میں اس مرحلہ پہ صرف اسلامی معاشرہ پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں اگر اسلامی معاشرہ کی حدود کو سمجھ لیا گیا تو غیر اسلامی معاشرہ کے خدوخال خود بخود نمایاں ہوجائیں گے۔ اس لئے کہ اسلامی معاشرہ کے دائرہ اور احاطہ سے جو کچھ بھی باہر ہے وہ سب غیر اسلامی ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ معاشرہ کی تشکیل میں اغراض ومقاصد یعنی نصب العین کو جوہری دخل حاصل ہوتا ہے کوئی معاشرہ مقصد غرض اور نصب العین کے بغیر وجود پذیر ہو ہی نہیں سکتا۔ جہاں تک اسلامی معاشرہ کا تعلق ہے اس کی تشکیل میں بھی نصب العین کو جوہری دخل حاصل ہے۔

اسلام انسان کو خدا کا اطاعت شعار بندہ بنا کر اس کو صفت الٰہیہ کا آئینہ بنا دینا چاہتا ہے اور یہی معنی ہیں انسان کی خلافت ارضی کے۔ کہ وہ اس دنیا میں خدا کے نائب کی حیثیت سے ساری کائنات کا حکمران ہو جائے اسی لئے اسلام نے بنیادی طور پر عقیدۂ توحید کی تلقین کی ہے کہ اسلامی معاشرہ کا یہ نصب العین کچھ عقائد اور اعمال کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ عقائد میں سب سے پہلے توحید کا عقیدہ ہے یعنی اس کائنات کا خالق اور مالک ایک ہے۔

دراصل عقیدۂ توحید اسلامی معاشرہ کے وجود کے لئے تخم یعنی بیج کی حیثیت رکھتا ہے اور اسلامی معاشرہ کا تناور درخت اسی عقیدۂ توحید کے بیج سے پیدا ہوتا ہے۔ خدا ایک ہے اور اس نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے یہ تخلیق کائنات عبث اور بے کار نہیں ہے۔ اس کی غرض و غایت خدا ہی بتلا سکتا ہے۔ ہم تجربات کے سہارے کروڑہا برس میں ایک ذرہ کی غرض و غایت بھی نہیں سمجھ سکے اور نہ ہی سمجھ سکتے ہیں اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم بحیثیت انسان اپنی غرض و غایت تخلیق اور دوسری اشیاء کی غرض وجود جاننے کے لئے خدا تک پہنچیں لیکن اس سے ملنا ممکن ہے کہ وہ نظر نہیں آتا وہ محدود نہیں ہے جسم اور جسمانی نہیں ہے اس لئے خدا نے ہماری بے بسی اور مجبوری کے پیش نظر انبیاء اور رسولوں کی شکل میں ہمارے لئے رہنما بھیجے تا کہ ہم اپنی اور کائنات کی حقیقت سے آشنا ہوں اور کن چیزوں سے ہم فائدہ اٹھائیں اور کن سے دوری اختیار کریں کہ خواص اشیاء ہمیں معلوم نہیں ہیں خدا کے پیغمبر یہ سب حقائق ہم کو سمجھاتے ہیں اور یہ بھی ہمیں بتلاتے ہیں کہ خدا ہماری کن باتوں کو پسند کرتا ہے اور کن امور کو نہیں پسند کرتا، اور اسی مرحلے سے جائز و ناجائز یعنی حرام و حلال کا قانون پیدا ہو جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ دنیا انسان کے لئے گزرگاہ ہے ایک دن انسان اور اس کی یہ دنیا سب کچھ ختم ہو جائے گا دوسرے لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ بس دنیا ختم ہو جائے گی اور سارا قصہ اور قضیہ ختم ہو جائے گا لیکن اسلام بتلاتا ہے کہ جس خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے اور انسان کو زندگی گزارنے کے لئے ایک مکمل قانون دیا ہے وہ حق رکھتا ہے کہ یہ دیکھے جانچے اور فیصلہ کرے کہ کس حد تک قانون کی پابندی کی گئی ہے اور کس حد تک بغاوت۔ باغیوں کو ان کی سرکشی کی سزا دی جائے اور اطاعت شعاروں کو جزا۔ اس سزا اور جزا کے مادی وجود کا نام دوزخ اور جنت ہے اور موت کے بعد جنت یا دوزخ میں داخلے اور یہاں تک پہنچنے کے تمام مراحل کا نام عالم آخرت ہے۔ اسلامی معاشرہ کے یہ تین بنیادی ستون ہیں جو عقائد کہلاتے ہیں۔ خدا، نبی اور آخرت۔ ہم مسلمان خدا کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہیں وہ خدا کی طرف سے قرآن

کریم نامی کتاب بطور معجزہ لائے ہیں جو قانونی کتاب بھی ہے اور انہوں نے ہمیں کچھ اعمال کا حکم دیا ہے۔ اور کچھ افعال سے بچنے اور باز رہنے کی ہدایت کی ہے۔ حضورؐ نے جو کچھ بھی ہمیں حکم دیا ہے تاریخی حیثیت سے ثابت ہے کہ پہلے ان پر خود عمل کیا ہے اور جن امور سے روکا ہے ان سے خود دور رہے ہیں۔ اس لئے اسلامی معاشرہ کی پہلی بنیاد حکم خدا کی اطاعت اور عمل رسول کا اتباع ہے۔ ان دونوں امور کو دوسرے لفظوں میں قرآن اور سنت کہا جاتا ہے۔

اس لئے اسلامی معاشرہ کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا ہر فرد صرف خدا اور رسول کی اطاعت کا پابند ہے۔ اور اگر کسی دوسرے کی اطاعت کرتا ہے جیسے ماں باپ اساتذہ حکام اور دیگر بزرگوں کی اطاعت تو صرف یہ اسلئے کہ اس کا حکم ہمیں خدا اور رسول نے دیا ہے اور یہ اطاعت بھی اس شکل میں کی جائے گی جبکہ ان لوگوں کی فرمائشیں حکم خدا اور رسول کے احکام کے مطابق ہوں ورنہ نہیں۔ حضور اکرمؐ نے خود فرمایا ہے "لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ..... اللہ کی مرضی کے خلاف کسی کی اطاعت نہ کی جائے گی خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ ظاہر ہے کہ جب اسلامی معاشرہ میں خدا اور رسول کے احکام کی اطاعت کی جائے گی تو خود بخود عدل و انصاف کا دور دورہ ہو جائے گا کوئی کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرے گا اور نہ کوئی ایسا کام کرے گا جس کا کرنا مناسب اور درست نہیں ہے۔

قرآن کریم میں واضح طور پر کہا گیا ہے اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۝ (سورہ نحل آیت ۹۰) بے شک خدا عدل اور احسان اور قرابت والوں کو ان کا حق دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور برے کاموں اور سرکشی سے منع کرتا ہے اور تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔ باہمی گفتگو میں بھی عدل پر کاربند رہنا مسلمان کا فرض ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے: وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ (سورۂ انعام آیت ۱۵۲) اور جب تم کچھ کہو تو عدل و انصاف کے ساتھ کہو خواہ تمہارے کسی قرابتدار پر بھی زد پڑتی ہو۔ اسلامی معاشرہ میں عدل کا اس حد تک اہتمام کیا گیا ہے کہ دشمن کے ساتھ بھی ناانصافی نہیں کی جاسکتی جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۝ (سورۂ المائدہ آیت ۸) اے ایمان والو خدا کی خوشنودی کے لئے انصاف کے ساتھ گواہی دینے کے لئے تیار رہو، اور تمہیں کسی

قوم قبیلے کی عداوت اس جرم میں مبتلا نہ کر دے کہ تم ناانصافی کرنے لگو خبردار تم ہر حال میں انصاف کرو عدل پرہیزگاری کے بہت قریب ہے اور خدا سے ڈرو کیونکہ جو کچھ تم کرتے ہو خدا اسے خوب جانتا ہے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ عدل کی ضد ظلم ہے، قرآن کریم میں اور زبان رسول سے ظالموں سے بیزاری کا اعلان کیا گیا ہے اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ (سورۂ ہود آیت ۱۸) لوگو توجہ کرو ظالموں پر خدا کی لعنت ہے ظلم کسی رنگ میں بھی ہو خلاف عقل ہے اور اسلامی معاشرہ کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں ہر فرد اور گروہ عدل و انصاف سے کام لیتا ہے اور ظلم سے نفرت کرتا ہے۔ دوسروں کا تو ذکر کیا ہے اسلام یہ بھی برداشت نہیں کرتا کہ کوئی شخص اپنی ذات کے ساتھ ناانصافی کرے ناپ تول، لین دین، معاملات، معاہدات غرضکہ ہر مرحلۂ زندگی میں اسلامی معاشرہ میں خود بخود مساوات پیدا ہو جائے گی۔

اسلامی معاشرہ میں مساوات ایک ایسی خصوصیت ہے جو صرف اسلامی معاشرہ ہی میں پائی جاتی ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اقرار کرنے کے بعد قانون کی نگاہ میں معاشرت میں کسب و اکتساب کے وسائل میں اور تعلیم و تربیت کے مراحل میں سب کو برابر کے حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ زندگی کے کسی شعبہ میں کسی کلمہ گو سے امتیاز نہیں برتا جاسکتا کسی کاروبار پر کسی شخص یا گروہ کی اجارہ داری نہیں قائم کی جاسکتی اور کسی تعلیمی ادارہ یا ہسپتال میں ایسا رویہ اختیار کرنا جس سے طبقاتی امتیازات پیدا ہوں اسلامی تصور کے منافی ہے قرآن کریم میں انما المومنون اخوۃ (سورۂ الحجرات آیت ۱۰) مومن بلاشک و ریب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اور اہل ایمان کے بھائی بھائی ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ "مساوات" کے ساتھ ساتھ مواسات یعنی ایک دوسرے سے ہمدردی بھی اسلامی معاشرہ کی ایک خوبی ہے اس لئے کہ وہ کون بھائی ہوسکتا ہے جو دوسرے بھائی کے دکھ درد کو نہ سمیٹے اور یہیں سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اسلامی معاشرہ میں کسی کو تکلیف دینے اور ستانے کی گنجائش نہیں ہے۔ حضور پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا ہے کہ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُ مِنْ يَّدِهٖ وَلِسَانِهٖ (الحدیث) مسلمان تو صرف وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے تمام مسلمان محفوظ رہیں اس حدیث کی روشنی میں کسی کو قتل کرنا، مارنا دھوکہ دینا، چوری کرنا، کسی کو کسی طرح کا نقصان پہنچانا، گالی دینا کسی کی غیبت کرنا سب غیر اسلامی افعال ہیں اور اسلامی معاشرہ ان حرکتوں کو قبول نہیں کرسکتا قرآن کریم میں اور احادیث میں ان تمام امور سے بیزاری اور برائت کا اعلان کیا گیا ہے اس لئے جو شخص چوری کرتا ہے یا کسی کو قتل

کرتا ہے یا مار پیٹ اور دنگا فساد کرتا ہے یا گالم گلوچ اور بدگوئی میں حصہ لیتا ہے وہ اسلامی معاشرہ کا باغی ہے۔

اسلامی معاشرہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں جس طرح اخلاقی پاکیزگی کی ہدایت کی گئی ہے اسی طرح مادی یعنی جسم ولباس کی طہارت کا پابند بھی بنایا گیا ہے اور میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ طہارت اور پاکیزگی اسلامی معاشرہ کی ایک مثالی خصوصیت ہے۔ لباس اور بدن کا پاک رکھنا اسلامی معاشرہ میں انتہائی ضروری ہے اس لئے کہ نجاست اور ناپاکی کے عالم میں عبادت نہیں ہوسکتی عبادت گاہوں میں بھی انسان نہیں جاسکتا اور جس طرح سے لباس اور جسم کی طہارت ضروری ہے اسی طرح پاک اور جائز غذا بھی لازم ہے اس لئے اسلامی معاشرہ میں شراب، سود، بھنگ، چرس وغیرہ تمام چیزیں ناجائز ہیں رشوت چوری، سود، جوئے اور فریب کاری سے معاش حاصل کرنا حرام ہے۔ اسلامی معاشرہ انسان کو ہر حالت میں یعنی نفسیاتی اور جسمانی طور پر پاک صاف رہنے کی ہدایت کرتا ہے اگر کوئی شخص نجس یا ناجائز چیزیں کھائے یا نجس اور حرام لباس پہنے یا ناپاک رہے تو وہ اسلامی معاشرہ کا دشمن ہے۔ اور اس لئے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ان اعمال کے قریب نہ جائیں بلکہ اگر کچھ بے عقل لوگ اس قسم کی حرکتیں کریں تو انہیں سمجھا بجھا کر راہ راست پر لائیں نیکی کی ہدایت اور برائی سے روکنا اسلامی معاشرہ کا اہم ترین ستون ہے یعنی اسلامی معاشرہ تبلیغی معاشرہ ہے اور اس میں شامل ہر فرد کا فرض ہے کہ خود بھی نیکی کا مجسمہ ہو اور دوسروں کو بھی نیکی کی تلقین کرے خود بھی برائیوں سے بچے اور دوسروں کو بھی برائیوں سے بچنے کی ترغیب دے۔ اس طریق کار کو اسلامی زبان میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کہا جاتا ہے۔

عقیدہ اور عمل کی حد تک اسلامی معاشرہ میں یک رنگی اور وحدت پائی جاتی ہے یعنی اسلامی معاشرہ کا ہر فرد ایک سے عقائد رکھتا ہے اور یکساں عمل بجالاتا ہے۔ عقائد میں خدا، ملائکہ، انبیاء، جنت، دوزخ، میزان پل صراط اور قبر میں منکر ونکیر کی طرف سے پوچھ گچھ وغیرہ تمام مسلمان فرقے اور افراد مذکورہ عقائد رکھتے ہیں عمل کی حد تک نماز، روزہ، حج، زکوۃ، جہاد، نکاح اور اموات کی تجہیز و تکفین سب مسلمان پر اعمال بلا امتیاز جغرافیہ ونسل وغیرہ بجالاتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ فروعی مسائل میں بہت معمولی قسم کا تعبیری اختلاف پیدا ہوگیا ہے لیکن اصول عقائد واعمال میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں اور تضادات تو اسلامی معاشرہ میں پائے ہی نہیں جاتے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ غیر اسلامی معاشروں میں اصولی اختلاف کے ساتھ ساتھ

تضادات کی بھی بھرمار ہے۔

وحدت عقیدہ وعمل کے ساتھ اسلامی معاشرہ میں غیر مسلموں پر عقیدہ وعمل کے تعلق میں کسی قسم کا جبر نہیں، ہر شخص کو اختیار حاصل ہے کہ جو عقیدہ چاہے رکھے اور جو چاہے عمل کرے بشرطیکہ اس سے اسلامی قوانین کی شکست وریخت نہ ہوتی ہو اور امن عامہ میں خلل نہ پڑتا ہو جیسا کہ قرآن کریم میں کہا گیا ہے لا اکراہ فی الدین اظہار رائے کا حق ہر انسان کے لئے اسلامی معاشرہ کا ایک خصوصی عطیہ ہے باہمی مشورہ کا بھی اسی لئے حکم دیا گیا ہے کہ ہر شخص اپنی اہلیت اور صلاحیت کے مطابق متعلقہ مسئلہ پر اظہار رائے کر سکے۔

صداقت اور سچائی بھی اسلامی معاشرہ کا جوہر ہے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ سچ بولے قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۝ (سورۃ التوبہ آیت ۱۱۹) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ قرآن کریم میں مختلف مقامات پر سچوں کی مدح کی گئی ہے جھوٹ کو اسلامی تعلیمات میں انتہائی بداخلاقی سمجھا گیا ہے اور قرآن کریم میں مختلف زاویوں سے جھوٹوں پر لعنت کی گئی ہے یعنی اسلامی معاشرہ ہر رنگ میں صداقت کا علمبردار ہے۔

صداقت پسندی کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرہ میں امانت اور دیانت کو بھی جوہری اہمیت دی گئی ہے یعنی ہر مسلمان کو امین اور دیانتدار ہونا چاہیے اور مجموعی حیثیت سے اسلامی معاشرہ امانت ودیانت کا آئینہ دار ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے: اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَاۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِؕ (سورۃ نساء آیت ۵۸) بے شک خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ لوگوں کی امانتیں ان کے مالکوں کے حوالے کر دو اور جب لوگوں کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کرنے لگو تو عدل وانصاف سے کام لو حضور پیغمبر اسلامؐ نے اعلان نبوت سے پہلے ہی آپ کو صداقت اور دیانت کا سکہ لوگوں کے دلوں پر بٹھا دیا تھا حتیٰ کہ آپ کے جانی دشمن بھی آپ کو صادق اور امین کہتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کی خواہش کے باوجود اپنی امانتیں حضور کے پاس ہی رکھواتے تھے اور آپ کو صادق اور امین کے القاب سے پکارتے تھے۔

وعدہ اور عہد کا پورا کرنا بھی اسلامی معاشرہ میں ایک بنیادی ذمے داری ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۳۴) اور عہد کو پورا کرو اس لئے کہ قیامت کے روز عہد کی ضرور پوچھ گچھ ہوگی۔ وعدہ کے تعلق

میں خداوند عالم نے وعدہ کی پابندی اپنی صفت بتائی ہے، جیسا کہ فرمایا ہے: لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ (سورۃ الزمر آیت ۲۳) اور خدا وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ کلام خدا میں وعدہ نبھانے اور پورا کرنے والوں کی مختلف مقامات پر تعریف کی گئی ہے۔ اس لئے اسلامی معاشرہ وعدہ کی پابندی کے خلق احسن سے آراستہ رہتا ہے۔ اگر کوئی شخص امانت میں خیانت کرتا ہے، جھوٹ بولتا ہے، وعدہ کی پابندی نہیں کرتا۔ تو ایسا شخص مسلم معاشرہ کی پیشانی پر ایک داغ کی حیثیت رکھتا ہے۔ مسلم معاشرہ کے حُسن کو قائم ودائم رکھنے کے لئے ہم سب مسلمانوں کا فرض ہے کہ ان تمام امور پر عمل کریں جن کا اسلامی معاشرہ تقاضا کرتا ہے۔ ان تمام باتوں سے بچیں جن سے روکا گیا ہے۔

اسلامی معاشرہ کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں صنف نازک کو بڑا احترام اور اس کے حقوق کو تحفظ دیا گیا ہے۔ ماں کی حیثیت میں بیٹا خواہ بادشاہ ہو یا فلاسفر، عالم جلیل ہو یا افسر، جاگیردار ہو یا مزدور۔۔۔ سب پر ماں کا احترام اور اس کے احکام کی تعظیم لازم ہے۔

بیٹی کی حیثیت میں اس کو رحمتِ خدا کہا گیا ہے، اور بیٹیوں کی اچھی تربیت پر بہترین جزا کا وعدہ کیا گیا ہے۔ بیوی کی حیثیت سے اس کے لباس وغذا اور اس کے آرام وسکون کا خصوصی خیال رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے اور اس کے ساتھ شفقت ومہربانی کا سلوک ضروری قرار دیا گیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهٖ تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے اہل کے لئے اچھا ہے۔ لہٰذا اسلامی معاشرہ کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ گھریلو زندگی باوقار اور پُر بہار رکھے۔ اس لئے کہ مختلف گھرانے ہی معاشرہ کی بنیادی اکائیاں ہیں۔ اس طرز کار کے نتیجے میں ایک مطمئن اور مسرت آگیں معاشرہ پیدا ہو جائے گا۔

تاہم عورتوں کی حد تک اسلامی معاشرہ "پردہ" کو ضروری جانتا ہے اور نامحرم مردوں اور عورتوں کے اختلاط کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ یہ اوصاف بھی اسلامی معاشرہ کے بالکل امتیازی اوصاف ہیں۔ اس محتاط طرز حیات کی وجہ سے اسلامی معاشرہ بہت سے فسادات اور تباہیوں سے محفوظ رہتا ہے۔ مذکورہ گذارشات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی معاشرہ مجموعہ ہے تمام فضائل کا، اور محفوظ ہے تمام رذائل سے۔۔۔ لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ فی الحال دنیا کے کسی حصہ میں اسلامی معاشرہ کا وجود نہیں۔ مسلمان جن حالات میں زندگی گزار رہے ہیں اس کو مسلم معاشرہ تو کہا جاسکتا ہے، اسلامی نہیں۔۔۔ اس لئے کہ مسلمانوں نے عیسائیوں اور ہندوؤں وغیرہ سے بہت سی رسمیں اور بہت سے آداب زندگی اخذ کئے ہیں اور اسلام کے

بہت سے امور ترک کر دیئے ہیں۔۔اس لئے نہیں کہ غیر مسلموں کی زندگی کے بعض رخ اچھے تھے اور مسلمانوں کے برے۔۔۔۔۔۔یا غیر مسلموں کے طور وطریقے مفید ہیں اور مسلمانوں کے مضر۔۔۔اس لئے کہ ترک وقبول کے یہی عقلی پیمانے ہیں اور یہی فطری معیار۔۔۔۔بلکہ مسلمانوں نے اپنی اچھی باتوں کو ترک کر کے غیر مسلموں کی بری باتوں کو ذہنی مرعوبیت یا احساس کمتری کے زیر اثر قبول کر لیا ہے۔

اس وقت پاکستان اور ایران دو ایسے ملک ہیں جو اسلامی معاشرہ کے احیاء کی کوشش کر رہے ہیں۔ پاکستانی کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ ہم حکومت اور ملت کو اسلامی معاشرہ کی نشاۃ ثانیہ میں ہر طرح کا تعاون دیں اور حکومت اور اس کے کار پردازوں کو مایوس نہ کریں کہ ہماری عزت اور عظمت اسلامی معاشرہ کے بحال ہو جانے ہی میں ہے۔ہم سب عہد کریں کہ غیر مسلموں سے لی ہوئی سب باتیں چھوڑ دیں گے اور اسلام کی تمام ہدایات پر عمل کریں گے تو پھر پاکستانی معاشرہ اسلامی معاشرہ بن جائے گا۔

میں خاتمۂ کلام میں سنٹرل جیل اسٹاف ٹریننگ انسٹیٹیوٹ کے کار پردازوں کا شکر گزار ہوں اور انہیں مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے انتہائی مفید اور برمحل جلسہ کا اہتمام کیا اور مجھ جیسے کج بیان کو گفتگو کا موقع دیا۔

شبیہ الحسنین محمدی
ناظم مظفر المدارس مدرسۃ الواعظین
۲۰۔ ایمپریس روڈ۔ لاہور

نومبر ۱۹۸۷ء

از: مولانا شبیر الحسین محمدی

دین اور فرقہ پرستی

۷؍نومبر کے ''نوائے وقت'' میں میرا مضمون ''پاکستان کو فرقہ پرستی کی وبا سے بچایئے'' کے عنوان سے شائع ہوا تھا، اس مضمون کے متعلق ۱۶ نومبر ۸۷ء کے نوائے وقت میں محترم محمد نیاز صاحب نے خامہ فرسائی کا فریضہ انجام دیا ہے۔ جناب محمد نیاز صاحب کے ابتدائی جملوں کے مطالعے سے میں نے یہ محسوس کیا کہ فاضل مقالہ نگار کوئی متین اور سنجیدہ تبصرہ سپردِ قرطاس کر رہے ہیں جو میرے اور قارئینِ نوائے وقت کے لئے ازدیادِ بصیرت کا باعث ہوگا۔ لیکن ساری ابتدائی بحث کا محور لفظ ''ادیان'' کا استعمال بنایا گیا، یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہے اور مسلمان بچے تک اس حقیقت سے واقف ہیں کہ خداوند عالم کی طرف سے تمام انبیاء و رسل کو ایک ہی دین دیا گیا، جس کا نام اسلام ہے۔ قرآن کریم کی جتنی آیتیں اس ذیل میں لکھی گئی ہیں وہ سب میری نظر میں تھیں تاہم فاضل مقالہ نگار کی تحریر سے اس تعلق میں میرا علم تازہ ہوگیا ہے۔ اگر فاضل مقالہ نگار تھوڑا سا بھی غور کر لیتے تو اس ساری بحث کی ضرورت نہ تھی۔۔۔! کہ لفظ ادیان میں نے غیر مسلم اقوام کے اعتقادات و تصورات کے پیش نظر لکھا ہے۔۔۔! کہ یہ لوگ ہر دین کو الگ سمجھتے اور قرار دیتے ہیں۔

اُردو استعمالات میں بھی ''عیسیٰ بدینِ خود، موسیٰ بدینِ خود'' ایسے محاوروں سے یہ حقیقت سمجھ میں آسکتی ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ تمام دینوں کے مدعی اقوام اپنے دین کو الگ الگ دین سمجھتی ہیں اور اقوامِ عالم کے اسی عام استعمال کے پیش نظر لفظ ''ادیان'' استعمال کیا گیا ہے جو قارئینِ نوائے وقت نے اسی مفہوم میں سمجھا جس کی ادائیگی کے لئے لکھا گیا تھا۔۔۔! اسی لئے محمد نیاز صاحب کے علاوہ کسی شخص نے بھی اس کو محلِ تنقید قرار نہیں دیا۔ بہر حال مسلمانوں کی حد تک یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ خداوند عالم کی طرف سے جناب آدمؑ سے لے کر جناب خاتم النبیینؐ تک ایک ہی دین عطا کیا گیا جس کا نام اسلام ہے۔ لیکن غیر مسلم اقوام میں سے وہ قومیں جو خدائی دینوں کو تسلیم کرتی ہیں وحدتِ دین کی قائل نہیں ہیں۔۔۔!!

اس گزارش سے یہ نتیجہ بہ آسانی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ محمد نیاز صاحب کی دین و ادیان

سے متعلق ساری بحث غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔۔!!

فاضل مقالہ نگار نے میرے مضمون سے تین فقرے نوٹ کرکے ان کو باہم متضاد بتایا ہے۔ میں نے بڑا غور وخوض کیا افسوس ہے کہ لفظ تضاد لکھنے کے بعد اس تضاد کی کوئی نشاندہی نہیں کی گئی، ظاہر ہے کہ محض تضاد کے اعلان سے تو تضاد ثابت نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے دلائل نہ دیئے جائے۔ بہر حال ''ادیان'' کا لفظ عرف عام کے تعلق سے لکھا گیا ہے کہ یہودی اور عیسائی اپنے دینوں کو دین نہیں ''ادیان'' سمجھتے ہیں۔

جناب محمد نیاز صاحب نے فرقہ بندی کے تعلق میں قرآن کریم کی کچھ آیتیں بھی تحریر کی ہیں اور آخر کار فرقوں کے وجود کے تسلیم کرنے کو کفر وشرک قرار دیا ہے۔ اس بحث میں مزید گفتگو کرنے سے پہلے میں یہ جاننا چاہوں گا کہ فاضل مقالہ نگار کے نزدیک کیا اس دنیا میں کچھ ایسے مسلمان موجود ہیں جو کسی فرقے سے وابستہ نہ ہوں وہ کس ملک میں رہتے ہیں؟ کس شہر میں آباد ہیں؟ یا کس مسجد اور مدرسہ میں پائے جاتے ہیں؟ لفظوں سے کھیلنا علمی دیانت کے خلاف ہے۔ میں نے خود اپنے مضمون میں عرض کر دیا تھا کہ

''اسلام کو فرقہ بازی سے بچانے کے لئے قرآن وسنت میں واضح ہدایات دی گئی ہیں۔ لیکن ہم مسلمانوں نے دنیا کی ڈگر پر چل کر فرقے بنالئے''

اور جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ یہ فرقے اصول وفروع دین کو الٹ پلٹ کرکے نہیں بنائے گئے ہیں بلکہ یہ فرقہ گری تاویل وتعبیر کا کرشمہ ہے۔ اسی لیے میرے نزدیک کفرو شرک کی زد میں نہیں آتے، فرقہ گری یقیناً کفر وشرک ہوتی، اگر اصل دین میں فروع واصول کی حد تک کوئی تبدیلی لائی گئی ہوتی، اس مرحلے پر بھی فاضل مقالہ نگار نے یہودی اور عیسائی فرقہ سازی پر مسلم فرقہ گری کو قیاس کیا ہے، یہودیوں اور عیسائیوں نے تو اصل دین میں تغیر کرکے فرقے بنائے ہیں، لیکن مسلمانوں کے کسی فرقے نے اصول وفروع دین اسلام میں تغیر کا تصور تک نہیں کیا۔ بلکہ تاویل وتعبیر کے اختلاف کی وجہ سے مسلمان فرقوں میں بٹ گئے اور ہمارے نزدیک ان فرقوں نے نہ شرک کا ارتکاب کیا ہے نہ کفر کا۔ اس لئے کہ دین اسلام کے اصول وفروع میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی بلکہ جیسا کہ عرض کیا گیا تمام اختلافات تعبیری وتاویلی ہیں اور اسی لئے ہر فرقہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ فاضل مقالہ نگار نے شرک و کفر کے معنی کی طرف توجہ نہیں فرمائی ہے ورنہ وہ مسلمان فرقوں پر کفر وشرک کے ارتکاب کا ادعا نہ فرماتے۔۔۔! ''کافر'' وہ مسلمان کہلاتا ہے جو کسی ضروری الاسلام امر وحکم کا انکار جیسے نماز روزہ

حج زکات وغیرہ اور "مشرک" اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اس کائنات میں غیر اللہ کو مؤثر تسلیم کرے، ہمارے علم میں مسلمانوں کا کوئی ایسا فرقہ نہیں ہے جس نے کسی ضروری الاسلام حکم کا انکار کیا ہو یا غیر اللہ ہی کو کائنات میں مؤثر مانتا ہو۔

تمام مسلمان فرقے کائنات میں صرف اللہ ہی کو مؤثر مانتے ہیں اور اسلام کے ہر حکم کو خدا اور اس کے رسول کا حکم تسلیم کرتے ہیں اور محض تاویل و تعبیر کے اختلاف کی وجہ سے فرقوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ مسلمانوں کے فرقوں میں ہو جانے کی خبر خود پیغمبر اسلام کی طرف سے بھی دی گئی، اور آنحضرت کا یہ ارشاد سَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلَاثَةٍ وَّ سَبْعِیْنَ فِرْقَةً کُلُّهُمْ فِی النَّارِ اِلَّا وَاحِدَةً (الحدیث المبارکہ) یعنی عنقریب میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی اور ایک کے سوا سب جہنم میں جائیں گے۔ یہ حدیث مبارکہ عالم اسلام کے نزدیک حضور ہی کا ارشاد ہے۔ اگر عالم اسلام میں فرقے نہیں ہیں تو مخبر صادق کے اس فرمان کی کیا تعبیر کی جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ مقالہ نگار اپنے مضمون کے آخر میں کھل کر سامنے آگئے ہیں اور اس پر بڑے ناراض ہیں کہ میں نے جمعیت علماء ہند، علماء احرار کانفرنس اور جماعت اسلامی کے بانی مولانا مودودی کے تشکیل پاکستان کے تعلق میں کردار پر کیوں تنقید کی، وہ ان علماء پر تنقید کو ان علماء کے خلاف منافرت پھیلانے کی کوشش قرار دیتے ہیں، یہ حقیقت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ ان بزرگوں نے قیام پاکستان کی امکانی مخالفت کی تھی اگر ان حضرات کے اس تاریخی کردار کو دہرانا منافرت پھیلانا ہے تو یہ طرز فکر سبحان اللہ کہنے کے قابل ہے۔۔۔!!

ہمیں یہ علم نہیں تھا کہ محمد نیاز صاحب اور ان کی امثال کی نگاہ میں جمعیت علماء ہند، احرار کانفرنس اور جماعت اسلامی کے بانی سب عصمت مآب ہیں اور ان کے کردار پر تنقید ناجائز ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ عالم اسلام اس حقیقت پر متفق ہے کہ عصمت انبیاء کی صفت ہے تو اگر یہ علماء صف انبیاء میں شامل ہو گئے ہیں تو ہم صرف اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھ سکتے ہیں۔ ورنہ ہر صاحب نظر کا حق ہے کہ وہ کسی قومی معاملے میں ان کے رویے، روش اور کردار پر تنقید کرے۔ فاضل مقالہ نگار خصوصیت سے مولانا مودودی کے کردار کے تعلق میں جناب ارشاد احمد حقانی کے اخبار "جنگ" میں شائع شدہ چند قسطوں پر مشتمل مضمون کا مطالعہ کر لیں! فاضل مقالہ نگار نے آیت اللہ خمینی وغیرہ کے تذکرے پر بھی اس ناچیز کو طنز کا نشانہ بنایا ہے حالانکہ وہ ساری گفتگو جناب ابن مرغل کے جواب میں مسلمات خصم کی بنیاد پر کی گئی تھی میں نہ آج تک ایران گیا ہوں نہ عراق۔ میں دنیا کے ہر ملک پر پاکستان کو ترجیح دیتا ہوں اور پاکستان کی حکومت

پرناجائز تنقید کو ناپسند کرتا ہوں۔

فاضل مقالہ نگار نے میری گزارشات کو پاکستان کی موجودہ حکومت کو خوش کرنے کی کوشش بھی قرار دیا ہے حالانکہ میں نے صرف اللہ اور رسول ﷺ کو خوش کرنے کے لئے مسلمانوں کو باہم آویزی سے بچانے کے لئے مقالہ پر دقلم کیا تھا تاہم فاضل مقالہ نگار کو میری نیت کا علم ہوسکتا ہے تو وہ ضرور اس قسم کا تبصرہ فرمانے کا حق رکھتے ہیں۔۔۔!!

اب رہ گئے ایران اور عراق جنگ سے متعلق جناب محمد نیاز صاحب کے ارشادات عالیہ، تو ظاہر ہے کہ کوئی مسلمان بھی اس جنگ کو پسند نہیں کرتا اور اس سلسلے میں کسی طرف سے بھی کوشش ہو تو وہ قابل تشکر ہے۔

لیکن جنگ بند نہ کرنے کا الزام ایران پر دھر دینا انصاف کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ یہ مسلم ہے کہ اس جنگ کی ابتداء عراق نے کی ہے۔ ایران نے تو صرف جوابی کارروائی کی ہے۔ البادی اظلم کے قانون کے تحت ہر انصاف پسند کا فرض ہے کہ وہ عراق کی مذمت کرے اور اس پر جنگ سے باز رہنے کے لئے زور ڈالے۔

یہ عجیب تماشہ ہے کہ مسلم دنیائے عرب کی اکثریت عراق کی ہر اعتبار سے مدد کررہی ہے۔ ساری غیر مسلم دنیا بھی عراق کی پشتی بان ہیں اور کسی مدعی صلح کی زبان سے عراق کی مذمت میں کوئی لفظ نہیں نکلتا، حالانکہ قرآن کریم میں واضح طور پر حکم دیا گیا ہے کہ زیادتی کرنے والے فریق کے ساتھ تعاون نہ کیا جائے بلکہ مظلوم کی مدد کی جائے جیسا کہ سورۃ الحجرات" میں فرمایا گیا ہے "اگر مسلمانوں کے دوگروہ آپس میں لڑپڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہوجائے پھر جب رجوع ہوجائے تو ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف کا خیال رکھو بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے (سورۃ الحجرات آیت ٨ ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی)

کیا ہم فاضل مقالہ نگار اور دیگر صلح پسندوں سے یہ سوال کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ عراق اور ایران کی جنگ میں قرآن کریم کی مذکورہ آیت کے مقتضیات اور مطالبات کو کس حد تک پورا کیا گیا ہے؟ اور کس نے پورا کیا ہے؟ ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ جارح کی حمایت میں عام مسلمانوں کی دولت پر قابض ملوک وشیوخ نے عراق کی حمایت میں عوامی خزانوں کے منہ کھول دیئے ہیں۔ حالانکہ بڑی آسانی سے یہ جنگ ختم ہوجاتی اگر دنیا بھر کے استعمار پسند مسلمان اپنی

گدیوں کو بچانے کے لئے عراق کی حمایت پر آمادہ نہ ہو جاتے۔ یہ جنگ آج بھی اسی صورت میں ختم ہو سکتی ہے کہ عالم اسلام خواہ وہ عرب ہو یا غیر عرب، جارح کو جارح کہنے کا حوصلہ کر جائیں اور عراق سے کہیں کہ وہ ایک مسلمان ملک کے خلاف غیر مسلم طاقتوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی نہ بنے۔۔۔!!!!

ہمارے نزدیک جارح عراق کی حمایت صرف ''فرقہ پرستی'' کا کرشمہ ہے۔ اگر مسلمان صرف مسلمان کی حیثیت سے سوچے تو کسی طرح بھی ایران پر جارحیت کا الزام نہیں لگایا جاسکتا، امریکی اور اسرائیلی اسلحہ کون استعمال کر رہا ہے؟ کس کی حمایت میں امریکہ فرانس وغیرہ کے بحری بیڑے خلیج میں لنگر انداز ہیں؟ وہ عراق جو ایران کے خلاف غیر مسلم طاقتوں کا آلۂ کار بنا ہوا ہے، جب اسرائیل نے اس کی ایٹمی تنصیبات کو تباہ کیا تھا تو اس نے اسرائیل کی طرف منہ کر کے ایک پستول بھی چلانا مصلحت نہ سمجھا اور ایران جب اپنے مسائل ومصائب میں خود مبتلا تھا تو اس پر ہلا بول دیا، یہ عرب مسلم طاقتیں جو ایران کے خلاف نبرد آزما ہیں۔ کاش اسرائیل کے خلاف میدان میں آتیں تو دنیا کا نقشہ کچھ اور ہوتا اور عرب کے سینے کا سرطان ختم ہو گیا ہوتا، لیکن اسے عجائبات زمانہ میں سے شمار کیا جانا چاہئے کہ ایک اسلامی مملکت کے خلاف اسرائیل کے سرپرست امریکہ سے ہر طرح کی مدد حاصل کی جا رہی ہے

؎ دلم بسوخت زحیرت کہ این چہ بوالعجبی ست؟

اور آخر میں جماعت اسلامی اور بعض دیگر جماعتوں کی طرف سے نفاذ اسلام کی کوشش کا تذکرہ۔!!!

مجھے افسوس ہے کہ نفاذ اسلام کی مساعئ جمیلہ صرف ایک مخصوص فرقے کے فہم اسلام کے مطابق اسلام کو نافذ کرنے کی کوشش کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ فرقہ وارانہ احساسات سے بلند ہو کر جب بھی نفاذ اسلام کی کوشش کی جائے گی کوئی مسلمان اس سے اختلاف نہیں کرے گا، تاہم منصورہ برانڈ وغیرہ اسلام کو کوئی بھی قبول نہیں کرے گا۔ وغیرہ قسم کے اسلام کو کوئی بھی قبول نہیں کرے گا۔

لوگوں کی زبانوں اور قلموں پر پہرہ بٹھانے سے جماعت اسلامی دینی جماعت کے مرتبے پر فائز نہیں ہو سکتی وہ یقیناً ایک فرقہ وارانہ جماعت ہے اور مولانا مودودی مرحوم کے فہم اسلام کی مبلغ۔۔۔۔ اور ظاہر ہے کہ وہ عام فرقہ وارانہ تصور بھی نہیں ہے۔ مولانا مودودی نے ایک نیا فرقہ پیدا کر دیا ہے اس لئے جماعت اسلامی نہ تو دینی جماعت ہے نہ سیاسی جماعت، بلکہ وہ تو ایک فرقہ وارانہ جماعت ہے۔ مولانا مودودی کے افکار وخیالات کی ترجمان۔۔۔۔۔ اور بس!!!

شبیہ الحسنین محمدی

۱۳ جولائی ۱۹۸۶ء

از: مولانا شبیہ الحسنین محمدی، رکن، پاکستان مسلم لیگ۔

جماعتی شریعت بل پر ایک نظر

یہ ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ بعض نام بڑے پسندیدہ اور بعض حالات میں اتنے موثر بھی ہوتے ہیں کہ نام کے پردے میں چھپے ہوئے تباہ کن مضمرات سے آگاہی کی سعی کی طرف کوئی راغب نہیں ہوتا، جیسے "غلام احمد" کتنا اچھا نام ہے، کیسے اس کی مخالفت کی جائے لیکن کردار دیکھا جائے تو ہزاروں شیطان شاگردی پر فخر کریں۔ اس غلام نے چپکے چپکے احمد و محمد بننے کی کوشش جاری رکھی اور مسلمان کی آنکھ اس وقت کھلی جب بہت کچھ تباہیاں مسلمان معاشرے میں گھر کر چکی تھیں۔ مُسیلمہ بھی ایک اچھا ہی نام تھا، لیکن کردار دیکھو۔۔۔۔۔ تو شیطان اور اس کی نسل سب اس کا پانی بھریں آخر مسلمانوں کو اس نام کے ساتھ کذاب کا اضافہ کرنا پڑا تا کہ عوام نام کے دھوکے میں نہ آئیں۔

آل انڈیا نیشنل کانگریس بظاہر کتنا بے ضرر نام ہے لیکن مسلمانوں کی نظری اور عملی زندگی تہہ و بالا کرنے کے لئے اس نام کے سہارے جو اسکیمیں بنائی گئیں۔ اگر مسلمان زعماء بروقت اسے سمجھ نہ لیتے تو تمام مسلمانوں کا حشر اس سے بدتر ہوتا جو آج بھارت میں مسلمانوں کی تقدیر ہے۔

جماعت اسلامی کیسا خوب صورت کیا پیارا اور کیسا جادوئے قلب و نظر نام ہے! لیکن اس کا اعمال نامہ دیکھو تو مسلمانوں کے فرقوں میں اس جماعت نے ایک نئے فرقہ کا اضافہ کر دیا۔۔۔!!

قیام پاکستان کی امکانی مخالفت کی۔ جہاد کشمیر کو عام ملکی جنگ قرار دے کر پاکستانی مسلمانوں کے حوصلے پست کئے اور کشمیر جو پاکستانیوں کی گرفت میں آچکا تھا ہندوؤں کے تسلط میں پہنچا دیا گیا اور اب میاں طفیل محمد صاحب جو ابھی صرف امیر جماعت ہیں۔ امیر مملکت اور امیر حکومت نہیں ہیں اپنے مجوزہ شریعت بل کی مخالفت کرنے والوں کو پاکستان سے نکالنے کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ میاں صاحب کی شریعت یہی ہو کہ ان لوگوں کو پاکستان سے بے دخل کیا جائے جنہوں نے پاکستان بنایا ہے یا اب پاکستان کے استحکام کے لئے کوشاں ہیں۔

اس صورت حالات کی عکاسی کے لئے مجھے ایک بدوی عرب کا قصہ یاد آیا کہ وہ ریگستان میں خیمہ انداز تھا اس کا اونٹ پاس بیٹھا ہوا تھا، اس نے خیمہ میں اپنے سر و گردن داخل کرنے کی اجازت لیکر ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ خیمہ پر اونٹ کا قبضہ ہو گیا اور مالک بے چارہ

کڑاکے کے جاڑے میں بخ ہوا سے لطف اندوز ہونے کیلئے مجبور کر دیا گیا۔

جماعت اسلامی بہر حال پاکستان کی مخالف تھی لیکن مسلم لیگ نے اپنی حکومت میں دیگر مخالفوں کی طرح جماعت اسلامی کو بھی ہر طرح کی سہولت مہیا کی جس کے نتیجے میں میاں طفیل محمد صاحب اب مسلم لیگیوں ہی کو پاکستان سے بے دخل کرنے کے مرحلے تک آگئے اور یہی ان کا اسلام محسوس ہوتا ہے کہ ان کی سرکار والا تبار سے اختلاف کرنے والوں کی گردن مروڑ دی جائے۔ شاید میاں صاحب کو حضور پیغمبر کا ارشاد گرامی۔ اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَۃٌ۔ "طاقت کے نشے میں یاد نہیں رہا۔ کسی بحث میں اختلاف، علمی ترقی کا وسیلہ بن جاتا ہے۔ اسلام نے اختلاف کی ہمیشہ ہمت افزائی کی ہے ایک دوسرے کی مخالفت سے روکا ہے۔

بہر حال یہ بحث تو کسی دوسرے مرحلے پر زیر نظر لایا جائے گا فی الحال "شریعت بل" کی طرف ذرا توجہ کر لی جائے اتنا حسین اور موثر نام ہے کہ بہت سے لوگ تو صرف نام دیکھ کر ہی تائید کرنے لگ گئے اور اس کے پڑھنے کی زحمت گوارا کرنا تو کجا اس سے اختلاف کرنے والوں کے خلاف بھی محض نیک نیتی کے سہارے لعن وطعن میں شریک ہوگئے۔ مجوزہ شریعت بل جماعت اسلامی اور دوسرے مخالفین پاکستان کا ایک شاہکار ہے، جس میں بڑے خوبصورت انداز سے غیر شرعی امور شامل کئے گئے ہیں کہ جن کو قبول کر لیا جائے تو پاکستان ہمیشہ اختلاف و انشقاق کی بھٹی میں ہمیشہ نصیب اعداء جلتا رہے اور اگر اس مرحلہ پر میں یہ کہوں کہ مجوزہ شریعت بل درحقیقت "شرارت بل" ہے اور اس کے ذریعہ پاکستان کے مستقبل سے کھیلنے کی کوشش کی گئی تو میں حق بجانب ہوں گا۔

ہمارا اخلاقی فریضہ ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ مجوزہ شریعت بل کے پیش کرنے والے کون لوگ ہیں؟ تو یہ ایک ناقابل انکار اور ناقابل بحث حقیقت ہے کہ یہ لوگ ان طبقات سے متعلق ہیں جنہوں نے قیام پاکستان کی بھرپور مخالفت کی تھی اور ان کی مرضی اور خواہش کے خلاف قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کی بے داغ قیادت میں پاکستان دنیا کے نقشہ پر ابھر آیا۔

مخالفین پاکستان نے نہ پاکستان کو معاف کیا ہے نہ بانئ پاکستان کو۔ سیکڑوں بار یہ کراچی آئے گئے ہیں مگر قائد اعظم کے مزار پر ان کو حاضری اور فاتحہ پڑھنے کی توفیق کبھی نہ ہوئی۔ رہا پاکستان تو اس کے استحکام اور اس کی ترقی کے لئے ایک لفظ بھی ان کے قلموں اور زبانوں سے وجود پذیر نہیں ہوا!

شریعت بل کے نام سے شریعت سے باہر کی چیزیں درج کی گئی ہیں ظاہر ہے کہ ہر ایک کو معلوم ہے کہ شریعت اسلامیہ قرآن کریم اور سنت رسول میں محدود و منحصر ہے۔ اسی لئے شریعت اسلامیہ کو

کبھی الٰہیہ کہا جاتا ہے کبھی شریعت محمدیہ، کہ خداوند عالم نے اس کو نافذ اور جاری کیا تو یہ شریعت تدوین کے تعلق سے شریعت الٰہیہ ہے اور اجراء اور تنفیذ کے ناطے سے شریعت محمدیہ!

علمائے کرام کی آراء کسی بھی نقطۂ نظر سے شریعت نہیں ہیں بلکہ وہ شریعت کی تعبیر و تاویل ہیں شریعت میں اختلاف ممکن نہیں ہے۔ نص قرآن کے مطابق: وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ۝ پس جو کچھ بھی غیر اللہ کی طرف سے ہے اس میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ورنہ مذاہب مختلف کیوں بنتے اس لئے علماء کی آراء، خواہ ان علماء کا کچھ بھی نام اور مرتبہ ہو شریعت نہیں کہی جاسکتیں بلکہ وہ تعبیر و تاویل شریعت ہیں اور شریعت بل میں ان کو شامل کرنا علماء اور فقہاء کو اختیارات توحید و نبوت میں شریک کرنا ہے اور اس طرح یہ حضرات نادانستہ شرک فی التوحید کا ارتکاب کر رہے ہیں اور شرک فی الرسالۃ کا بھی۔۔۔!!

کیا اس طرف بھی توجہ دلانے کی ضرورت ہے کہ علماء کی آراء کو مثلاً فقہ حنفی، فقہ مالکی اور مذہب مالکی تو کہا گیا لیکن شریعت حنفی اور شریعت مالکی کسی بھی مسلمان نے زبان و قلم پر لانے کی جرأت نہیں کی۔ یہ شریعت بل قطعاً اسلام کی نمائندگی نہیں کرتا کہ اس میں شریعت محمدیہ کے ظہور و اجراء کے ۲۰۰ سال بعد سے چوتھی صدی تک وضع ہونے والی اصطلاحات کو علماء کی آراء کے ساتھ شریعت کہا گیا ہے۔ یہ مخالف پاکستان فرقوں کے خیالات و احساسات کا ترجمان ہے جس کے نتیجہ میں فرقہ ورانہ تضادات و اختلافات ہولناک گہرائی اور خطرناک گیرائی اختیار کریں گے۔ پاکستان کا موجودہ اور آئندہ انتظامی ڈھانچہ تزلزل کا شکار ہو جائے گا۔ شریعت بل تو حقیقتاً قومی اسمبلی پاس کر چکی۔ قرارداد مقاصد علماء کے بائیس نکات اور ۷۳ء کے آئین کے ہوتے ہوئے اگر کوئی ابہام تھا تو وہ اس ترمیم سے رفع ہو چکا ہے۔ اب صرف اس بل پر کہ یہ بل ہم نے پیش کیا ہے، اس کو ضرور پاس کرایا جائے گا، دھاندلی کے سوا کچھ بھی نہیں اس بل کے پاس کرانے کے لئے جو پہلا مظاہرہ ہوا ہے وہ نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا کے مسلمانوں کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے کہ اس میں ایک قومی عمارت کا دروازہ توڑا گیا اور پاکستان کی ایک محترم ترین شخصیت کا بت بنایا گیا۔ اس شخصیت کا جس نے پاکستان کے استحکام کے لئے مثالی قربانیاں دی ہیں۔ شرفاء کو بلا تکلف اور بے دریغ گالیاں دی گئیں، کہ کیا یہی بت سازی توڑ پھوڑ دشنام طرازی، یہی وہ شریعت ہے جس کا وہ نفاذ چاہتے ہیں؟

شریعت بل کے حامیوں نے پاکستانی عوام کی آنکھیں کھول دی ہیں، کہ یہ نام نہاد دین پرست اگر اقتدار میں آگئے تو قوم و ملک کا کیا حشر کریں گے۔

یہ ایک بڑی کربناک اور تلخ حقیقت ہے کہ ہمارے علماء کرام غیر معمولی طور پر تنگ نظر

اور انتہائی تنگ دل ہوتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی تربیت اور تعلیم ابتداء سے انتہا تک فرقہ وارانہ ماحول میں ہوتی ہے۔ ان کی حیثیت گولر کے بھنگے یا زیادہ سے زیادہ کنوئیں کے مینڈک کی سی ہوتی ہے۔ قیامت بالائے قیامت یہ ہے کہ یہ اپنے محدود دائرے سے باہر کسی کو مسلمان ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ یہ علمائے کرام سُنّی ہوں یا شیعہ، اسماعیلیہ ہوں یا زیدیہ، حنبلیہ ہو یا اور کوئی، اپنے دائرے سے باہر کے مسلمانوں کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتے۔ ایک دوسرے کی مسجدوں اور مدرسوں میں آنا جانا مباح نہیں جانتے۔ حتیٰ کہ ایک دوسرے کی سیاسی جماعت میں شرکت جائز نہیں جانتے۔ عملاً دیکھ لیجئے، جمعیت علمائے اسلام کے درخواستی گروپ، اور حامد میاں گروپ میں کوئی اہلحدیث بریلوی اور شیعہ نہیں لیا گیا۔ اسی طرح جماعت اسلامی میں مذہب مودودی کے پیروکاروں کے علاوہ کوئی دوسرا سُنی یا شیعہ بار نہیں پاسکا ہے۔ یہ لوگ جو جزوی فقہی اختلاف کی بنا پر ایک دوسرے کو برداشت نہیں کر سکتے وہ پاکستان کے حال اور مستقبل کے معمار کس طرح بن سکتے ہیں جس میں بہت سے فرقوں کے مسلمان آباد ہیں۔

مفکر پاکستان علامہ اقبال اور بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے جس اسلام کے نفاذ کے لئے پاکستان بنایا تھا وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسلام ہے جس میں ہر کلمہ گو ایک دوسرے سے محبت کرتا ہے۔ سُنی سُنی رہتے ہوئے شیعہ شیعہ رہتے ہوئے، دیوبندی دیوبندی رہتے ہوئے بریلوی بریلوی رہتے ہوئے، مسلمان ہونے کے ناطے ایک دوسرے سے نفرت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانی، علامہ عبدالحامد بدایونی، علامہ سید ابن حسن رضوی جارچوی، علامہ پیر سید جماعت علی شاہ، محدث علی پوری، وغیرہم کروڑ ہا مسلمان ہیں جنہوں نے اپنے فرقہ کے اعتقادات و اعمال سے تمسک رکھتے ہوئے ہندوستانی مسلمانوں کی اور اسلام کی سربلندی کے لئے قائداعظم کی قیادت میں پاکستان بنایا۔ رہے ہمارے فرقہ پرست علمائے کرام، تو یہ اس وقت ہندو، سکھ، عیسائی کو اپنا بھائی کہہ رہے تھے اور مسلمانوں کے خلاف زبان و قلم کی جولانیاں دکھلا رہے تھے، اور کفر وارتداد کے تمغے عطا کر رہے تھے۔

اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح اور علامہ اقبال کا اسلام سب مسلمانوں کو اپنے احاطہ میں رکھتا ہے۔ خواہ ان کا عقیدہ وعمل باہم کتنا ہی مختلف کیوں نہ ہو۔

اور علمائے کرام کا اسلام، اسلام کو صرف اپنے فرقہ میں محدود سمجھتے ہیں نص قرآن کریم کے خلاف (یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْکَافِرِینَ أَوْلِیَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِینَ
اے ایمان والو! مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے یارانے مت گانٹھو!) کافروں سے محبت کرتے ہیں اور مسلمانوں سے نفرت۔ حتیٰ کہ ان علمائے کرام نے متحدہ وطن کے بہانے مسلمان اور کفار کو

ایک قوم قرار دے دیا تھا جس پر علامہ اقبال کو کہنا پڑا تھا۔

سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است

چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است

منبر پر بیٹھ کر یہ نعرہ لگاتا ہے کہ قوم وطن سے بنتی ہے۔ اس بیچارے کو تو محمدؐ رسول اللہ کے افکار و خیالات کی کوئی معرفت ہی نہیں ہے۔

اس لئے یہ جماعتی شریعت بل اس قابل نہیں ہے کہ اسے قبول کیا جائے۔ اس میں علماء کی آراء ایجاد بندہ اصطلاحات کو شریعت کہا گیا ہے۔ جو قطعاً مجرمانہ فعل ہے۔ اور آئندہ کے لئے انتشار کا دروازہ کھول دیا گیا ہے۔ کہ آئندہ جو "عالم صاحب" بھی مسلمانوں کی کچھ تعداد کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے وہ اپنے افکار کو شریعت قرار دے اور وہ شریعت محمدیہ جو اس وقت مجہول الحال والحقیقہ ہے کہ فقہ اور علماء کی آراء کے انبار میں کہیں دبی ہوئی ہے لیکن ابھی تک اس کی وحدت میں کسی نے اختلاف نہیں کیا ہے۔ اب علماء کی آراء کو شریعت کہہ کر شریعت النبیہ اور محمدیہ کی یکتائی اور وحدت کو نصیب اعداء ختم کرنے کی سعی نامشکور کی گئی ہے، جو انشاء اللہ کبھی کامیاب نہیں ہوگی۔

آخر میں ایک جملہ مجھے کہنا ہی پڑے گا کہ یہ مودودیت مآب علماء کرام شریعت کی ایسے ہی عاشق ہیں تو قیام پاکستان کی کیوں مخالفت کی تھی جو قطعاً اور لاریب صرف نفاذ اسلام کے لئے طلب کیا گیا تھا، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی معاشی زبوں حالی کی اصلاح قیام پاکستان کی غرض تھی تو وہ احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو اقلیتی صوبوں کے مسلمان اپنا گھر بار اور اپنا مستقبل خطرہ میں کیوں ڈالتے۔ لاکھوں مسلمانوں کی گردنیں کیوں کٹتی اور ہزار ہا مسلمان خواتین کی عزتیں کیوں لٹتی۔ دوسرے بھائی کی دولت مندی کی خواہش میں اپنا گھر کوئی نہیں لٹایا کرتا۔ ہاں صرف دین وملت کے لئے قربانی دی جاتی ہے اور مسلمانوں نے صرف دین کے نفاذ کے لئے ہی یہ تاریخی قربانیاں دیں جبکہ شریعت بل والے کانگریس کے پرچم تلے یا اس کے حواریوں کے جھنڈے کے نیچے قیام پاکستان کی شدید مخالفت کر رہے تھے۔

شبیر الحسنین محمدی

از: مولانا شبیہ الحسنین محمدی

امریکہ کا چیلنج اور ہماری غیرت کا امتحان

سارا عالم جانتا ہے کہ ۱۴ راگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان سیاسی طور پر غلام اور معاشی طور پر پریشان حال مسلمانوں کی غالب اکثریت کے اتحاد اور وحدت فکر و عمل کے نتیجے میں مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے دنیا کے نقشے پر نقش دوام بن کر ثبت ہوا۔ اور قیام پاکستان کی تمام کیفیات سے ہمیں یہ ایک اہم سبق ملا کہ اگر مسلمان متحد ہوں تو وہ انہونے کام بھی کر سکتا ہے، اور ناممکن کو ممکن بھی بنا سکتا ہے۔ پاکستان کی عظیم الشان مملکت کی تشکیل کے وقت دنیا میں ہر اعتبار سے ہر طرح کے وسائل سے مالا مال دو بہت بڑی حکومتیں اور مملکتیں جن کو عرف عام میں سپر طاقت کہا جاتا ہے، موجود تھیں۔

روس اور امریکہ جغرافیائی اعتبار سے روس ہمارے قریب تھا اور امریکہ ہم سے کافی فاصلے پر۔ مگر ہماری حکومت نے جس کے سربراہ شہید ملت نواب زادہ لیاقت علی خان مرحوم تھے، امریکہ سے تعلقات بڑھانا اور استوار کرنا زیادہ بہتر سمجھا، شاید اس کی وجہ ہمارا دین پرست ہونا اور دین داری کی طرف فطری میلان تھا۔ اس لئے کہ روس دین و مذہب اور خدا کا منکر یعنی دہریت کا علمبردار تھا اور امریکہ کسی نہ کسی رنگ میں دین و مذہب اور خدا کو تسلیم کرتا تھا۔

ظاہر ہے کہ ہم نے آزادی دینی جذبات اور رجحانات کے سہارے ہی حاصل کی اور اس لئے قدرتی طور پر ہم کسی نہ کسی رنگ میں دین کو تسلیم کرنے والے اور مذہب کے ماننے والوں کی طرف جھک سکتے تھے، نواب زادہ لیاقت علی خان مرحوم نے بذات خود امریکہ کا سفر کیا اور امریکہ سے تعلقات کو زیادہ سے زیادہ مضبوط اور استوار کرنے کی کوشش کی۔ پاکستان کے کیمونسٹوں نے اچھا خاصا شور مچایا، اور کہا کہ پڑوسیوں کو چھوڑ کر دور افتادہ حکومتوں سے تعلقات استوار کرنا کوئی معقول رویہ نہیں ہے، جس کے بعد ہمارے مدبروں نے روس سے بھی تعلقات استوار کرنے کی کوشش کی، پہلے بھی روس کی مخالفت نہیں کی گئی تھی لیکن ہمارے تعلقات امریکہ سے بڑھتے ہی چلے گئے۔

چونکہ ہمارے وسائل بڑے محدود تھے ہمیں اپنے زیر زمین خزانوں اور بالائے

زمین دولتوں کا کوئی وقیع اندازہ بھی نہیں تھا اور اگر ہمیں تھوڑا بہت علم تھا تو استفادہ کے وسائل نہ تھے اس لئے ترقیاتی امور کے لئے ہم نے امریکہ سے قرض لینا شروع کیا۔ یہ درست ہے کہ امریکی امداد کو زیادہ تر مطلوبہ مقاصد ہی میں صرف کیا گیا اور صرف وہی حصہ ضائع ہوا جس کو امریکہ ضائع کرانا چاہتا تھا اس کے نتیجے میں خاطر خواہ ترقی کو نہ کر سکے لیکن کچھ نہ کچھ سائنس اور ٹیکنالوجی میں آگے بڑھے اور ہمارا قومی تشخص ابھرا۔ تاہم امریکی قرضوں پر ہمارا انحصار مناسب حد سے کچھ زیادہ ہی ہو گیا ہے، اس کے نتیجے میں امریکہ یہ سمجھ بیٹھا کہ اب پاکستان مکمل طور پر ہمارے پنجے میں ہے۔

جس طرح سے چاہے اس کو استعمال کر سکتے ہیں لیکن پاکستان کی حکومتیں بقول کسے کتنی ہی نا اہل سہی لیکن انہوں نے امریکہ کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن کر ناچنے سے انکار کر دیا۔ سب سے زیادہ افسوس ناک رخ یہ ہے کہ تقریباً دنیا کی چند کے علاوہ تمام مسلم حکومتیں امریکہ کی طرف جھکاؤ رکھتی ہے اور زندگی کے کسی نہ کسی شعبے میں اس سے مدد حاصل کرتی ہے۔ خصوصاً عربوں نے جغرافیہ پرستی اور نسل پرستی کے نتیجے میں اتنی چھوٹی اور کمزور حکومتیں بنائی ہے کہ وہ نہ اپنے جوگے ہیں نہ پرائے جوگے۔ اردن، طرابلس، سعودی عرب، مصر، سوڈان، خلیجی ریاستیں وغیرہ تو کئی ممالک پہلے دن سے اس کی جیب میں ہے۔ عراق روس کی طرف جھکا تھا کہ اس کو امریکی حکمت عملی نے ایران کے ساتھ لڑا کر اپنی گود میں آنے پر مجبور کر دیا، غیر عرب ملکوں میں سے ترکی ایران اور خود پاکستان امریکہ کی ہمنوائی کا دم بھر رہے تھے کہ ایران میں انقلاب آیا اور آیت اللہ العظمیٰ خمینی نے دونوں سپر طاقتوں یعنی امریکہ اور روس کو آنکھیں دکھانا شروع کر دیں اور خدا کی مدد پر انحصار کا عملی مظاہر کیا اور یہ عجیب بات ہے کہ اب تک ایران کی حکومت اپنے ہر اقدام میں باوقار طریقے پر کامیاب رہی ہے۔ اس نے جس طرح مرگ بر امریکہ کا نعرہ لگایا، اسی طرح سے مرگ بر روسیا بھی بہ بانگ دہل کہا۔

ایران سے اس مرحلے پر ایک ہی سیاسی غلطی بھی ہو گئی کہ اس نے کھلے بندوں اعلان کر دیا کہ ہم اسرائیل کو دنیا کے نقشے سے حرف غلط کی طرح مٹا دیں گے، امریکہ نے محسوس کر لیا کہ ایران نے جو اعلان کیا ہے وہ اس پر ضرور عمل کرے گا۔ اور اس کو کسی فوجی اور سیاسی طاقت سے نہیں روکا جا سکے گا اس لئے اس نے ایران کے اندرونی جزوی انتشار کے پیش نظر موقع کو مناسب سمجھا اور ایک مسلمان ملک عراق سے ایران پر حملہ کرا دیا۔ کہ اسرائیل کو تو بعد میں دیکھو گے پہلے اپنے بھائیوں سے نمٹ لو یہ ایک ناقابل انکار و ناقابل بحث حقیقت ہے کہ عراق نے

بغیر کسی جائز وجہ کے محض امریکہ کی سیاسی کٹ پتلی کی حیثیت سے ایران پر حملہ کردیا اور ایران کی اسلامی حکومت ہی کی نہیں، عالم اسلام کی پیٹھ پر چھرا گھونپ دیا۔ اقوام متحدہ میں چونکہ امریکی سیاست کی کارفرمائی ہے اس لئے اس تنظیم میں کبھی کوئی ایسی تجویز پاس نہیں ہوئی جو ایران کے لئے قابل قبول ہو۔

اب امریکہ ایران کے خلاف فوجی اقدامات کرنے کے لئے گھیرا تنگ کرتا جارہا ہے۔ فرانس اور برطانیہ چین نہ صرف زبانی بلکہ عملی طور پر اس کی تائید کررہے ہیں۔ ابھی امریکہ کے حلیف ملک بھی امریکہ کی حمایت میں میدان عمل میں کودیں گے۔ اس مرحلہ پر امریکہ کے لئے پاکستان کو مفلوج کرنا اہم ترین اور مشکل ترین مسائل میں الجھانا ضروری تھا اس لئے امریکہ نے پاکستان کی مدد کو منسوخ کردیا۔ حقیقت یہ ہے کہ امریکہ یہ سمجھتا ہے کہ پاکستان کو اس نے مفلوج اور روس سے کافی دور کردیا ہے۔ خصوصاً تیس لاکھ افغانیوں کی پاکستان میں آمد کو امریکہ اپنی کامیابی کا بڑا کارنامہ سمجھتا ہے۔

دوسری طرف عین حرم خدا کے سایے میں ہزاروں ایرانی اور دوسرے ممالک کے حاجیوں کا سعودی عرب سے قتل عام کراکے مسلمانوں میں ایک عمومی باہمی نفرت و بےزاری کی بنیاد رکھ دی۔ حالانکہ ان لوگوں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا اور سعودی عرب کے خلاف کوئی نعرہ نہیں لگایا تھا صرف مرگ بر امریکہ مرگ بر روسیہ اور مرگ بر اسرائیل کے نعرے لگائے تھے جو قطعی جائز تھے اپنے دینی بھائیوں میں دشمنان دین کے خلاف کچھ کہنا کس طرح ناجائز ہوسکتا ہے۔ لیکن قیامت ہے کہ سعودی عرب نے امریکہ کے اشارے پر قیامت صغریٰ برپا کردی۔ اور ہزاروں مسلمانوں کو بے جرم و خطا اس جگہ جہاں وجہ شرعی کے بغیر مکھی مچھر کو مارنا جرم ہے ان کے پاکیزہ لہو میں نہلادیا۔ قیامت ہے کہ پاکستان کے بعض فرقہ پرست علماء اور مفتی سعودی عرب کے غیر اسلامی اعمال کو تحفظ دینے کی کوشش کررہے ہیں لیکن تاریخ میں اس قسم کے فتووں سے کبھی کوئی ظلم چھپایا نہیں جاسکا اور کبھی اس کے ردعمل کو نہیں روکا جاسکا۔ سعودی عرب کو یہ نہ بھولنا چاہئے کہ اس کے پاس کوئی افرادی طاقت ہے نہ فوج۔ محض دولت وثروت کے بل بوتے پر مظلوموں کی آہ کے شعلوں سے کیسے بچ سکے گا۔ سعودی حکام کو امریکہ کے ہاتھ میں کٹھ پتلی نہیں بننا چاہیے۔

یہ امریکہ وہ ہے جس نے وقت پڑنے پر اپنے کسی عہد و پیمان کی پرواہ نہیں کی۔ اے۔ ۱۹۷۱ء میں پاکستان سے معاہدہ ہونے کے باوجود اس کا چھٹا بحری بیڑا پاکستان آتا

ہی رہا۔ اور مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ امریکہ کی سیاست صرف اس کے اپنے مفاد کے گرد گھومتی ہے جہاں اس کا مفاد ہوتا ہے سب کچھ داؤ پر لگانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ جیسے آج کل ایران کے خلاف محاذ آراء ہے۔ تاکہ کویت کے تحفظ کے بہانے نعیب اعداء، مسلمانوں کی رہی سہی طاقت کو مکمل طور پر کچل ڈالے اور خدانخواستہ اسلام کے ابھرتے ہوئے جھنڈے کو سرنگوں کر دے اور امریکہ نے اب سیاسی طور اور فوجی طور پر بھی ایران کا گھیراؤ شروع کر دیا ہے۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ ایرانی خصوصیت سے اور دوسرے مسلمان عام طور پر جو اپنے خدا ہی کو ہر طرح کی طاقت کا سرچشمہ یقین کرتے ہیں اور دن رات لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم (کوئی قوت اور طاقت اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے پاس ہے ہی نہیں) پڑھتے رہتے ہیں اور انشاء اللہ دنیا دیکھے گی ان دہریوں اور نیم دہریوں کے مقابلے میں ماضی کی طرح خدا پر بھروسہ کرنے والے ہی کامیاب رہیں گے۔ قرآن کریم نے واضح طور پر یقین دہانی کرائی ہے:

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ

ترجمہ: جو اللہ پر بھروسا کرتا ہے، اللہ اس کے لئے کافی ہے۔

غرضکہ اس وقت امریکہ نے یہ کوشش کی ہے کہ کوئی مسلمان ملک بھی ایران کو مدد نہ کر سکے وہ اپنے حالات میں گرفتار ہو جائے اور غیر مسلم طاقتیں ایران کو اور سارے عالم اسلام کو کچلنے میں کامیاب ہو جائے۔ مگر انشاء اللہ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ چونکہ ساری دنیا نے اسلام کا حقیقی داعی اس وقت صرف ایران ہے۔ اگر ایران کو خراش آئی تو مستقبل میں مسلمانوں کی حیات تازہ کے آثار دور دور تک نظر نہیں آسکیں گے۔ تمام عرب و عجم مسلمان ملکوں میں جس طرح کا اسلام نافذ ہے وہ ساری دنیا کے سامنے ہے، کہیں فرقہ پرستی ہے کہیں نسل پرستی۔ کسی جگہ زبانوں کے بت پوجے جا رہے ہیں اور کسی ملک میں جغرافیہ کی عفریت ناچ رہا ہے۔ خود پاکستان آج کل شدید فرقہ پرستی کی زد میں ہے۔ اور بعض فرقہ پرست یہ کہتے ہوئے نہیں تھکتے کہ پاکستان میں اس فرقہ کا قانون نافذ کرو اور اس فرقے کا قانون نافذ کرو۔ ظاہر ہے کہ فرقہ وارانہ قوانین عین اسلام نہیں ہو سکتے۔

اس کی ایک طرح کی تعبیر ہی کہلائیں گے تو کوئی ان بقراطوں سے پوچھیں کہ کل کو چھوڑ کر جز کو اپنانا اسلام اور عقل کا مذاق اڑانے کے علاوہ اور کیا سمجھا جا سکتا ہے۔ جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے، وہ سمجھتا ہے کہ پاکستان اس کے سیاسی اور معاشی پنجے میں ہے۔ ایک شکار زبوں بن چکا ہے اور اس کی مرضی کے خلاف سانس بھی نہیں لے سکتا۔ اگر پاکستان کو ایک آزاد مملکت سمجھتا

ہوتا تو وہ اس کی امداد بند نہیں کر سکتا تھا اب پاکستانی مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے عمل سے امریکہ کو یہ باور کرا دے کہ یہ پاکستان ایک آزاد مملکت ہے۔ اور تمہاری مالی امداد کے بغیر بھی باوقار زندگی گزار سکتا ہے۔ قیام پاکستان سے پہلے ہندو اور انگریز کی قہار طاقتوں کو ہم نے نیچا دکھا کر پاکستان بنا لیا تھا اور اب تو ہم آزاد ہیں۔

ہمیں فرقہ پرستی، نسل پرستی، زباں پرستی، علاقہ پرستی چھوڑ کر قومی یکجہتی اور وحدت کا راستہ اپنا کر امریکہ کے چیلنج کا مقابلہ کرنا چاہئے اور آئندہ اس سے کسی قسم کی مدد نہیں لینا چاہئے۔ صرف اور صرف اپنے خدا کے فضل پر اور اپنے وسائل پر انحصار کرنا چاہئے۔ حزب اختلاف کی جماعتوں کے لئے بھی سوچنے کا وقت ہے کہ وہ انتشار کا کوئی راستہ نہ اختیار کرے۔ بلکہ حکومت سے تعاون کر کے قومی یکجہتی کے حصول میں مددگار ہوں۔

اگر ایران قومی یکجہتی کے سہارے اللہ پر بھروسہ کر کے ساری کافر دنیا کا مقابلہ کر سکتا ہے تو ہمارے پاس تو ایران کے مقابلے میں بہت بڑی افرادی طاقت اور معدنی اور غیر معدنی دولت موجود ہے، ہم انتظامی اخراجات کم کر کے اور ترقیاتی کام کی طرف پوری توجہ دے کر امریکہ کی مدد کے بغیر اپنی معیشت کو مستحکم کر سکتے ہیں۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اگر اس وقت ہم امریکہ کے سامنے جھک گئے تو ہم سیاسی اور معاشی لحاظ سے ہمیشہ کے لئے امریکہ کے غلام ہو جائیں گے۔ اب رہا کسی ملک سے مدد کا معاملہ۔ تو چین اور جاپان خاص کر چین ہمیں ہر طرح کی مدد دے سکتے ہیں اور وہ ہم پر کسی قسم کا سیاسی اور معاشی رعب بھی نہیں جھاڑیں گے۔ جیسا کہ ماضی میں ان کے رویوں سے ثابت ہو چکا ہے چین ہمارے ساتھ مخلصانہ دوستی کا رویہ اپنائے ہوئے ہیں وہ ہم سے کوئی سیاسی غرض نہیں رکھتا۔ اب ایسے ممالک سے تعاون حاصل کرنا ہی ہمارے لئے مناسب ہے۔ روس سے بھی ہمیں اپنے تھوڑے بہت تعلقات آگے بڑھانے چاہئے۔ آخر بھارت کی خارجہ سیاست دونوں ملکوں سے پینگ بڑھاتی رہتی ہے اور کسی کے پنچے میں نہیں آتی۔ تو ہم روس اور امریکہ سے متوازن تعلقات کیوں نہیں رکھ سکتے۔ بہر حال ہمیں زیادہ سے زیادہ ایشیائی ملکوں سے خصوصاً چین سے اگر فرصت ہو تو استمداد کرنا چاہئے۔ ورنہ ہمیں ہر طرح اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہئے اب خدا کا فضل ہے کہ ہمارے یہاں کافی مقدار میں تیل بھی نکلنے لگا ہے اور ہم جلد ہی انشاء اللہ تیل میں خود کفیل ہو جائیں گے۔ ایٹمی دنیا میں بھی ہم ایک باوقار جگہ پر کھڑے ہوئے ہیں اس سلسلے میں بھی ہمیں امریکہ یا کسی بھی طاقت کا دباؤ قبول نہیں کرنا چاہئے۔ آخر یہ روس اور امریکہ نے ایٹم بم کیوں بنا رکھے ہیں؟

یہ امریکہ کون ہوتا ہے ہم پر پابندی عائد کرنے والا؟ یہ موقع ہے کہ انتشار کو ختم کیجئے۔ فی الحال انتخاب اور قومی حکومت کی خواہش بھول جایئے۔ اور اپنی باوقار قومی زندگی برقرار رکھنے کی کوشش کیجئے۔ حزب اختلاف کی انجمنوں کو یہ سوچنا چاہیئے کہ یہ وقت انتخابات اور قومی حکومت کے لئے ہرگز ہرگز مناسب نہیں ہے۔ یہ تمام باتیں عالم امن وسکون میں انجام دی جاتی ہیں۔ جبکہ ابتلاء کے بادل گرج رہے ہیں اور ہماری تذلیل کی آندھیاں چلائی جارہی ہوں تو ہمیں اللہ کا نام لے کر ان کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ جب بیرونی اور اندرونی خلفشار ختم ہوجائے اور عزت واطمینان کی زندگی شروع ہوجائے تو پھر جو جی چاہے کرلیجئے! میرے نزدیک عرب دنیا سے اس وقت کسی خیر کی توقع کرنا فعل عبث ہے، کہ ان کے بڑے سب امریکہ کی غلامی میں جاچکے ہیں۔ اور اس کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔

اسرائیل کے روپ میں خود امریکہ نے ہی عربوں کی ناک توڑ دی، اور انوار سادات مرحوم نے اس حقیقت کو محسوس کرلیا تھا اور کہا تھا کہ میں اسرائیل سے تو لڑسکتا ہوں مگر امریکہ سے نہیں لڑسکتا۔ اس لئے دب دبا کر ایک ذلیل کن معاہدہ قبول کرلیا تھا کوئی عرب طاقت اسرائیل کے یعنی امریکہ کے مقابلے کا اب خواب بھی نہیں دیکھ سکتی۔ اسرائیل جب چاہتا ہے عربوں پر بلا بول دیتا ہے اور اسرائیل کے مقابلے میں عربوں کی غیرت کا عالم یہ ہے کہ اسرائیل نے عراقی ایٹمی تنصیبات کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ مگر وہ اسرائیل کی طرف ایک پستول کا فائر بھی نہ کرسکے، جبکہ ایران کے مقابلے میں وہ اس طرح ڈٹے ہوئے ہے کہ گویا ایران کو فنا کرکے ہی چھوڑیں گے، جو مسلمہ طور پر ایک اسلامی ملک ہے۔ ہمارے پاکستان کے بعض صاحبان جبہ و دستار بھی ایران کے خلاف عرب حمایت کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں اور عراق کی تائید وحمایت میں رطب اللسان رہتے ہیں۔ ان کو کون سمجھائیں کہ اس وقت یہ حمایت عراق کی نہیں امریکہ کی حکمت عملی کی حمایت ہے۔ ہماری اس کور چشمی اور کور ذہنی کا نتیجہ ہے کہ امریکہ نے خود ہم پر بلا بول دیا۔

اس لئے ضرورت ہے کہ ہم آنکھیں کھولیں اور اپنی نسلوں کو امریکہ کی غلامی سے بچانے کے لیے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں، اور اپنے وسائل کو کام میں لاکر اپنی آزادی کا تحفظ کریں جس کے امکانات بہرحال موجود ہے۔ اگر ہم نے امریکہ کو قرار واقعی جواب دے دیا تو آئندہ دنیا کی کوئی طاقت ہماری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے سے پہلے ہزار بار سوچنے پر مجبور ہوجائیں گی۔ اس وقت پاکستان میں محمد خان جونیجو ایسے مدبر صدر مسلم لیگ کی حکومت قائم

ہے۔اس لئے خصوصیت سے مسلم لیگ کا فرض ہے کہ وہ سب سے پہلے ان جماعتوں کو جو مسلم لیگ کے نام سے ملک میں قائم ہیں مسلم لیگ میں مدغم کرنے کی کوشش کریں۔

پیر صاحب پگارا جن کا احترام اور جن کی محبت ہر فرقے، طبقے، جماعت اور گروہ میں پائی جاتی ہے، آگے بڑھیں۔اور حسب دستور مسلم لیگ کی سرپرستی میں گیرائی اور گہرائی پیدا کریں۔تمام مسلم لیگیوں کو ایک جھنڈے کے نیچے لا کر حزب اختلاف کی ان جماعتوں سے بھی تعاون حاصل کریں جو استحکام پاکستان اور قومی وحدت کے عقیدے اور تصور سے سرشار ہیں انشاء اللہ پاکستانی قوم کی عظیم اور موثر اکثریت ایک طرف ہوگی اور یقیناً ہو جائے گی تو انشاء اللہ امریکہ کے چیلنج کا مقابلہ بآسانی ہو سکے گا۔ہماری صوبہ جاتی مسلم لیگیوں کے سربراہ بھی مضبوط اعصاب کے لوگ ہیں ان سے بھی قومی یکجہتی کی بحالی میں کام لیا جائے۔یہ لوگ بھی بڑی خدمت کر سکتے ہیں صرف ایک احتیاط کی ضرورت ہے۔کوئی ''نظریہ ضرورت'' کا مسلم لیگی آگے نہ آجائے کہ وہ بجائے فائدے کے نقصان کا سبب بن سکتا ہے۔اقبال احمد خان مسلم لیگ کے دیرینہ خادم ہیں۔ان کو مسلم لیگ کی تنظیم نو کے لئے زیادہ سے زیادہ وقت دیا جائے اس طرح انشاء اللہ قومی وحدت کے فوائد حاصل کر سکیں گے۔خداوند عالم ہمیں توفیقات خیر عطا فرمائے (آمین)

شبیہ الحسنین محمدی

یکم جنوری ۱۹۸۸ء
از: مولانا شبیہ الحسنین محمدی

پاکستان میں فرقہ وارانہ انتشار اور اس کا حل

اصول وفروع یعنی عقائد واعمال کے اعتبار سے دین اسلام کی حقیقت واحد ہے۔ انسانی زندگی کے اس نظام میں دوئی، تعدد یا اختلاف کا تصور محال کو ممکن سمجھنا ہے۔ اس لئے کہ اسلام کی تدوین وترتیب خود خداوند عالم نے فرمائی ہے۔ اس کی وحدت ویکتائی میں کوئی صاحب دین وایمان شک نہیں کر سکتا، اور اس کا نفاذ واجراء حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے جن کے کار رسالت کا کوئی شریک وحصہ دار قرار دینا مشرکانہ تصور ہے۔!

اس حقیقت کی عکاسی مسلمانوں کا کلمہ کرتا ہے: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ یعنی جو کچھ بھی ہم لیتے ہیں وہ اللہ سے لیتے ہیں لیکن واسطہ اس کا صرف اور صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتے ہیں۔

یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دور رسالت اور دور صحابہ اور زمانہ تابعین میں فہم اصول وفروع اسلام میں اختلاف پایا جاتا تھا۔ اس لئے کہ ہر شخص کی عقل اور اس کا علم مختلف ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنی فہم کے مطابق ہی کسی حقیقت کو سمجھ سکتا ہے۔۔۔۔!

لیکن اس زمانے میں اس عقلی اور علمی اختلاف کے باوجود مسلمانوں میں فرقہ بندی نہیں ہوئی تھی ۱۵۰ھ کے بعد حقیقت اسلامیہ کی تعبیر وتاویل میں اختلافات اس حد تک پیدا ہوئے اور ابھرے کہ۔۔۔۔۔۔ امت مسلمہ میں فرقے پیدا ہونا شروع ہو گئے۔ یقیناً یہ فرقہ بندی اسلام میں نہیں تھی بلکہ تعبیر وتاویل اور تشریح اسلام میں پیدا ہوئی اور ایک کے بعد دوسرا فرقہ بنتا چلا گیا۔ علمائے کرام نے فہم اسلام میں دوسرے کی تعبیر وتاویل وتشریح کو قبول نہ فرمایا اور اپنی ہی تاویل وتعبیر پر اصرار شروع کیا۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ عوام نے۔۔۔۔۔۔ جن میں بلاواسطہ فہم اسلام کی سکت نہیں تھی ان میں سے کچھ لوگوں نے اس عالم کی تشریحات کو قبول کر لیا اور کچھ لوگوں نے دوسرے عالم کی۔۔۔۔ نتیجتاً بہت سے فرقے پیدا ہو گئے اگرچہ کچھ لوگوں نے فرقوں کی

تخلیق و تشکیل کے نقصانات کو محسوس کر کے فرقہ بندی کے خلاف کوششیں شروع کیں۔ اور ایک عباسی بادشاہ نے پابندی لگا دی کہ بس یہ موجودہ چار پانچ فرقے ہی کافی ہیں۔ آئندہ کوئی فرقہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس کا ایک خوشگوار نتیجہ یہ ہوا کہ بعد میں اگر کچھ فرقے بنے بھی تو یا تو وہ پنپنے ہی نہیں پائے یا بہت تھوڑے عرصہ کے لئے زندگی کی سانسیں لیں اور مر گئے۔۔۔۔!

لیکن مسلمانوں کو ذوق فرقہ سازی زندہ رہا اور اب اسلام کے فرقے تو نہ بنائے گئے لیکن فرقوں کے فرقے بنا لئے گئے۔ مثلاً ہمارے برصغیر پاک و ہند میں دیو بندی فرقہ، بریلوی فرقہ اور مودودی فرقہ وغیرہ یہ سب حنفی نقطۂ نظر کی تاویل و تعبیر میں اختلاف رائے کی وجہ سے پیدا ہوئے۔ ماشاء اللہ شیعہ فرقہ بھی سنی فرقہ کے ساتھ ساتھ شروع ہی سے چلا آ رہا ہے اور ان سب فرقوں کی باہم آویزی نے امت مسلمہ کا وہ حلیہ بگاڑا ہے کہ اب یہ سمجھنا اور ماننا ہی مشکل ہو گیا ہے کہ یہ سب ایک ہی دین کے ماننے والے ہیں۔۔۔!

ان کے اصول و فروع میں کوئی قابل اعتناء فرق نہیں ہے۔ یہ سب توحید پرست ہیں۔ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب ہی خاتم الانبیاء مانتے ہیں، ان کا قبلہ ایک ہے۔ ایک ہی کتاب قرآن کریم پر اللہ کی کتاب کی حیثیت سے سب ایمان رکھتے ہیں۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، خمس اور جہاد میں اصلاً اور اصولاً کوئی فرق نہیں ہے۔ نکاح بیاہ کے فرائض یکساں ہیں۔ جنازے کے متعلقہ مسائل اور بعد دفن منکر و نکیر کی پوچھ گچھ اور اس کے بعد عالم برزخ پھر حشر نشر یعنی قیامت اور اس کے بعد حساب کتاب، پل صراط، دوزخ، جنت کو سب ہی تسلیم کرتے ہیں۔ جرم و سزا کے تعلق میں کوئی جوہری اختلاف نہیں ہے۔۔۔۔۔۔ مشکل سے عقلوں کے تفاوت کی وجہ سے تاویل و تشریح کے سہارے پانچ چھ فیصد اختلاف ہو تو ہو۔ یعنی پچانوے فیصد اتحاد ہے اور پانچ فیصد اختلاف۔۔۔۔ لیکن ہماری بد نصیبی کی انتہاء یہ ہے کہ پچانوے فیصد وحدت اور یگانگت کو نظری کر دیا ہے اور پانچ فیصد اختلاف پر اتنا زور دیا گیا ہے کہ اور دیا جاتا ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان ایک امت نہیں۔۔۔۔!!

بہر حال یہ حقیقت تسلیم ہونا چاہیے کہ اختلاف عقول کی وجہ سے فہم عقائد و اعمال میں اختلاف موجود ہے اور اس اختلاف کو مٹایا بھی نہیں جا سکتا اور اس کے باقی رہنے میں کوئی عقلی قباحت بھی نہیں ہے اگر ہر فرقہ اپنے اعتقادات و تصورات پر عمل پیرا رہے اور دوسروں کے اعمال و اعتقادات میں ٹانگ نہ اڑائے اور شرک، کفر و ارتداد کے فتوے نہ دے۔۔۔۔!!!

سب مسلمان فرقوں کو یکساں تاویل، عقائد و اعمال پر جمع کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس

لئے جب بھی دردمند لوگوں نے فرقہ ورانہ اتحاد کی کوشش کی، ایک نیا فرقہ پیدا ہو گیا اور آئندہ ہر ایسی کوشش کے نتیجے میں ایک نیا فرقہ پیدا ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلمان فرقوں کے عقائد اور اعمال کا اختلاف بحث ونظر کا موضوع بنے تو اس سے علمی ترقی ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ حقیقت اسلام کی جستجو کا جذبہ موثر ہو۔ اور مکابرہ اور مجادلہ تک نوبت نہ آئے۔ بے شک یہ تمام فرقے اپنی اپنی جگہ رہیں لیکن امت مسلمہ کے مشترک مفادات کے لئے اور مشترک دشمنوں سے نمٹنے کے لئے معاشرتی وحدت کے دائرے میں آجائیں۔ آخر سارا عالم کفر اپنے جوہری اعتقادی اور اعمالی اختلاف کے باوجود اسلام کے خلاف متحد ہے اور ہو جاتا ہے، تو مسلمان اپنے اپنے عقائد اور اعمال کی پابندی کرتے ہوئے معاشرتی وحدت پیدا کر کے اپنے مشترکہ دشمنوں کے مقابلے کے اہل کیوں نہیں بن سکتے۔ اس منزل تک آنے کے لئے سب فرقوں کو تھوڑا بہت احتیاط کرنا پڑے گی کہ اپنی تقریروں اور تحریروں میں اپنے فرقہ کے عقائد و اعمال کے فضائل وفوائد پوری تفصیل اور پورے طنطنے سے بیان کریں اور دوسرے فرقوں پر تنقید نہ کریں اور ان کے کفر وارتداد اور شرک کے فتوے جاری نہ کریں۔

عملی اعتبار سے یہ اتحاد ہماری آنکھوں کے سامنے مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے وجود پذیر ہوا۔ مسلم لیگ میں آنے کے بعد کسی فرقے نے اپنے عقائد و اعمال ترک نہیں کئے بلکہ سنی۔۔۔۔۔ سنی رہا۔ شیعہ۔۔۔ شیعہ رہا۔ بریلوی۔۔۔۔ بریلوی رہا اور دیوبندی۔۔۔ دیوبندی رہا۔ لیکن مشترک دشمن کے مقابلے کے لئے سب ایک ہو گئے۔۔!!!

آج بھی مسلم لیگ اور بعض دوسری سیاسی جماعتوں میں مثلاً تحریک استقلال، پیپلز پارٹی این ڈی پی وغیرہ میں مختلف فرقوں کے مسلمان اپنے اپنے فرقے کے ضوابط حیات کی پابندی کرتے ہوئے اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ سیاسی پارٹیوں کے سہارے فرقہ ورانہ اتحاد صرف اس صورت میں وجود پذیر ہوتا ہے۔ جب وہ سیاسی پارٹی قومی کردار کی حامل ہو اور جماعت اسلامی اور دیگر فرقہ وارانہ جماعتوں کی طرح ایک ہی فرقہ کے احساسات کی ترجمانی کے لئے نہ بنائی گئی ہو یا علاقہ اور زبان ونسل کی نقارچی نہ ہو۔۔۔!!

سیاسی پارٹیوں سے ہٹ کر صوفیائے کرام کا حال و ماضی بتاتا ہے کہ ان میں نظریاتی تفریق کے باوجود ہمیشہ معاشرتی وحدت موجود ہی صوفیائے کرام مسلمان تو مسلمان غیر مسلموں پر بھی شفقتوں اور نوازشوں کی بارشیں کرتے رہے جس کے نتیجے میں برصغیر کے کفرزار میں شجر اسلام اتنا پھولا پھلا کہ اس ملک کے کچھ حصوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہو گئی اور ہم مسلم

اکثریتی خطوں میں۔۔۔۔۔قیام پاکستان کی تحریک کو کامیابی دے ہمکنار کر سکے۔۔۔!!

ہم نے صوفیائے کرام کی تاریخ میں کہیں ایک دوسرے سے تصادم نہیں دیکھا اب علمائے کرام کے متعلق کیا کہا جائے کہ یہ حضرات تو ہمیشہ ایک دوسرے سے دست و گریباں رہے ہیں اور آج بھی۔۔۔۔! جبکہ چاروں طرف عالم اسلام کفر کی یلغار میں ہے۔ یہ علماء کرام جزئی اختلافات کے سہارے انتشار و خلفشار کے طوفان اٹھاتے رہتے ہیں۔

حالانکہ نظری طور پر مختلف عقائد و اعمال کی پابندی کے ساتھ معاشرتی طور پر ہمیں متحد ہونا چاہئے۔ہم تاریخ کے کسی دور میں عقائد و اعمال کے اعتبار سے متحد ہونا چاہئے۔لیکن معاشرتی طور پر جب بھی متحد ہوئے۔۔۔کفر کے ہر چیلنج کو ہم نے قبول کیا اور اس کو شکست فاش دی۔ یہ حقیقت ہم سب کو یاد رکھنا چاہئے کہ جب بھی کوئی مسلمان کوئی عمل مذہب سمجھ کے انجام دے رہا ہو تو ہمیں اس میں مین میخ نہیں نکالنا چاہئے۔اس لئے کہ اس کے نتیجے میں جوابی حملہ ہوگا اور انتشار کا عفریت رقص کرنے لگے گا اگر ایک عمل آپ کے نزدیک غلط ہے تو اس کی جزا اور سزا عامل سے متعلق ہے آپ سے متعلق نہیں ہے اگر وہ عمل قابل سزا ہے تو وہ سزا اسے خود بخود مل جائے گی وہ خود دوزخ کا کندہ بنے گا اس کی آنچ آپ تک نہیں پہنچے گی۔

قرآن کریم نے نص فرمائی ہی: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔اپنی غلطی، گناہ کا وہ خود ذمے دار ہے۔اور اگر آپ بطور نصیحت اور اس کے خیر خواہ کی حیثیت سے کچھ سمجھانا چاہتے ہیں تو قرآن کریم کے حکم: جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ کی روشنی میں نہایت نرم، اور پیارے لہجے میں گفتگو فرمایئے کفر و ارتداد اور شرک کے کوڑے مت برسایئے، اس طرح آپ کا فریضہ خیر خواہی بھی پورا ہو جائے گا اور مخاطب مشتعل بھی نہ ہوگا اور "معاشرتی اجتماعیت" باقی رہے گی۔!

موجودہ حالات میں معاشرتی اتحاد ہماری شدید ضرورت بھی ہے اور قرآن کریم کی آیت کی شکل میں اللہ کا حکم بھی ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۔ اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑو اور فرقہ پرستی مت اختیار کرو۔!

یاد رکھئے! کہ فرقہ سازی اگر چہ ایک بہت بڑا عیب ہے لیکن اس کے ضرر اور نقصان سے بچا جا سکتا ہے۔اگر فرقہ پرستی ترک کر دی جائے!

ہمارا معاشرتی انتشار فرقہ بندی کی وجہ سے نہیں ہے "فرقہ پرستی" کی وجہ سے ہے۔۔!! اس لئے کہ نظری اختلاف بحث و مباحثے کے سہارے علمی رفعت اور وسعت کا سبب

بھی بنتا ہے۔۔۔۔اگر کج بحثی کا رخ اختیار نہ کرے اور فرقہ پرستی ہر حالت میں عالم اسلام کے لئے تباہ کن ہے، اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے عقائد اور اعمال پر عمل پیرا رہتے ہوئے معاشرہ کو ہموار رکھیں اور مشترک دشمن جو ہمارے چاروں طرف پھیلا ہوا ہے کو ایک جان ہو کر شکست دے سکیں جیسا کہ ہم نے مسلم لیگ کی تنظیم کے سہارے ۱۹۴۷ء میں اپنے کالے گورے سب دشمنوں کو شکست فاش دی، ساتھ ہی گم کردہ راہ مسلمانوں کو بھی۔۔۔! اور ایک جلیل القدر مسلم حکومت دنیا کے نقشہ پر ابھر آئی۔ اس مجرب نسخہ پر عمل کرتے ہوئے ہم اپنے چاروں طرف پھیلے ہوئے دشمنوں کو شکست فاش دے سکتے ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

نوائے وقت ۷ نومبر ۱۹۸۷ء امن ۔ ۱۵ نومبر ۱۹۸۷ء

از: مولانا شبیہ الحسنین محمدی

پاکستان کو فرقہ پرستی کی وبا سے بچایئے!!

ہماری اس دنیا میں بہت سے دین پائے جاتے ہیں، کچھ دین تو خدا کے دیئے ہوئے ہیں جو اس نے پسندیدہ اور منتخب افراد یعنی انبیاء و رسل وحی والہام کے ذریعے سے نازل کئے اور انہوں نے اپنی اپنی امتوں میں نافذ اور شائع فرمایا۔ ان خدائی دینوں میں سے بعض دین انسانی ترمیم پسندی کا شکار بن گئے اور اب ان کے احکام سے یہ پتا چلانا بھی مشکل ہے کہ ان ادیان کی اصلی شکل کیا تھی۔ یہود و نصاریٰ وغیرہ کے ادیان اس کی زندہ مثال ہے۔ اسلام بھی خداوند عالم کا ارسال کردہ دین ہے اور خدا کا شکر ہے کہ مسلمانوں نے اس کے حقیقی احکام میں کوئی مداخلت نہیں کی، اگرچہ تاویل اور تعبیر کے سہارے اپنے جذبہ ترمیم پسندی کی تسکین کے لئے کوئی کسر بھی اٹھا نہیں رکھی، بہر حال دینوں میں اسلام اپنے اصول و فروع کی حد تک قطعاً اپنی اصلی حالت پر موجود ہے۔۔۔!!!

بعض ادیان انسان نے خود بنائے ہیں انسان کی قوت تخلیق ہر شعبہ زندگی میں کچھ نہ کچھ کرشمہ سازی کا فریضہ انجام دیتی رہی ہے۔ انسان نے اپنے آرام و آسائش کے لئے ہزاروں چیزیں بنا ڈالیں اپنے مخالفوں کو نقصان پہنچانے یا قابو میں رکھنے کے لئے لاکھوں حربے اور ہتھیار تیار کر لئے، تاہم اس کا ذوق خلاقی تھکا نہیں اور اس نے اشیائے ضرورت کے علاوہ بہت سے دین بھی بنا ڈالے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر نبی، رسول، حتیٰ کہ خدا تک بنا چھوڑے حالانکہ عقلاً اس کو خدا و رسول تو کجا، کسی دین کے بنانے کا بھی حق نہیں ہے۔ بہر حال انسان عقل کی بات مشکل ہی سے مانتا ہے اور جو اس کے جی میں آتا ہے کر گزرتا ہے۔ ان خدا کے ارسال کردہ یا انسان ساختہ دینوں کی تعبیر و تاویل میں اختلافات کے طوفان کھڑے ہو گئے اور ہر دین کے کئی کئی فرقے بن گئے!

اسلام کو فرقہ بازی سے بچانے کے لئے قرآن کریم اور سنت مبارک میں واضح ہدایات دی گئی ہیں لیکن ہم مسلمان دنیا کی ڈگر پر چلنے سے کب باز رہ سکتے تھے ہم نے بھی حضور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے ایک سو پچاس سال بعد فرقے پیدا کرنے شروع کر دیئے جن میں سے بہت سے فرقے تو پیدا ہوتے ہی مرکھپ گئے۔ لیکن کچھ فرقے اب بھی زندہ ہیں، فہم مسائل میں اختلاف کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ عقلیں مختلف ہیں، انسان کی معلومات مختلف، اس لئے کسی

مسئلے میں اختلاف آراء کی گنجائش موجود ہے لیکن اختلاف آراء کے سہارے یا انتشار اور افتراق کی آندھیاں چلانا اور طوفان اٹھانا کسی طرح سے بھی قرین عقل نہیں ہے، مگر ہماری بدنصیبی ہے کہ ہم اختلاف رائے کو انتشار و افتراق کا پیش خیمہ بنا کر تصادمات کا راستہ طے کرنے کی بھرپور جرأت رکھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جیسا کہ عرض کیا گیا کہ فہم مسائل و معاملات میں اختلاف کی بنیاد پر فرقے بن سکتے ہیں۔۔۔۔۔ اور وہ بنے۔۔۔۔۔۔ اور اگر وہ فرقوں کی حد تک ہی رہیں تو ان سے کوئی معاشرتی تہذیبی اور سیاسی نقصان نہیں پہنچ سکتا لیکن فرقوں کے وجود کے بعد لوگوں نے فرقہ پرستی شروع کر دی اور یہی وہ بیماری ہے جس نے عالم اسلام کو پاش پاش کر رکھا ہے۔ اگر مسلمان فرقے بنانے کے بعد اپنے اپنے فرقے سے وابستہ رہتے اور دوسرے فرقوں کو بھی جینے کا حق دیتے تو عالم اسلام انتشار سے محفوظ رہ سکتا تھا لیکن ملت اسلامیہ کی بدنصیبی یہ ہے کہ فرقہ پرستی کی بیماری نے اس حد تک سر اٹھایا کہ ایک فرقے نے دوسرے فرقے کا جینا دوبھر کر دیا۔ کفر اور شرک، زندقہ اور الحاد کے فتووں کے ساتھ ساتھ طاقت آزمائی کو بھی شعار بنایا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ۔۔۔۔۔۔ وحدت قومی کا تصور ہی موت کے گھاٹ اتر گیا۔۔۔۔ اب جن حالات میں ہم زندگی گزار رہے ہیں ان کا تقاضا ہے کہ اسلامی قومیت کے تصور کو اجاگر کیا جائے اور مسلمان قوم و ملت واحدہ کے حکم میں آ جائے تبھی ہم اپنے وقار کو بلند سے بلند تر کر سکتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ مسلمانوں میں جو فرقے پیدا ہو چکے ہیں ان کو مٹایا نہیں جا سکتا اگر کوئی کوشش ایسی کی جائے کہ فرقوں کو مٹا دیا جائے تو اس کے نتیجے میں ایک نیا فرقہ پیدا ہو جائے گا، اس لئے فرقوں کو قبول کر لینا چاہیئے اور یہ کوشش کرنا چاہیئے کہ ایک فرقہ دوسرے کو برداشت کرنا سیکھ جائے اور کوئی فرقہ دوسرے فرقے کے ان افکار و اعمال میں مداخلت نہ کرے جن کو وہ اپنی فہم کے مطابق اپنے تسلیم کردہ اسلام کا حصہ اور جزو سمجھتا ہے۔۔۔!

یہ ایک پیش افتادہ حقیقت ہے کہ جب بھی آپ کسی کے دینی مراسم اور معاملات میں مداخلت کریں گے تو وہ ان کے تحفظ کی کوشش کرے گا اور نتیجہ میں تصادم ہوگا۔۔۔!

یہ تصادم ملت اسلامیہ میں ہر طرح کی کمزوری اور ضعف کا سبب بن جائے گا کیا یہ عقلی فریضہ نہیں ہے کہ جس طرح سے ہم اپنے افکار و اعمال کو درست سمجھتے ہیں دوسرے مسلمان کو بھی حق دے دیں کہ وہ بھی اپنے مختارات کو حق سمجھے۔ اگر یہ فراخ حوصلگی ہم میں پیدا ہو جائے تو ہر طرح کے فساد کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔۔۔!

تشکیل پاکستان کے وقت بھی مسلمان فرقوں میں بٹا ہوا تھا اور فرقہ پرستی کی تمام قباحتیں اور کمزوریاں اس میں موجود تھیں۔ لیکن مسلم لیگ کی ٹھوس تنظیم اور قائداعظم محمد علی جناح کی با

بصیرت قیادت کے نتیجے میں ہم فرقوں میں تو بٹے رہے لیکن۔۔۔۔۔ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا سلیقہ سیکھ کر اور "جیو" اور "جینے دو" کے اصول پر عمل پیرا ہو کر مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے قدم سے قدم شانے سے شانہ ملا کر چلے اور پاکستان ایسی پروقار مملکت منصۂ شہود پر آگئی، پاکستان کی تشکیل کا واقعہ ہماری آنکھوں کا دیکھا ہوا واقعہ ہے اس کی تفصیلات کے لئے کسی تاریخ کے حوالے کی ضرورت نہیں ہے۔ہم خود تشکیل پاکستان کی جنگ میں شریک رہے ہیں، ہم نے کسی فرقے، نسل یا زبان یا صوبہ کے نمائندے کی حیثیت سے حصہ نہیں لیا تھا بلکہ مسلم قوم کے ایک فرد ہونے کے ناتے قوم کے اجتماعی مفاد کے لئے وحدت قومی کا پرچم ہاتھ میں لے کر آگے بڑھے تھے۔۔۔۔!

یہ عجیب بات ہے اور اسے بھولنا بھی نہیں چاہئے کہ مسلمانوں میں فرقہ پرستانہ جذبات و احساسات کے پیکر کانگریس کے جھنڈے کے تلے مسلم لیگ کے خلاف صف آراء تھے اور ہر امکانی کوشش کر رہے تھے کہ پاکستان وجود میں نہ آئے، جمعیت علمائے ہند، احرار کانفرنس اور جماعت اسلامی والے فرقہ پرستوں کے سرخیل تھے ان میں سے جمعیت علمائے ہند اور احرار کانفرنس کے لیڈر تو متحدہ قومیت کے علمبردار بھی تھے اور متحدہ ہندوستان کے آرزومند تھے، لیکن جماعت اسلامی کے امیر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی بڑے ذہین تھے، وہ عام مسلمانوں کے مسلم لیگ کی طرف عموی جھکاؤ کے پیش نظر بڑے بڑے علماء کی بے اثری کو نوٹ کر رہے تھے۔اس لئے انہوں نے متحدہ قومیت کی تو حمایت نہیں کی کیونکہ انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ مسلمان اس فکر کو قیامت تک قبول نہیں کرے گا۔۔۔۔لیکن متحدہ ہندوستان کے قیام کے لئے انہوں نے بھرپور کوشش کی اور انہوں نے اس مقصد کے لئے تین فارمولے یا نظریے پیش کئے جن کی تان متحدہ ہندوستان پر ٹوٹتی ہے۔۔۔!(اس کی تفصیلات "جسارت" مودودی نمبر کے مندرجات سے بہ آسانی معلوم ہو سکتی ہیں) مرحوم نے علامہ سر محمد اقبال کے نظریہ پاکستان کا امکانی حد تک مضحکہ اڑایا اور جب تک زندہ رہے مسلم لیگ کی قیادت میں کیڑے ڈالتے رہے اور یہ حقیقت سب کو معلوم ہے کہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور ان کے ہمنوا جماعت اسلامی سے باہر مسلمانوں کو صرف مسلمان خاندانوں میں پیدا ہونے کے ناتے مسلمان کہتے ہیں ان کے نزدیک حقیقی مسلمان صرف جماعت اسلامی میں پائے جاتے ہیں۔

قاضی حسین احمد صاحب نے چند روز ہوئے اپنے ایک اخباری بیان میں دعویٰ کیا ہے کہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی قیام پاکستان کے مخالف نہیں تھے۔اس لئے کہ انہوں نے متحدہ قومیت کے خلاف پورا زور قلم صرف کیا ہے۔حالانکہ چاہئے تو یہ تھا کہ پاکستان یا مسلم لیگ کی قیادت کی

حمایت میں مولانا مودودی کے کسی مضمون یا بیان کا حوالہ دیتے۔۔۔۔۔ جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے مولانا مودودی نے اپنے اساتذہ اور اپنے ذہنی بزرگوں کی شکست فاش کے پیش نظر پاکستان کے قیام کو روکنے کے لئے یہ راستہ نکالا تھا کہ متحدہ قومیت کی مخالفت کر کے مسلم عوام میں نفوذ و رسوخ حاصل کیا جائے اور اس طرح اپنے فارمولوں کے مطابق متحدہ ہندوستان کے خواب کی تعبیر دیکھ سکیں لیکن قائداعظم اور مسلم لیگ کی قیادت کے سامنے ان کی ایک نہ چلی اور پاکستان بن کر رہا۔ اس وقت بھی پاکستان میں فرقہ پرستوں کی سرخیل جماعت اسلامی ہے پاکستان میں جہاں بھی فرقہ پرستی سر اٹھاتی ہے جماعت اسلامی اور اس کے لیڈر اس بھرپور حمایت کرتے ہیں۔ جماعت اسلامی پاکستان کی تمام فرقہ پرست جماعتوں کی معاون اور مددگار رہتی ہے۔ لیکن ماضی کی طرح اب بھی شکست اس کا مقدر ہے، اس وقت مسلم لیگ کی حکومت ہے اور اس کا پانچ نکاتی منشور عوام کی فلاح و بہبود کا ضامن ہے، پاکستان کے باشندوں کو یہ محسوس کرنا چاہئے کہ فرقہ پرستوں نے ماضی میں تباہی کے علاوہ انہیں کیا دیا ہے۔ جواب لکھ دیں گے۔

اب وقت آگیا ہے کہ جماعت اسلامی کے چہرے کا اسلامی نقاب اتروا دیا جائے اور اس کی فرقہ پرستی کا بھیانک چہرہ قوم کے سامنے کر دیا جائے! جماعت اسلامی کی موجودہ قیادت بڑی ہوشیار ہے۔ اب یہ ملک کی سیاسی جماعتوں سے پینگ بڑھائیں اور کچھ سیاسی جماعتوں سے یہ اپنے تعلقات استوار کر کے ان کی گردنوں کو اپنی سواری کے لئے استعمال کریں گے۔ کچھ عرصہ ہوا مسلم لیگ کی صفوں میں گھسنے کا انہوں نے پروگرام بنایا تھا لیکن جناب پیر صاحب پاگارو نے ان کی دال نہ گلنے دی اور چٹکیوں میں ان کو اڑا دیا۔ اب یہ پیپلز پارٹی کی طرف متوجہ ہیں اور جماعت اسلامی کے موجودہ قائد یہ سمجھتے ہیں کہ پیپلز پارٹی کی نوجوان قیادت ان کی فکر کے مطابق ابھی خام کار اور آسانی سے قابو میں آسکتی ہے۔ لیکن میرے نزدیک آنسہ بینظیر بھٹو ان کے ہر جال کو تار تار کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہیں اور وہ کبھی پیپلز پارٹی کو جماعت اسلامی کے پھندے میں نہیں آنے دیں گے۔

موجودہ حالات کا تقاضا یہ ہے کہ ہم پاکستانی تمام فرقہ پرست جماعتوں کو اتنا بے اثر بنا دیں کہ صرف ان کے دفتر اور دفتروں پر بورڈ رہ جائیں۔

جماعت اسلامی کے ساتھ ساتھ "تحریک نفاذ فقہ جعفریہ" بھی پاکستان دشمنی میں جماعت اسلامی کی مثیل ہے۔ ہم نے اپنے کسی مضمون میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے کارکنوں سے یہ درخواست کی تھی کہ پاکستان دشمنی میں وہ ایران کو تو گالیاں نہ دیں۔ ہماری اس درخواست کے جواب میں ایک عدد "ابن مزمل" صاحب نے فرمایا کہ ایران اور پاکستان کے تعلقات اسی طرح

سے ہیں جیسے ہندوستان کے پاکستان سے اور روس کے امریکہ سے۔۔۔۔۔۔یعنی منافقانہ اور ریاکارانہ۔۔۔!! درست فرمایا، پاکستان کی حکومت کو تو "ابن مزمل" صاحب جو جی چاہے کہیں ابن مزمل صاحب کی مرضی، لیکن آیت اللہ روح اللہ خمینیؒ، آیت اللہ منتظری، حجۃ الاسلام سید علی خامنہ ای، حجۃ الاسلام ہاشمی رفسنجانی، حجۃ الاسلام علی اکبر ولایتی وغیرہم ایران کے رہنماؤں کو منافق نہ کہیے۔۔۔۔ کہ وہ سب کم وبیش اجتہاد کے مرتبے پر فائز ہیں اور علمائے دین ہیں۔ بہر حال یہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ بہت دلچسپ جماعت ہے، اس کے کارکنوں نے جماعت اسلامی سے بہت کچھ سیکھا ہے کہ نام تو اس کا ہے جماعت اسلامی اور کام کیا جاتا ہے سیاست کا۔۔۔۔۔۔ نام تو اس جماعت کا تحریک نفاذ فقہ جعفریہ اور کرکٹ کھیل رہی ہے سیاست کی! ۱۹۷۹ء میں جب یہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ بنائی جارہی تھی تو ہم نے لکھ دیا تھا کہ نفاذ فقہ جعفریہ تو بس نام رہے گا اور یہ مذہبی چودھری سیاست کا کھیل کھیلیں گے۔ میں نے ۱۹۷۹ء ہی میں یہ پوچھا تھا کہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے کارکن ہمیں وہ مسائل تو بتادیں جن کا نفاذ چاہتے ہیں اس کے جواب میں پورے نو سال بعد یہ ارشاد فرمایا گیا کہ وہ ہم نے سب حکومت کو بتادیا ہے۔۔۔۔

اس جواب باصواب کی کون داد نہ دے گا۔ یہ دونوں جماعتیں یعنی جماعت اسلامی اور تحریک نفاذ فقہ جعفریہ عارف حسینی گروپ پاکستان کے خلاف ایک دوسرے سے مل کر متحدہ محاذ بنالیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہوگی۔ پاکستان کے تمام باشندوں اور مسلم لیگ اور مسلم لیگ کی حکومت خاص کر صوبہ سندھ کی مسلم لیگی حکومت کو اس طرف پوری توجہ مبذول کرنا چاہیے۔ اور تمام فرقہ پرستوں کو بے اثر بنانے کا اہتمام کرنا چاہیے اور یہ یاد رکھنا چاہیے کہ کوئی فرقہ پرست خواہ اس کا نام کچھ بھی ہو پاکستان کا بہی خواہ اور اس کا دوست نہیں ہوسکتا اس لئے کہ یا تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے خود قیام پاکستان کی مخالفت کی تھی یا ان کی اولادیں ہیں یا ان کے عقیدتمند! یہ کسی طرح پاکستان کو پھلتا پھولتا نہیں دیکھ سکتے۔

پاکستان جس طرح اسلامی قومیت یعنی وحدتِ ملت کے سہارے بنا تھا وحدتِ ملت سے تمسک کرکے ہی اس کو مستحکم اور باوقار رکھا جاسکتا ہے۔

پاکستان زندہ باد

روزنامہ ''امن'' ۱۳ دسمبر ۱۹۸۷ء
از: مولانا شبیر الحسنین محمدی

فرقہ پرستی کا زہر

قیام پاکستان کے فوراً بعد ''خدا پرستی'' اور ''اسلام پرستی'' کے علاوہ علاقہ پرستی طبقہ پرستی نسل پرستی وغیرہ نے سر اٹھالیا اور اس کا سبب شاید یہ تھا کہ جن لیڈروں نے ہندوستان کے مسلمانوں میں وحدت ملت اسلامیہ کا شعور بیدار کیا تھا وہ غیر معمولی مختصر عرصے میں ہی ملک بقا کو روانہ ہو گئے۔۔۔۔۔قائد اعظم محمد علی جناح'' ،قائد ملت لیاقت علی خان ،خواجہ ناظم الدین ،سید حسین شہید سہروردی، سردار عبد الرب نشتر ،راجہ غضنفر علی خان ،پیر صاحب مانکی شریف ،پیر صاحب علی پور شریف وغیرہ وغیرہ ،جو قومی قد کاٹھ کے مالک تھے ،سب اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔۔۔۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اقتدار پسند افراد آگے بڑھے اور انہوں نے مسلم لیگ کے حصے بخرے کرنے کے ساتھ ساتھ نئی جماعتیں قائم کرنے کا مشغلہ بھی اختیار کرلیا۔قومی شخصیتوں کے فقدان کے نتیجے میں افراتفری کا بازار گرم ہو گیا۔اس انتشار سے ہمیں سیاسی اور معاشرتی قسم کے بہت سے نقصان پہنچے لیکن ہماری موت اور زندگی کا سوال پیدا نہ ہوسکا۔حالانکہ پاکستان کی مخالف طاقتوں نے ان سب پرستیوں کی سرپرستی میں کوئی کمی اٹھا نہ رکھی ،تاہم آخرکار پاکستان کو نقصان پہنچانے کا اصل نسخہ بھی دریافت ہو گیا۔۔۔۔اور وہ ہے ''فرقہ پرستی''! جو قیام پاکستان کے وقت بھی ابھاری گئی تھی لیکن اسلامی جذبے کی شدت نے اس کو سر ابھارنے نہیں دیا۔

قیام پاکستان کے کچھ عرصے کے بعد سیاسی افراتفری کے نتیجے میں اسلامی قومیت کی اہمیت اور افادیت بالکل نظر انداز ہو گئی اور اس سے فائدہ اٹھا کر فرقہ پرستوں نے پاکستان میں انتشار و انشقاق کے طوفان اٹھانے کا عمل شروع کر رکھا تا کہ۔۔۔۔''نصیب اعدا'' پاکستان'' کو نقصان پہنچ جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم مسلمانوں میں فرقوں کا ہونا کوئی نئی بات نہیں۔ہمارے پڑوس میں جو ہندو قوم آباد ہے اس میں تو فرقوں کا کوئی شمار ہی نہیں اور ان کے یہاں کوئی ایک عامل بھی ایسا نہیں جس کو سامنے رکھ کر'' ہندو قوم'' کو منظم کیا جا سکے۔محض'' دھرتی ماتا'' ہی ان کی وحدت کی ضامن ہے۔حالانکہ فکری اور عملی طور پر ان کے یہاں ہزاروں تضادات پائے جاتے ہیں۔مثلاً

''آریہ سماج'' بت پرستی کے سخت خلاف ہیں اور بت خانوں کی تعمیر کو ناجائز جانتے ہیں۔ ''سناتن دھرمی'' بت پرستی کو اپنا دین دھرم سمجھتے ہیں اور بت خانوں کی تعمیر کو کار ثواب!! ''جینی'' اپنے منہ پر کپڑا باندھے رہتے ہیں تاکہ کوئی جرثومہ ان کے منہ میں نہ چلا جائے اور اس طرح وہ گناہگار ہونے سے محفوظ رہیں۔ ''کائستھ'' باقاعدہ گوشت کھاتے، کباب، قورمہ، مچھلی، انڈے ہر چیز سے لطف اندوز ہوتے ہیں غرضکہ اس قسم کی تضادات ''ہندو دھرم'' میں بکثرت پائے جاتے ہیں، لیکن ہم نے ان فکری اور عملی تضادات کے باوجود ''ہندو دھرم'' کے ماننے والے فرقوں کو آپس میں ایک دوسرے سے کبھی متصادم نہیں دیکھا اور ایک دوسرے کے اعمال میں ٹانگ اڑاتے ہوئے نہیں پایا۔

مختلف فرقے اپنے جلوس نکالتے ہیں، مثلاً ''ہولی''، ''دیوالی'' اور دوسرے کے جلوس!! جلوس نہ نکالنے والے ان کے امور میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کرتے اور کسی قسم کا جھگڑا کھڑا نہیں کرتے۔ ایک دوسرے کے اعمال پر نہ اعتراض کرتے ہیں نہ اس کے راستے میں رکاوٹ ڈالتے ہیں، نہ کسی کا راستہ بند کرتے ہیں! کاش! ہم ان مشرکوں ہی سے کچھ سیکھ لیتے کہ وہ اصولاً منتشر ہونے کے باوجود عملاً متحد ہیں اور ہر وہ قوت جو ان کے خلاف اٹھتی ہے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے یکدست اور یک قدم ہو کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔۔۔ لیکن۔۔۔ ہم مسلمان۔۔۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے ایسا دین عطا فرمایا ہے کہ جس میں ہر زاویئے سے ''توحید'' میسر ہے یعنی ہمارا خدا ایک، رسولؐ ایک، کتاب ایک، کعبہ ایک، حج ایک، نماز ایک، روزہ ایک، نماز روزے کے متعلقات ایک، زکوٰۃ ایک، جہاد ایک۔۔۔۔ غرضکہ ہمارا سب کچھ ایک ہے مگر فرقہ پرستی کے جوش میں ہم نے عملاً ''اسلام'' کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے اور ثانوی حیثیت دے کر ''فرقے'' کو اولیں حیثیت دے دی ہے۔!

فرقہ پرستی کا زہر اب اتنا موثر ہوتا جا رہا ہے کہ اس کی ہلاکت خیزیوں سے بچنے کے لئے ہمیں ''اسلامی قومیت'' کے شعور کو اس حد تک بیدار کر لینا چاہئے کہ فرقہ پرستی کے ذمے دار سب علمائے کرام ہیں۔۔۔ دینی مدارس حقیقتاً فرقوں کے مدارس ہیں۔ علمائے دین درحقیقت فرقوں کے علماء ہیں۔ اگر یہ مدرسے اور علماء، دین سے متعلق ہوں تو ایک دوسرے کے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ اپنے مدرسے میں دوسرے عقیدے کے مسلمان کو داخلہ کیوں نہیں دیتے؟ اگر سارے فرقے مٹ جائیں تو دین کا کیا نقصان ہو جائے گا؟ جب تک فرقے اور فرقہ پرست نہیں تھے کیا دین اسلام نہیں تھا؟ جب سے مسلمانوں میں فرقہ پرستی پیدا ہوئی ہے

اسلام ایک تبلیغی طاقت کے اعتبار سے بہت کمزور ہو چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے کرام دنیا کے کسی حصے میں بھی دین کی تبلیغ میں کامیاب نہیں ہوئے، کیونکہ جب بھی وہ اٹھے تو اسلام کے بجائے انہوں نے اپنے فرقے کو پیش کیا جس کے نتیجے میں صرف فرقہ وارانہ انتشار کو ہوا ملی، غیر مسلم تو ان کی آواز پر لبیک کیا کہتے، خود مسلمانوں میں نفرت اور بیزاری کے طوفان اٹھ کھڑے ہوئے۔ فرقوں کی تخلیق کے بعد اسلام کی تبلیغ صرف صوفیائے کرام نے کی اور انہی کے ہاتھوں پر دنیائے کفر۔۔۔ اسلام لائی کہ صوفیا۔۔۔۔ نہ کسی فرقے کی نمائندگی کرتے تھے۔۔۔ نہ کسی دوسرے فرقے سے نفرت فرماتے تھے۔ اس لئے وہ ''خالص اسلام'' کو پیش کرتے تھے اور وہ غیر مسلموں کے دل و دماغ میں اتر جاتا تھا اور لاکھوں کافر مسلمان ہو جاتے تھے۔۔۔ اور شاید یہی وجہ کہ صوفیائے کرام کی قبریں اور ان کے سجادے آج بھی عوام کی محبت کا مرکز ہیں، علمائے کرام کا نام تاریخوں اور کتابوں میں لکھا ہوا تو مل جاتا ہے۔۔۔ عوام کی زبان پر نہیں ملتا۔۔۔ صوفیائے کرام کے اسمائے مبارک، تاریخوں اور کتابوں میں بھی ثبت ہیں اور عوام کی زبان پر بھی جاری و ساری۔۔۔۔۔!!

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ قیام پاکستان کی جتنی بھی مخالفت ہوئی وہ علمائے کرام کے بعض حلقوں کی طرف سے ہوئی۔ صوفیا اور ان کی سجادوں سے وابستہ کسی ایک شخص نے بھی نہیں کی!

اس وقت بھی پاکستان میں فرقہ پرستی کے جذبات کو صرف علمائے کرام کا ایک مخصوص گروہ ابھار رہا ہے۔۔۔ بعض کا فرمانا ہے کہ فلاں مدرسے اور فلاں مسجد کا تقدس جنہوں نے خطرے میں ڈالا ہے۔۔۔۔ ان کو عبرتناک سزا دی جائے، یہ حضرات یہ فراموش کر گئے ہیں کہ صرف آپ کا مدرسہ اور آپ کی مسجد ہی مقدس نہیں ہے۔۔۔۔ دینی تدریسی اداروں اور عبادت گاہوں کو تو چھوڑیئے، مسلمان کا ہر گھر مقدس ہے، اس کی عزت مقدس ہے، اس کا مال اور اس کا اثاثہ مقدس ہے، اس کا نفس اور اس کی عزت مقدس ہے۔ حضور ﷺ نے واضح طور پر فرمایا: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ ۔۔۔ یعنی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے، یعنی ہر مسلمان کا مال، جان، گھر اور۔۔۔ سب دوسرے مسلمان کے لئے مقدس ہے۔ جب تک شرعی جواز پیدا نہ ہو جائے اس وقت تک کسی مسلمان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا اور انگلی اٹھانا حرام ہے۔۔۔ لیکن اگر کچھ صاحبان کسی مسجد یا مدرسے کو اسلحہ خانے کے طور پر استعمال کریں تو انہوں نے تو خود ہی اس کا

تقدس ختم کردیا، دوسرے سے گلہ کرنے کا ان کو حق کہاں پہنچتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ تقدیس مدرسہ ومسجد کے بہانے عوام میں ایک ایسا انتشار پیدا کرنا چاہتے ہیں۔۔۔ جس سے پاکستان کو نقصان پہنچ جائے کہ یہ پاکستان ان کی خواہشات اور مرضی کے خلاف بنا ہے۔۔۔۔۔ یہ لوگ کل بھی پاکستان کے مخالف تھے آج بھی پاکستان کے مخالف ہیں، پاکستان کو نقصان پہنچانے کے لئے یہ اور کچھ نہیں کر پاتے تو فرقہ وارانہ جذبات بھڑکانے کا پیشہ اختیار کرلیا ہے جو انشاء اللہ بے اثر ہوکر رہے گا اور پاکستانی قوم کسی بھی فرقہ پرست کے چنگل میں نہیں آئے گی، چاہے اس کا نام اور کام کچھ بھی ہو۔ یہ حضرات کراچی کے امن وامان کو تہہ وبالا کرکے ملک کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں جو موجودہ حالات میں استحکام کے لئے انتہائی مضر ہے! "کراچی" ایک تجارتی اور صنعتی شہر ہے، یہاں کسی حالت میں بھی امن و امان کی صورتِ حالات کو بگاڑنا۔۔۔ قوم اور ملک دشمنی ہے! کراچی کے باشندوں کو چاہیئے کہ اپنے کاروبار، محنت، مزدوری میں لگے رہیں اور انتشار پسندوں کو مکمل طور پر ناکام بنادیں، ہمیں یقین ہے کہ اگر کراچی میں انتشار پسندوں کو شکست ہوگئی تو انشاء اللہ تعالیٰ کہیں امن وامان کا مسئلہ پیدا نہیں ہوگا۔

از: مولانا شبیر الحسنین محمدی

"شریعت بل"

عنوان بالا کے تحت جناب محمد اعظم صاحب طارق کا ایک مضمون روزنامہ جنگ کراچی کی مورخہ ۲۰ دسمبر ۹۰ء کی اشاعت میں شایع ہوا ہے اس سلسلہ میں چند باتیں سپرد قرطاس کر رہا ہوں۔

شریعت بل کے محرکین اور ان کی بے تابی کو سمجھنے کے لئے تحریک پاکستان پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔ حصول پاکستان کی تحریک کے خدوخال ۱۹۳۰ء سے نمایاں طور پر ابھرنے لگے تھے۔ علامہ اقبال کی زیر صدارت مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس جو الٰہ آباد میں منعقد ہوا۔ اس میں علامہ کا صدارتی خطبہ مسلمانوں کی توجہ مسلم لیگ اور اس کے منشور کی طرف راغب کرنے کا بہت بڑا ذریعہ بنا اور بہت سے زعماء جو، اب تک کانگریس کا ساتھ آکر وقت تک دیا۔ مثلاً مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ، احمد سعید، یا علماء احرار جن کے صدر مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی تھے۔ وہ پاکستان سے اتنے متنفر تھے کہ جب لدھیانہ میں فسادات پھیل گئے تو ان کا رُخ بجائے پاکستان کے دہلی کی طرف ہو گیا۔ یا مولانا ابوالکلام آزاد جو اپنے انتقال کے وقت تک کانگریس کے اہم ترین رکن رہے۔ جمعیت علماء ہند، علماء دیوبند کی ایک بہت بڑی تعداد اور جماعت اسلامی اپنے قائد مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی قیادت میں نظریہ پاکستان اور قیام پاکستان کی مخالفت میں پیش پیش رہی۔ مولانا سمیع الحق کے والد ماجد مولانا عبدالحق محدث نے تحریک پاکستان میں کسی نہج سے کوئی حصہ نہیں لیا۔ اسی طرح پنجاب اور سرحد کی کیفیت رہی۔ البتہ صوفیائے کرام اور سجادہ نشین حضرات نے پوری جانفشانی کے ساتھ اس تحریک میں اپنا کردار ادا کیا۔

اب لطیفہ یہ ہے کہ یہ تمام مخالفین پاکستان اور ان کی اولاد نسبی و ذہنی، اس وقت "شریعت بل" کے نام پر پورے پاکستان میں ایک عالم انتشار پیدا کیے ہوئے ہیں۔ کوئی ان سے دریافت کرے کہ اگر متحدہ ہندوستان ہی رہتا تو یہ شریعت بل کہاں پیش کیا جاتا؟؟ ان سے یہ بھی دریافت کیا جائے کہ کسی اسلامی ملک میں بشمول سعودی عرب کبھی کوئی شریعت بل پیش ہوا ہے؟؟ حقیقت یہ ہے کہ اسلام نہ جماعت اسلامی کا ہم عمر ہے اور نہ دیوبند میں پیدا ہوا ہے بلکہ

چودہ سو سال پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ معظمہ میں لے کر آئے اور مدینہ منورہ میں پھلا پھولا۔ اسے کسی شریعت بل کی ضرورت نہ تھی۔ حضور کا لایا ہوا قرآن آج بھی موجود ہے۔ آپ کی پیش کردہ سنت بھی ہم تک پہنچی ہے لیکن کیا مسلمان صحیح طور پر مسلمان بن گئے؟؟ اور کیا شریعت بل کے پاس ہونے کے بعد پاکستان میں دودھ اور شہد کی نہریں جاری ہو جائیں گی اور سارے دنیوی اور دینی مسائل حل ہو جائیں گے؟؟ بات دراصل یہ ہے کہ یہ حضرات جو پاکستان کے کبھی ہمدرد نہ تھے، اب اپنی فرقہ وارانہ شریعتوں کا تسلط چاہتے ہیں اور پاکستان میں فرقہ وارانہ تصادم کی راہ ہموار کرنے اور یہ دکھانے کے لئے کہ اسلام کا درد صرف انہی کے دل میں ہے۔ یہ سب تگ ودو کر رہے ہیں۔

یہ حضرات جو ایک دوسرے کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتے ایک دوسرے کے مدرسے میں تعلیم حاصل نہیں کر سکتے۔ حتیٰ کہ اپنے زیر انتظام مساجد میں دوسرے فرقے والوں کو داخل نہیں ہونے دیتے!!!؟ اب صرف انتشار ملی کی خاطر یہ متفقہ کوششیں کر رہے ہیں۔

خدا بھلا کرے ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین صاحب کا جنہوں نے اس فتنے کو صحیح طور پر سمجھا ہے اور سندھ کے مسلمانوں کو اس سازش سے بار بار آگاہ کیا ہے اور باہمی رواداری کی فضا قائم کرنے میں زبردست سعی فرمائی ہے۔

جناب محمد اعظم صاحب طارق نے دو اور باتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ ایک تو ایران کا ۔۔۔۔۔ محمد اعظم طارق صاحب اس امر کا دعویٰ کر رہے ہیں کہ تہران میں دس لاکھ اہل سنت ہیں اور ان کی کوئی مسجد نہیں ہے۔ شاید انہوں نے فرقہ وارانہ بنیاد پر تہران کی مردم شماری کی ہو۔ حکومت ایران نے خود کوئی ایسی مردم شماری نہیں کی۔ جناب محمد اعظم صاحب تہران کے بجائے نزدیک تر زاہدان وغیرہ کا ہی ملاحظہ فرما لیتے تو ان کو سنی عقائد کے مطابق اذان اور مفتی وغیرہ اپنے منصب آزادی کے ساتھ ادا کرتے نظر آ جاتے۔ ایران میں کوئی مسجد سنی یا شیعہ نہیں ہے۔ سب اللہ کی مساجد ہیں اور ہر فرقہ آزادی کے ساتھ سنی یا شیعہ امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ یہ مصیبت تو ہندوستان اور پاکستان میں ہی ہے جہاں بریلوی مسجد، دیوبندی مسجد اور اہل حدیث مسجد وغیرہ دکھائی دیتی ہیں۔

اسی سلسلہ میں محمد اعظم صاحب کا فرمانا ہے کہ ایران کا مذہب شیعہ ہے اور وہاں کا قانون شیعہ عقائد پر مبنی ہے اس لئے پاکستان میں بھی حنفی قانون رائج ہونا چاہئے۔۔۔۔ اگر فاضل مضمون نگار نے جو ایران کے حالات کا ماہر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، یہ نہ سوچا کہ ایران

کی حکومت تلوار کے زور پر قائم ہوئی اور تلوار سے حکومت حاصل کرنے والے نے جو مناسب سمجھا وہ کیا۔

البتہ یہ آیۃ اللہ خمینی کی اسلام پسندی اور رواداری کا ثبوت ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے ہر فرقے کو ہر مسئلہ میں برابر کا اختیار دیا۔ کیا فاضل مضمون نگار نے کبھی اس پر بھی غور کیا کہ کابل کی حکومت نے کون سا قانون رائج کر رکھا ہے یا سعودی عرب میں کون سا قانون نافذ ہے؟

پھر فاضل مضمون نگار نے پاکستان کے قیام کے علل و اسباب اور اس تحریک کے شرکاء کے مذہبی عقائد کے متعلق غور نہیں فرمایا۔۔۔۔؟ پاکستان کی تحریک کے قائد جناب قاید اعظم ایک شیعہ فرد تھے۔ اس کے خزانچی راجہ امیر احمد خان زبردست شیعہ تھے۔ اسی طرح ان گنت شیعہ اس تحریک میں شریک کار تھے۔ یہ ملک سنی شیعہ کی متفقہ کوششوں سے معرض وجود میں آیا اور جب بھی اس پر کوئی وقت پڑا تو اس تحریک کے شرکاء کار اس کی نشوونما اور تکمیل میں بھی برابر کے شریک رہتے ہیں اور رکھے جاتے ہیں۔ یہ پاکستان شیعہ اور سنی شہداء کی میراث ہے اس کو کوئی ایک فرقہ اپنی جاگیر نہیں بنا سکتا۔

فاضل مضمون نگار نے دوسرا اعتراض ''فقہ جعفریہ'' پر کیا ہے۔ یہ فاضل مضمون نگار کی تاریخ اسلام سے دانستہ یا نادانستہ چشم پوشی کا نتیجہ ہے۔ فاضل مضمون نگار فقیہ، مجتہد اور امام کے فرائض اور اختیارات پر غور نہیں کر سکے۔ فقیہ کا فتویٰ حالات کے تحت بدل سکتا ہے۔ نبی یا امام کا حکم ناقابل تنسیخ و تبدیل ہوتا ہے۔

کیا آپ کو یہ معلوم نہیں کہ نبی آخر زمانؐ نے دو سطر بھی فقہ کی لکھ کر نہیں چھوڑیں، پھر یہ کہنا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے دو سطر بھی فقہ پر نہیں لکھیں، تعجب خیز ہے۔۔۔۔!!! رسول اکرمؐ کے زمانے میں یہ ہوتا تھا کہ جو کچھ وہ ارشاد فرماتے تھے صحابہ کرامؓ یا تو حفظ کر لیتے تھے یا لکھ لیتے تھے۔ یہی طریق کار ائمہؑ کے زمانے میں بھی رائج رہا۔ ان کے صحابی یا حفظ کر لیتے تھے یا لکھ لیتے تھے۔ مثلاً نہج البلاغہ کو خود حضرت علی علیہ السلام نے تحریر نہیں کیا۔ آپ کے ارشادات متفرق طور پر لکھے گئے پھر سید رضی شریف نے ایک جگہ جمع کر کے اس کا نام نہج البلاغہ رکھا۔ اسی طرح حضرت امام زین العابدینؑ کی دعائیں اور دیگر ائمہ کی دعائیں اور ارشادات دوسروں ہی نے لکھے ہیں۔

تدوین کی یہ صورت پہلی صدی ہجری ہی سے رائج ہے۔ البتہ حکومت وقت کی

مخالفت اور دشمنی کی بنا پر زیادہ کھل کر تبلیغ نہیں ہو سکی۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا زمانہ وہ تھا کہ جب بنی امیہ کا زوال ہو کر بنی عباس کی حکومت مضبوط ہو رہی تھی، اس وقفہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام زیادہ آزادی کے ساتھ تبلیغ مذہب حق ادا کر سکے اور اسی لئے مذہب شیعہ کو ان سے نسبت دے کر مذہب جعفری کہہ دیتے ہیں۔

فاضل مضمون نگار نے ذرا دبے دبے لفظوں میں فقہ جعفری کے ماننے والوں کو خارج از اسلام قرار دینے کی جسارت کی ہے۔۔۔۔!!! وہ نوٹ کر لیں کہ ایسی کوششیں ان سے پہلے بھی قوت و جبروت کی مالک حکومتیں کر چکی ہیں۔ وہ خود ختم ہو گئیں لیکن یہ مذہب حق قائم ہے۔ آج مصر کی الازہر یونیورسٹی نے فقہ امامیہ کو پانچویں فقہ کی حیثیت سے اپنے یہاں رائج کر رکھا ہے۔

محمد اعظم طارق صاحب اور ان ایسے خیالات رکھنے والے حضرات اس پر غور فرمائیں کہ عالم اسلام بڑے نازک دور سے گزر رہا ہے۔ عیسائی اور یہودی ہماری حماقتوں سے فائدہ اٹھا کر عالم اسلام کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ بھارت میں مسلمان ظلم و بربریت کا شکار ہیں۔ کشمیر میں ان پر قیامت توڑی جا رہی ہے۔ افغانستان کا مسئلہ ہنوز تصفیہ طلب ہے۔ خلیج کے مسلم ممالک ایک آتش فشاں کے دہانے پر کھڑے ہیں۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ ہم فرقہ وارانہ مسائل کو ہوا دے کر پاکستان کو مزید مشکلات میں نہ ڈالیں۔ موجودہ حالات میں ایران کے خلاف معاندانہ بیان بازی آپ کے ایک مخلص دوست کو بدظن کر سکتی ہے۔ ان مخالفانہ بیانات سے ایران کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ البتہ پاکستان کے حق میں یہ ضرور مہلک ثابت ہو سکتے ہیں۔

آخری گزارش یہ ہے کہ شیعہ یہ نہیں کہتے کہ سنی ان کے عقائد پر عمل پیرا ہوں۔۔۔۔۔ آپ شیعوں سے ان کے اپنے عقائد پر عمل پیرا ہونے کے حق کو نہ چھینیں۔ شیعہ اور سنی ایک قوم ہیں۔ اقلیت اور اکثریت کا قانون ان پر وارد نہیں ہوتا۔ اقلیت اور اکثریت کا قانون وہاں لاگو ہوتا ہے جہاں دو مختلف قومیں موجود ہوں۔

از: مولانا شبیہ الحسنین محمدی

انکارِ بیعتِ یزید۔۔۔۔۔

امام حسین علیہ السلام کی اپنی خاندانی روایت کا آئینہ ہے

ادیان و مذاہب کی تاریخ کا مطالعہ اور مشاہدہ گواہ ہے کہ خداوند عالم کے فرستادہ افراد کسی ایسے شخص کی اطاعت نہیں کرتے جو خدا کا نمائندہ نہ ہو۔ حضرت شیث سے لے کر امام مہدی علیہ السلام تک تاریخی ریکارڈ کی شہادت کی روشنی میں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ان فرستادگانِ خدا نے کسی حاکم، بادشاہ، سردار یا صاحب اقتدار کی اطاعت نہیں کی۔

اکثر و بیشتر انبیاء اور اوصیاء کے زمانے میں حکومت اور اقتدار دوسروں کے ہاتھ میں رہا ہے اور خدا کے نمائندوں نے کبھی بھی ان صاحبان اقتدار میں سے کسی کے سامنے گردن اطاعت نہیں جھکائی تاہم خداوند عالم کے فرستادہ افراد اپنے زمانہ کے صاحبانِ اقتدار حکومت کی رہنمائی اور ہدایت کا فریضہ انجام دیتے رہے ہیں اور یہ ان کا منصبی فریضہ تھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو کیا کرتے۔ اس لئے کہ عدم تعاون کی شکل میں جو گمراہی پھیلتی اس کے ذمے دار فرستادگان خدا قرار پا جاتے۔ اسی رہنمائی، ہدایت اور تعاون کے پیش نظر بعض عقل سے عاری اور فہم سے بے بہرہ لوگوں نے خدائی نمائندوں کو صاحبان اقتدار کا مطیع، فرمانبردار اور بیعت کنندہ قرار دے لیا۔

پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ابتدائی دور میں اگرچہ کوئی منظم حکومت عرب میں موجود نہیں تھی لیکن سرداری نظام اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ رائج تھا اور پیغمبر اسلام نے اپنے دور کے کسی صاحب اقتدار کی اطاعت نہیں کی بلکہ حسب ضرورت تعاون، مدد اور رہنمائی فرماتے رہے۔ اس تعاون اور رہنمائی کا نام اطاعت اور فرمانبرداری رکھ لیا جائے تو ایسے لوگوں کی عقلوں پر ماتم کرنے کے علاوہ کیا کیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ رسول اکرم کے اس قسم کے اقدامات ان کے فرائض رسالت کے اجزاء تھے ان کی ذمہ داری تھی کہ ہر ضروری مرحلہ پر مشرکوں اور اپنے مخالفوں کے تعاون دیں اور اُن کو غلطیوں کے ارتکاب سے روکنے کی کوشش کریں۔ پیغمبر اسلام کی تاریخ سے کوئی معمولی سا واقعہ بھی نہیں دکھایا جا سکتا کہ آپ نے اپنے دور کے اہل اقتدار کے سامنے سر اطاعت جھکایا ہو یا کسی امر میں کسی کی پیروی کی ہو۔

آیاتِ قرآنی اور احادیثِ پیغمبر کی روشنی میں حضرت علیؑ سے امام مہدی آخرالزمانؑ تک بارہ افراد خدا کے نمائندے اور رسول اسلام کے خدا کی طرف سے مقرر کردہ نائب تھے اس لئے ان میں سے کسی کے لئے بھی ممکن نہ تھا کہ وہ اپنے زمانے کے صاحبانِ اقتدار و حکومت کی اطاعت اور بیعت کرتے، امام زین العابدینؑ سے امام زمانہ تک یعنی نو (۹) خلفاء الرحمن کے متعلق تاریخ میں کسی صاحب اقتدار کی بیعت واطاعت کا تذکرہ موجود نہیں ہے۔

حضرت علیؑ اور امام حسنؑ کے متعلق بعض کتابوں میں لکھا گیا ہے کہ ان بزرگواروں نے اپنے زمانہ کے صاحبانِ اقتدار و حکومت کی بیعت واطاعت کر لی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ افسانہ بیعت تقریباً تیسری صدی ہجری کی تراش خراش کا نتیجہ ہے۔ اس سے پہلے کسی کے دل و دماغ میں یہ تصور موجود نہیں تھا کچھ لوگوں نے اپنے عقائد و تصورات کی حقیقت و حقانیت کے ثبوت کے لئے اس ایجاد بندہ کا فریضہ انجام دیا۔

جہاں تک حضرت علیؑ کا تعلق ہے تو اگر آپ نے کسی کی بیعت کی ہوتی تو آپ تیسرے مرحلہ میں بآسانی حکومت حاصل کر سکتے تھے۔ چھ آدمیوں پر مشتمل مجلس شوریٰ کے سربراہ نے اعطاء حکومت کے لئے جو فارمولا مرتب کیا تھا اس میں ایک شق بھی موجود تھی کہ قرآن وسنت پیغمبر کے ساتھ ہونے والے حاکم کو سیرت شیخین کا اتباع بھی کرنا پڑے گا۔ جناب امیر علیہ السلام نے واضح طور پر سیرت شیخین کے اتباع سے انکار کر دیا اور حکومت سے محرومی قبول اور گوارا کر لی۔ یہ ثابت اور ظاہر ہے کہ مجلس شوریٰ کے تمام ممبر حضرت علی علیہ السلام کی زندگی کے شب و روز سے اچھی طرح واقف تھے۔

اگر حضرت علیؑ نے اپنے زمانہ کے اقتدار اعلیٰ کی بیعت یا اطاعت کی ہوتی تو مجلس شوریٰ کے تمام ممبر یا بعض ہی سہی ضرور کہتے کہ آپ تو سابقہ حکام کی بیعت واطاعت کر چکے ہیں آج ان کی سیرت کے اتباع سے انکار کا کوئی مفہوم نہیں ہے۔ لیکن ان لوگوں میں سے کسی نے بھی کسی طرح کا احتجاج نہیں کیا اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ حضرت علیؑ نے درست اور حق بیان فرمایا ہے اور اسی لئے حکومت ایسے بزرگ کو دے دی گئی جو سابق حکام کی بیعت واطاعت کر چکے تھے اور آئندہ کے لئے بھی کوئی عذر نہ تھا۔

اگر حضرت علیؑ نے صاحبانِ اقتدار کی کسی مرحلہ میں بھی اطاعت اور بیعت کی ہوتی تو مجلس شوریٰ کے ممبروں کے علاوہ اور ہزاروں افراد موجود تھے۔ ان میں سے کوئی بھی تو کہتا کہ آپ نے سیرت شیخین کے اتباع کا انکار کر کے حکومت کو لاوجہ ہی ٹھکرا یا آپ تو اس اور اس

مرحلہ پر بیعت کر چکے تھے اور اگر مدینہ کے باشندوں میں سے کسی کو واقعہ بیعت یاد نہ رہا تھا یا یاد دلانا مناسب نہ سمجھا تھا تو حضرت معاویہ جو شام میں بر سر اقتدار تھے اور جو اپنی تحریروں اور تقریروں میں حضرت علیؓ کے خلاف طعن وطنز اپنا خاندانی فریضہ سمجھتے تھے، موصوف نے کسی مرحلہ پر حضرت علی کی بیعت اور اطاعت کے متعلق کبھی کوئی اشارہ تک نہیں کیا۔

حالانکہ اگر یہ واقعہ ہوتا تو حضرت معاویہ کے نچلے بیٹھنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ امام حسنؑ نے ۴۱ھ میں حضرت معاویہ سے صلح فرمائی اس صلح کا نام اگر کوئی صاحب بیعت واطاعت رکھ لیں تو ظاہر ہے کہ ایسے شخص کے دماغ کا کسی کے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔ حضرت معاویہ نے بھی یہ کبھی نہیں کہا کہ امام حسنؑ نے میری بیعت کر لی ہے ۔ سن ۶۰ھ رجب میں جناب معاویہ نے انتقال کیا اور مرنے سے پہلے اپنے لاڈلے بیٹے یزید کو حاکم نامزد کر دیا اور کرا دیا۔ یزید نے تخت حکومت پر بیٹھتے ہی اپنے مدینہ کے گورنر ولید بن عقبہ بن ابوسفیان کو لکھا کہ امام حسین وغیرہ سے فوراً بیعت لے لو اگر بیعت نہ کریں تو انہیں قتل کر کے ان کے سر ہمارے پاس بھیجو۔ امام حسینؑ کے علاوہ بیعت یزید سے دیگر اعراض کرنے والوں نے کیا کیا اور کیا ہوا۔ ہمارے دائرہ گفتگو سے خارج ہے۔ امام حسینؑ نے بڑے سادہ اور فطری انداز میں فرمایا:

"وَمِثْلِی لَا یُبَایِعُ مِثْلَهُ" (جلاء العیون ص ۳۳۹)

مجھ ایسا۔۔۔ اُس ایسے کی۔۔۔۔ بیعت کیا ہی نہیں کرتا۔

آپ نے مزید فرمایا کہ یہ باتیں کونے گوشہ کی نہیں ہوا کرتیں، کل مجمع عام میں یہ بات کرنا تو جواب دیا جائے گا ولید نے کہا بہتر ہے جائیے، تشریف لے جائیے۔ امام حسینؑ واپسی کے لئے اٹھے تو اس مرحلہ پر مروان نے ولید سے کہا کہ حسین سے اسی وقت بیعت لے لو بیعت نہ کریں تو قتل کر دو۔ ورنہ پھر حسینؑ پر قابو نہ پایا جا سکے گا اور بڑی خونریزی ہوگی۔

امام حسینؑ نے مروان سے مخاطب ہو کر کہا "او۔۔۔ زانیہ اور کبود چشم عورت کے بیٹے! تم لوگوں کے لئے میرا قتل ممکن نہیں ہے"۔ یہ صورت واقعہ معمولی تغیر کے ساتھ تاریخ کی ہر کتاب میں موجود ہے۔

امام حسینؑ نے بیعت یزید سے انکار میں جو طرز گفتگو اپنایا ہے اور الفاظ اختیار کئے ہیں وہ ہر پردۂ خفا کو چاک کرنے کے لئے کافی ہیں۔ امام علیہ السلام نے کھلے لفظوں میں فرمایا کہ "مجھ ایسا تو یزید ایسے کی بیعت کیا ہی نہیں کرتا"۔ اب سوال یہ ہے کہ زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے حسین ایسے کون لوگ ہیں ظاہر ہے کہ امام حسینؑ بنص قرآن وحدیث معصوم تھے اس

لئے امام حسینؑ کی مثل اور مانند صرف اور صرف تین بزرگوار تھے۔ حضور پیغمبرؐ، جناب امیر المومنین علیہ السلام اور امام حسن علیہ السلام ان تین محترم ہستیوں کے علاوہ امام حسینؑ کی مثل اور کوئی نہ تھا اور لفظ "مثلی" سے امام حسینؑ یہی واضح فرما رہے تھے کہ حضرت پیغمبرؐ حضرت علیؑ اور امام حسنؑ نے کسی کی بیعت نہیں کی تھی تو میں کیسے کر سکتا ہوں۔ یہ واقعہ ۶۰ھ کا ہے، شہر مدینہ کا ہے۔

ولید اور مروان نے رسول کا زمانہ تھوڑا بہت اور حضرت علیؑ اور امام حسنؑ کا زمانہ پوری طرح دیکھا ہوا تھا اگر حضرت علیؑ یا امام حسنؑ نے کسی کی بیعت کی ہوتی تو ان دونوں کے لئے اس واقعہ کے بھولنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ یہ دونوں امام حسینؑ سے کہہ سکتے تھے کہ آپ بیعت سے انکار کیوں کرتے ہیں آپ کے باپ اور بھائی آپ ایسے تھے اور انہوں نے اجماعی اور شورائی حکام کی بیعت کر لی تھی۔ لیکن واقعاتی دلیل کا سہارا لینے کی بجائے تلواروں کی طرف دیکھنا اس حقیقت کی دلیل ہے کہ مروان اور ولید دونوں تصور بیعت علوی و حسنی سے ناآشنا تھے۔

مروان دوسرے دن یعنی ۲۸ رجب کو بازار میں امام حسینؑ سے ملا تھا کم از کم وہ اس وقت کہہ سکتا تھا کہ آپ کے خاندان میں اجماعی حکام کی بیعت و اطاعت کی روایت موجود ہے لیکن اس نے صرف یہی کہا کہ یزید کی بیعت کر لیجئے آپ کو بڑا فائدہ رہے گا۔ اگر مروان، ولید اور مدینہ کے دوسرے باشندے حیدری اور حسنی بیعت کا افسانہ بھول چکے تھے تو مکہ میں عبد اللہ ابن عمر سمیت بہت سے افراد امام حسینؑ سے ملے، کسی نے روایت بیعت کا حوالہ نہیں دیا، چلو وہ بھی بھول گئے تو عبید اللہ ابن زیاد اور عمر بن سعد (کمانڈر انچیف افواج یزیدی) اور دیگر کم از کم تیس ہزار یزیدی لشکریوں کو کیا ہو گیا تھا جو نیزہ و شمشیر اور گرز و بر آزما رہے تھے مگر کسی نے یہ سادہ سی بات نہ کہی کہ اپنے بھائی اور باپ کی طرح اجماعی حاکم کی بیعت کیوں نہیں کر لیتے اور اگر یہ کثیر فوج نیزہ و شمشیر کو کام میں لانے میں مصروف رہی اور اسے حیدری اور حسنی بیعت کا قصہ یاد نہیں آیا تو جب امام زین العابدین قیدی کی حیثیت سے دربار شام میں پیش ہوئے تو یزید اور اس کے ہزاروں مصاحب سید سجاد سے ہی کہتے کہ آپ کے باپ نے اپنے باپ اور بھائی کی طرح بیعت کیوں نہ کر لی مگر وہاں تو صرف یہ رجز خوانی تھی کہ دیکھا ہم نے کیسا بدر و احد وغیرہ کے مقتولوں کا بدلہ لے لیا۔ ان حقائق کے پیش نظر ہر باسواد کو یہ ماننا پڑتا ہے کہ جناب امیر اور امام حسنؑ کی بیعت کی کہانی ۶۱ھ تک تو گھڑی بھی نہیں گئی تھی جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے یہ افسانہ ڈھائی سو سال کے بعد تراشا گیا۔

بعض ہوشیار آدمیوں نے اس رائے کا اظہار بھی کیا ہے کہ یزید کے فسق و فجور کی وجہ سے امام حسینؑ نے بیعت نہیں کی تھی یعنی ان حضرات کا ارشاد یہ ہے کہ اگر یزید پرہیزگار اور نیک ہوتا تو امام حسینؑ بیعت کر لیتے حالانکہ امام حسینؑ معصوم ہونے کی وجہ سے غیر معصوم کی بیعت کر ہی نہیں سکتے تھے۔ جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے کہ کبھی کسی معصوم نے غیر معصوم کی بیعت نہیں کی۔

حقیقت یہ ہے کہ امام حسینؑ کا انکار بیعت اسی اصل دینی کا آئینہ ہے کہ کوئی الٰہی نمائندہ، اجماعی اور شورائی یا غیر الٰہی حاکم کی اطاعت و بیعت نہیں کر سکتا۔ امام حسینؑ کے انکار بیعت نے دو عظیم مقصدوں کی تکمیل کی۔ ماضی میں تو حضرت علیؑ اور حضرت امام حسنؑ کا دامن اطاعت غیر سے پاک و صاف ہو گیا اور مستقبل میں حکام کی جرأت بیعت طلبی سلب ہو گئی چنانچہ وہ یزید جس نے امام حسینؑ سے بیعت کا مطالبہ کیا تھا وہ جناب امام زین العابدینؑ اور جناب زینبؑ سے مطالبۂ بیعت نہ کر سکا اور اس کے بعد آنے والے حکام کو بھی کسی معصوم سے بیعت طلبی کی جرأت نہ ہوئی اور وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ خاندان رسالت کی روایت کے پیش نظر ہر مطالبۂ بیعت پر ایک کربلا بن جائے گی۔

بعض لوگوں نے سادہ دماغی اور سادہ دلی کی وجہ سے یہ رائے قائم کر لی ہے کہ اوصیائے رسول اسلام میں سے حضرت علیؑ اور امام حسنؑ نے حکام وقت کی بیعت کر لی تھی ایک تو یہ طویل اور عریض پروپیگنڈہ کی تاثیر ہے کہ صدہا برس حکومتوں کے وسائل اس مقصد کے حصول کے لئے کام میں لائے جاتے رہے۔

اس لئے کچھ سطح پرست دل و دماغ والے لوگ پروپیگنڈہ کا شکار ہو گئے۔ حالانکہ اگر ان میں غور و فکر کی صلاحیت ہوتی اور وہ ذرا سا بھی غور و فکر کرتے تو مکڑی کا جالا کسی مرحلہ پر بھی نہ ٹھہر سکتا تھا۔ دوسری اور شاید بنیادی وجہ یہ ہوئی کہ لوگوں نے لفظ بیعت کے معنی نہیں سمجھے۔ لفظ بیعت، بیع سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں خرید و فروخت اسی سے مبایعت بنا ہے۔ کسی بھی معاملہ میں چار چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ بیچنے والا، خریدنے والا، وہ شے اور وہ قیمت جو چیز کے بدلے میں دی جائے۔ بیعت میں بھی یہ چار فردیں یا اجزاء لازمی ہیں۔ بیعت کرنے والا، بیعت لینے والا، اعلان و اظہار اطاعت اور اس اطاعت کے جواب میں کوئی جزا اور اجر۔ قرآن کریم کا مطالعہ اس مرحلہ پر واضح رہنمائی کا وسیلہ ہو سکتا ہے۔ یہ آیت ملاحظہ فرمایئے: إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا

يَنْكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا (سورۂ فتح آیت ۱۰)

ترجمہ: یقیناً جو لوگ تیری بیعت کرتے ہیں ماسوائے اس کے نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کی بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ پس جس نے عہد کو توڑ دیا ماسوا اس کے نہیں کہ وہ اپنے نفس پر ہی توڑتا ہے اور جس نے اس چیز کے ساتھ وفا کی جس پر اس نے اللہ سے عہد کیا، پس وہ بھی عنقریب اسے بڑا اجر دے گا۔

اس مبارک آیت سے دوپہر کی سورج کی طرح واضح اور ہویدا ہے کہ کچھ بیعت کرنے والے ہیں اور اللہ کے نمائندہ کی حیثیت سے رسول اکرم بیعت لینے والے ہیں۔ بیعت ہے اس بات پر کہ رسول کی اطاعت کریں گے اور میدان جنگ سے نہیں بھاگیں گے اور اس اطاعت کے جواب میں اللہ ان کو اجر عظیم دے گا۔ تمام مفسرین نے لکھا ہے کہ اجر عظیم سے مراد جنت ہے۔ تو اس آیت کریمہ سے بھی واضح ہوا کہ بیعت وہاں ہو سکتی ہے جہاں بیعت گیرندہ بیعت کنندہ کو اجر دے سکتا ہو۔

اب یہ حقیقت بالکل ظاہر ہے کہ حضرت علیؑ، امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو غیر معصوم حکام اجر بیعت دینے کی پوزیشن میں نہیں تھے، بیعت کے بعد تو بیعت کنندہ کی جان وغیرہ بیعت گیرندہ (لینے والے) کے اختیار و تصرف میں آجاتی ہے۔ حضرت علیؑ، امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو ان کی جانوں اور مالوں کے جواب میں رسول اسلامؐ کے علاوہ کوئی بھی کچھ دینے کی صلاحیت و اہلیت نہیں رکھتا اس لئے کہ یہ کہنا کہ ان بزرگواروں نے کسی کی بیعت کر لی تھی عقل و دین کے خلاف ہے۔ مفردات راغب اصفہانی ص ۶۷، لباب التاویل جلد ۴، ص ۱۹۱، روح المعانی پارہ ۲۶ ص ۲۸، مجمع البحرین علامہ طریحی ص ۳۸۶ میں اس حقیقت کی وضاحت کی گئی ہے جس کو ہم نے سطور بالا میں سپرد قلم کیا ہے۔

یہ مسلم ہے کہ حکام وقت اپنی نجات کے لئے رسول، ان کے بھائی علیؑ اور ان کے فرزندوں کے محتاج تھے، جیسا کہ انہوں نے مختلف مواقع پر اس حقیقت کا اعتراف و اظہار کیا ہے اس لئے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ امام حسینؑ یا ان کے بزرگ علیہم السلام کسی کی بیعت کرتے، اگر بیعت کا امکان ہوتا تو کربلا کے ہولناک اور جانکاہ حادثہ کا وقوع نہ ہوتا۔ امام حسینؑ نے اپنے خانوادہ جلیل کی ہر گونہ تباہی اور بربادی منظور کر کے یہ حقیقت برافگندہ نقاب کر دی کہ کسی بھی معصوم کے لئے غیر معصوم کی بیعت ممکن نہیں ہے۔ امام حسینؑ آغوشِ رسول کے پروردہ افراد میں

سے آخری فرد تھے اور یہ ان کی ذمے داری تھی کہ حقائق دینیہ میں سے ہر حقیقت کو اس طرح بے حجاب اور نمایاں کردیں کہ کسی عقل والے کو کسی مرحلہ میں بھی حق و باطل میں التباس نہ ہو۔ اب رہ گئی حضرت علیؑ اور امام حسنؑ کی خاموشی اور ۶۰ھ تک خود امام حسینؑ کا سکوت تو اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ نہ تو ان بزرگوں کو کسی نے چیلنج کیا اور نہ ان کو اٹھنے اور کسی اقدام کی ضرورت پیش آئی۔ اگر ان ادوار میں بھی کسی بزرگوار کو چیلنج کیا جاتا تو مثل کربلا کوئی حادثہ ضرور ہو گزرتا۔

امام حسینؑ کو چیلنج کیا گیا اور انہوں نے ہر مشکل اور مصیبت کو بخندہ پیشانی قبول کر کے اپنے فرائض کو انجام دیا۔ یہ واقعہ بھی یادآوری کے قابل ہے کہ مکہ مکرمہ میں عبداللہ ابن زبیر، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن جعفر وغیرہ نے امام حسینؑ کو یہ مشورہ تو دیا کہ کوفہ کا سفر نہ کیجئے مگر یہ رائے کسی نے نہ دی کہ یزید کی بیعت کر لیجئے۔ کربلا کے راستے اور میدان کربلا میں بھی حسینؑ کے کسی ساتھی نے خواہ وہ عورت ہو یا مرد یہ مشورہ نہیں دیا کہ یزید کی بیعت کر لیجئے اس لئے کہ یہ تمام حضرات اور سارا زمانہ جانتا تھا کہ غیر معصوم کی بیعت اس خاندان کی روایت سے خارج ہے غرضیکہ امام حسینؑ کے انکار بیعت اور اس سے متعلقہ اقدامات نے ثابت کر دیا کہ کسی بھی معصوم کی بیعت ایک خیالی اور مصنوعی افسانہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ امام مظلوم کا اپنے اور اپنے خاندان اور اپنے احباب کے لہو سے روشن کیا ہوا چراغ پروپیگنڈہ کی مصنوعی آندھیوں سے قیامت تک نہیں بجھایا جاسکتا۔ آخر کلام میں قرآن کریم کی زیر نظر آیت خصوصی توجہ اور تدبر کے لئے پیش کی جاتی ہے: وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ۔ (سورہ مومنون آیت ۷۱)

ترجمہ: اور اگر حق لوگوں کی خواہشات کی پیروی کرنے لگے تو انسانی معاشرہ تو کیا نظم کائنات بھی زائل و باطل ہو جائے گا۔

یہ حقیقت مسلّم ہے کہ رسول اسلام کی طرح حضرت علیؑ، امام حسنؑ، اور امام حسینؑ بھی پیکر حق ہیں، ان کے لئے کسی کی پیروی، اطاعت اور بیعت ممکن ہی نہیں ہے۔ بیشک انہوں نے ضرورت کے وقت دوست دشمن سب کی مدد اور رہنمائی فرمائی ہے اور جیسا کہ عرض کیا گیا یہ ان کا منصبی فرض تھا اس اعانت، مدد اور رہنمائی کو بیعت کہنا عقل سے استغفی ہی کہا جاسکتا ہے۔

شیعہ۔۔۔ایم۔آر۔ڈی کے ساتھ نہیں!

مجلس عمل شیعہ علمائے پاکستان کے سیکریٹری جنرل، علامہ شبیہ الحسنین محمدی سے انٹرویو

(خوشنود علی خان)

مفتی جعفر حسین نے شیعوں کو ایم۔آر۔ڈی کی جھولی میں ڈالنے کا اعلان کر کے اپنی جماعت کے دستور سے انحراف کیا ہے۔ ملت جعفریہ کے لوگ کوئی ایسی گیند نہیں کہ ان کو جدھر چاہے اُچھال دیا جائے۔ مفتی جعفر حسین تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے راہنما ہیں، جو خالصتاً مذہبی جماعت ہے۔ اس کے دستور اساسی میں سیاست کا تذکرہ موجود نہیں۔ ملت جعفریہ کے لوگ سیاسی بصیرت رکھتے ہیں، اور وہ کسی ایسی سیاسی تحریک کا ساتھ نہیں دے سکتے جس میں تشکیل پاکستان کے مخالف پیش پیش ہوں۔

یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ ایم۔آر۔ڈی میں ایسی جماعتیں شامل ہیں جن کے لیڈر ابھی تک پاکستان کے تصور کو دل سے تسلیم نہیں کرتے اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے پاکستان کی تاریخ کو مسخ کرنے کی غرض سے ۱۴ اگست کو ہنگامہ آرائی کا پروگرام بنا رکھا ہے۔ میرے نزدیک تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کا کوئی عقلی جواز نہیں ہے۔ اس لئے کہ قائد اعظم کی سربراہی میں مسلم لیگ نے پاکستان کو ایک مسلم ریاست کی حیثیت سے تشکیل دیا تھا اور اس کی اس حیثیت کو تبدیل نہیں ہونا چاہئے۔ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کا ایک جواز تب ہو سکتا ہے کہ ملک میں تحریک نفاذ فقہ حنفیہ وغیرہ موجود ہوتیں۔ اس قسم کی کوئی تحریک پہلے سے موجود نہ تھی تمام قسم کی فرقہ وارانہ جماعتوں نے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے بعد ہی جنم لیا۔

جہاں تک زکوٰۃ کا تعلق ہے، شیعہ علماء کے نزدیک نوٹ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے اور یہ بات قوتِ مقتدرہ (حکومت) کو بتا دی گئی تھی۔ اس لئے حکومت نے زکوٰۃ آرڈی نینس میں یہ دفعہ رکھ دی کہ جو لوگ اس کٹوتی کی زکوٰۃ نہیں سمجھتے، وہ امت مسلمہ کے غرباء کی مدد کے لئے یہ رقم بطور چندہ دیں۔ چنانچہ شیعوں کی ایک کثیر تعداد یہ رقم کٹواتی ہے۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو استثناء کے لئے فارم داخل کرتے ہیں۔ چندہ چونکہ غرباء کی مدد کے لئے ایک عطیہ ہے، اس لئے فقہی بحث کا موضوع نہیں بن سکتا۔

جہاں تک عُشر کا تعلق ہے، تمام مسلمانوں کے نزدیک زمینی پیداوار پر دسواں حصہ یا

بیسواں حصہ جو زکوۃ پر عائد ہوتا ہے۔اس کو عربی میں عشر یا نصف عشر کہتے ہیں۔شیعوں کے نزدیک گیہوں، جو، کھجور، مویز اور کشمش پر زکوۃ واجب ہے۔جس کی تعداد دسواں اور بیسواں حصہ یعنی عشر اور نصف عشر ہے۔اگر کوئی غلے کی زکوۃ کو عشر یا نصف عشر سے تعبیر کرتا ہے تو اس کے ذہنی پس منظر میں زکوۃ کی مقدار بھی ہوتی ہے۔زکوۃ کے تعلق میں جناب مفتی جعفر حسین صاحب سے یہ بھی سہو ہوا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: زکوۃ سادات کو نہیں دی جاسکتی۔اس میں یہ بات تو درست ہے کہ غیر سادات کی زکوۃ سادات کو نہیں دی جاسکتی۔لیکن اگر ضرورت ہو تو سادات کی زکوۃ سادات کو دی جاسکتی ہے اور اس پر ہمارے فقہاء کا اتفاق ہے۔۔۔رہا اہل سنت اور شیعوں میں اختلاف کا مسئلہ۔۔۔تو میرے نزدیک وہ ۵ فیصد سے زیادہ نہیں۔۔۔افسوس ہے کہ ہم ۹۵ فیصد اتحاد و اتفاق کو پانچ فیصد اختلافی مسائل کے حوالے سے نظر انداز کردیتے ہیں۔جناب آیۃ اللہ روح اللہ خمینی نے تو واضح طور پر اعلان کیا ہے کہ ہمیں سنی اور شیعہ کے چکر سے نکل کر اسلام کے دامن سے تمسک کرنا چاہئے۔اس لئے کہ اسلام رہے گا تو شیعہ اور سنی رہیں گے۔اسلام نہیں ہوگا تو کچھ نہیں ہوگا۔

میں حیران ہوں کہ آیت اللہ روح اللہ خمینی کا نام لینے والے ان کے نظریات سے الرجک کیوں ہیں؟ یہ ایک حقیقت ہے کہ سنی اور شیعہ ۱۴۰۰ سال سے اپنے معمولی اختلافات کے باوجود مل جل کر زندگی گزار رہے ہیں اور مستقبل میں انہیں اپنے اپنے عقائد اور اعمال پر عمل کرتے ہوئے اتحاد و فضا کو تقدار و انتشار کے حوالے نہیں کرنا چاہئے۔حکومت کے عام اداروں میں نمائندگی ایک غیر معقول خواہش ہے۔اس لئے کہ پاکستان میں حکومت کا مذہب اسلام اور عدل ہے۔۔۔!! جو عدل کرے وہی اچھا حاکم ہے۔ہمیں فرقوں کے پیمانے سے حکومت کو نہیں ناپنا چاہئے جہاں تک ایسے اداروں کا تعلق ہے، جن میں فرقہ وارانہ نمائندگی فطری ہے جیسے اسلامی کونسل، ادارۂ تحقیقات اسلامی، شریعت کورٹس، ادارۂ ثقافت اسلامی، ان سب میں اہل تشیع کو شامل کیا جانا چاہئے۔ان کو نظر انداز کرنے کے نتیجے میں مایوسی پیدا ہوگی اور مایوسی صرف انتشار کو جنم دے سکتی ہے اس حد تک مفتی صاحب کا موقف درست ہے۔

جہاں تک دینیات کی تدریس کا تعلق ہے۔۔۔!! ظاہر ہے ہر فرد اپنے اپنے مدارس میں اپنے اپنے نقطۂ نظر سے اسے پڑھاتا ہے۔اس لئے میری رائے یہ تھی کہ حکومتی مدارس میں دینیات کو رائج ہی نہ کیا جائے، اور جس طرح انگریز کے دور میں یا سکھوں کے دور میں اور بنی عباس کے دور میں ہر فرقہ اپنی اپنی تعلیم اپنے اپنے مدارس میں دیتا رہا ہے۔پاکستان میں بھی

اسی روایت کی پیروی کی جائے لیکن متعلقہ وزیر نے اس کے جواب میں کہا کہ ملک کی آبادی کی عظیم اکثریت حکومتی مدارس میں دینیات کی تدریس چاہتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب حکومتی مدارس میں دینیات کی تدریس ہوگی تو دونوں بڑے فرقوں کے نقطہ نظر کے مطابق تعلیم و تدریس دینیات کا فریضہ سرانجام دیا جائے گا۔ اس طرز تدریس سے انتشار پیدا نہیں ہوتا۔

مفتی جعفر کا دعویٰ کہ پوری ملت جعفریہ ان کے ساتھ ہے۔ درست نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ غالب اکثریت ان کی رائے اور طریق کار سے اختلاف رکھتی ہے۔

"آغاز" ۲۴ فروری ۱۹۸۷ء

از: مولانا شبیہ الحسنین محمدی

مسلم لیگ اور قائد اعظم کا

حقیقی کارنامہ

تشکیل پاکستان کے سلسلے میں کچھ امور اور حقائق ایسے ہیں، جن کو یاد رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ تاکہ بعض فنکاروں کی رُوباہ بازیوں سے اور فریب کاریوں کے نقصانات سے بچا جاسکے۔

ان قابل تذکرہ امور میں سے ایک یہ امر اپنی اہمیت کے پیش نظر پاکستان کے بہی خواہوں اور مسلم لیگ کے کارکنوں کو اپنی نظر میں رکھنا چاہیئے کہ پاکستان کے قیام اور تشکیل کی ہرگونہ مساعی میں صرف اور صرف برصغیر ہند کے ان مسلمانوں نے حصہ لیا تھا جو قائد اعظم محمد علی جناح ؒ کی مدبرانہ اور مخلصانہ رہنمائی میں مسلم لیگ کے سبز ہلالی پرچم کے سائے میں جمع ہو گئے تھے، مسلم لیگ کے جھنڈا برداروں کے علاوہ باقی مسلمان کانگریس یا دوسری جماعتوں کے نام سے یا جماعت کے بغیر کسی عام نقاب کا سہارا لے کر پاکستان کے قیام کے خلاف اپنی توانائیاں صرف کر رہے تھے۔ اچھا یہ ہے کہ مخالفین پاکستان کو پہچاننے کے لئے ان جماعتوں کے نام دہرا لئے جائیں جن میں شامل ہو کر وہ متحدہ ہندوستان چاہتے تھے اور قیام پاکستان کی امکانی مخالفت کر رہے تھے:

۱۔ آل انڈیا نیشنل کانگریس کمیٹی۔

۲۔ جماعت اسلامی۔

۳۔ جمعیت علمائے ہند۔

۴۔ آل انڈیا انصار کانفرنس۔

۵۔ آل انڈیا احرار کانفرنس۔

۶۔ آل انڈیا شیعہ پولیٹیکل کانفرنس۔

۷۔ آل انڈیا مسلم مجلس۔

۸۔ خاکسار تحریک۔
۹۔ نیشنلسٹ مسلمان۔
۱۰۔ خدائی خدمت گار اور اُن کا رضا کار دستہ ”سُرخ پوش“
۱۱۔ یونینسٹ پارٹی۔
۱۲۔ سندھ کا سید گروپ۔

یہ مختلف جماعتیں اپنے اپنے پلیٹ فارم سے تشکیل پاکستان کی مخالفت قیام پاکستان تک کرتی رہیں، ان میں سے زیادہ تر جماعتوں کے مرکزی دفاتر ان صوبوں میں تھے جو انڈین یونین میں شامل ہوئے۔ کچھ جماعتیں ایسی تھیں جن کے دفاتر پاکستان میں شامل ہونے والے صوبوں میں تھے۔ مثلاً احرار کانفرنس، یونینسٹ پارٹی، جماعت اسلامی، خدائی خدمت گار، سید گروپ اور آل انڈیا نیشنل کانگریس کمیٹی کی صوبائی شاخیں جہاں تک کانگریس کا تعلق ہے اس کا وجود پاکستان میں دم توڑ گیا۔ لیکن قیام پاکستان کے بعد کچھ کانگریس کے ہمنواؤں نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی اور کچھ لوگ پاکستان کے خلاف غیر موثر قسم کی ہرزہ سرائی کرتے رہے جو آخر کار ختم ہو گئی۔ یونینسٹ پارٹی خضر وزارت کے ساتھ موت کے گھاٹ اتر گئی۔ احرار کانفرنس کے اکثر کارکنوں نے پاکستان کے جھنڈے کو سلام کر لیا اور اس کی کچھ خدمت کرتے رہے، لیکن بعض حضرات اپنی شکست کے زخم کو کسی نہ کسی شکل میں آج تک چاٹ رہے ہیں۔

خدائی خدمت گار اور سُرخ پوشوں میں سے بھی بعض حضرات نے پاکستان کو قبول کر لیا، لیکن ان کا لیڈر اور ان کے ساتھ اچھی خاصی تعداد اس وقت تک پاکستان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور وہ پاکستان کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ جمعیت علمائے ہند کا پاکستانی نام ”جمعیت علمائے اسلام“ ہو گیا، تاہم مولانا مفتی محمود مرحوم اور ان کے ساتھیوں نے اپنی غلطی کا علی الاعلان اعتراف کرتے ہوئے پاکستان کی خدمت پر کمر باندھی۔ لیکن دوسرے حضرات پاکستان کے خلاف آج تک مورچہ سنبھالے ہوئے ہیں اور یہ ”جمعیت علمائے اسلام درخواستی گروپ“ کے نام سے اپنے فرائضِ دشمنی انجام دیتے رہتے ہیں۔ جماعت اسلامی نے پاکستان سے اختلاف کا جو منصب سنبھالا تھا، آج تک پورے خلوص کے ساتھ اس پر عامل ہے۔ صرف طریق کار میں مناسب تبدیلیاں کر لی گئی ہیں۔ خاکسار تحریک اپنی انفرادیت کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔ لیکن ہمارے علم میں خاکساروں کو کوئی ایسا اقدام نہیں ہے جو پاکستان کو نقصان پہنچا سکتا ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ قائد اعظم اور مسلم لیگ کا حقیقی کارنامہ تشکیل پاکستان نہیں۔۔۔۔۔! حقیقی کارنامہ یہ ہے کہ قائد اعظم کی قیادت میں مسلم لیگ نے ہندوستان کے مسلمانوں کو یہ یاد دلایا کہ وہ ایک الگ مستقل بالذات قوم ہیں۔ متحدہ قومیت کے سمندر میں گر کر ان کا وجود ہی ختم ہو جائے گا۔ تعجب ہے کہ جمیعت علمائے ہند کے تمام علماء، جو تقریباً ۹۹ فی صد "دیوبندی" تھے، متحدہ قومیت کا راگ الاپ رہے تھے، حتیٰ کہ مولانا حسین احمد مدنیؒ کے متعلق علامہ اقبال مرحوم کو کہنا پڑا

سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقام محمد عربی ست!

کیا قیامت ہے کہ مسلمان اور غیر مسلم حضرات کا مرنا جینا الگ، کھانا پینا الگ، شادی بیاہ کے طریقے الگ، پیدائش وموت کی رسمیں الگ، ان کے ہیروز الگ، تاریخ الگ، عبادت خانے الگ اور عبادت کے طریقے الگ، غرض کہ پہلی سانس سے آخری سانس تک ہر بات الگ ہر ادا الگ، بایں ہمہ علماء کرام کی نظر میں ہندو اور مسلمان ایک قوم، صرف وطن کے ناطے سے۔۔۔

دلم بسوخت کہ زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست!

ان بزرگواروں کو اتنا بھی یاد نہ رہا کہ حضور محمد الرسول اللہ ﷺ اور ابوجہل، ابولہب اور ابوسفیان کا وطن ایک تھا، رسول اللہ ﷺ نے کفرزار مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کیوں کی؟ قرآن کریم کی آواز میں یہ پیغام کیوں دیا؟ ترجمہ: مسلمانو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں سے یارانے مت گانٹھو! بہر حال ان علمائے کرام نے قیام پاکستان میں ہر رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن قائد اعظم اور ان کے ساتھیوں کی آواز مسلمانوں کے دل کی آواز تھی اور قطعاً برحق تھی۔ مسلمان ایک مستقل بالذات قوم ہے۔ اس لئے ان کو ایک خطۂ ارض ملنا چاہیئے جس میں وہ اپنے دینی نقطۂ نظر کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ عام مسلمانوں نے مسلم لیگ کی آواز پر لبیک کہا، اور علمائے کرام شکست فاش سے دوچار ہوئے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ قائد اعظم اور مسلم لیگ کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ اس نے مسلم قومیت کے احساس کو زندہ کیا اور اس کے ردّ عمل کے طور پر پاکستان وجود میں آ گیا۔ اس طرح پاکستان قائد اعظم اور مسلم لیگ کی دوسرے درجہ کی خدمت ہے۔ ہندوستان کے علمائے کرام نے متحدہ قومیت کی حمایت کیوں کی تھی؟ کیا انہوں نے قرآن کریم، اس کی تفاسیر اور ذخیرۂ احادیث کا مطالعہ ہی نہیں کیا تھا۔ یہ قابل قبول

بات نہیں، اس لئے کہ ان میں سے بہت سے شیخ القرآن اور شیخ الحدیث کہلاتے تھے۔ اصل حقیقت تو خدا جانتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے یہ سب کچھ کانگریسی سرمائے کی چکا چوند تھی جس نے آفتاب سے زیادہ روشن حقیقت کو علمائے کرام نے آنکھوں سے مکمل طور پر چھپا دیا۔ متحدہ قومیت کا جادو ان علمائے کرام کے سہارے اس حد تک تو کچھ مسلمانوں پر اثر انداز ہو چکا تھا کہ لوگ اسلامی نام چھوڑ چھوڑ کے اپنے تئیں گاندھی کہلوانا موجب فخر سمجھنے لگے۔ سرحدی گاندھی تو اب تک بقید حیات ہیں۔ ان کو دیکھ کر متحدہ قومیت کے جادو کی تاثیر محسوس کی جاسکتی ہے۔ ناموں کی تبدیلی کے ساتھ مسلمانوں کے لباس میں بھی تبدیلی کی تدبیریں شروع کر دی گئی تھیں۔

گاندھی ٹوپی ہر کانگریسی مسلمان کے سر پر نظر آنے لگی تھی۔ گاندھی ٹوپی کی ایجاد سے پہلے مسلمان حامد کیپ، ترکی ٹوپی، ایرانی ٹوپی، واجد علی شاہی ٹوپی اور پگڑی جو عمامہ کی ایک شکل ہے۔ بہر حال سر ڈھانپنے کی ان اشیاء میں سابقے کی حیثیت سے یا کسی مسلمان کا نام آتا تھا یا کسی مسلمان ملک یا قوم کا۔ گاندھی ٹوپی کے مسلمانوں کے سر پر آجانے کے بعد اسلامی ممالک اور شخصیتوں سے مسلمانوں کا رابطہ ختم ہوا اور گاندھی جی سے تعلق استوار ہوا۔ نماز میں سر پر گاندھی جی محافل میلاد و مجالس میں سر پر گاندھی جی، ہاٹ میں، بازار میں گاندھی جی، سفر میں، حضر میں گاندھی جی۔ غرض کہ سوتے جاگتے ہر وقت گاندھی جی ! ظاہر ہے اس صورت حال میں کفر سے محبت کی پینگیں نہ بڑھتیں تو کیا ہوتا۔ غرض کہ کانگریسی مسلمانوں کے سر پر گاندھی چڑھ بیٹھے۔ کانگریس کے شاطروں نے جواہر کٹ واسکٹ ایجاد کر دی تا کہ مسلمان کے سر پر گاندھی جی سوار ہو جائیں اور سینے پر نہرو جی۔ اب ٹانگیں رہ گئی تھیں تو اس کے لئے بوس کٹ یا پنچھ کٹ شدھی پاجامہ تیار ہو جاتا اور مسلمان کی لباس کی حد تک شدھی ہو جاتی اس کے ساتھ ذہنی شدھی تو شروع ہو ہی چکی تھی۔ خیریت ہوئی کہ پاکستان بن گیا ورنہ علمائے کرام نے تو ہماری شدھی کا پورا پورا انتظام کر دیا تھا۔ اس مرحلے پر ایک واقعے کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ نواب محمد اسماعیل خان میرٹھی صدر یو پی مسلم لیگ و صدر مسلم لیگ الیکشن کمیٹی یو پی کے کچھ اضلاع (مغربی) کے تبلیغی دورے پر تھے، میں ان کے حکم کے مطابق مقرر کی حیثیت سے ان کے ساتھ تھا۔ یہ واقعہ ۱۹۴۵ء کا ہے۔ مراد آباد مسلم لیگ کی طرف سے ٹاؤن ہال مراد آباد میں ایک جلسے کا اہتمام کیا گیا۔ نواب محمد اسماعیل خان مرحوم کی شرکت کی وجہ سے اس جلسہ میں بے تحاشا اجتماع تھا۔ ٹاؤن ہال کے لان اور عمارت کے ساتھ ساتھ گرد و نواح کی سڑکیں بھی پٹی

پڑی تھیں اور ٹریفک بند ہو گیا تھا۔ مولانا مفتی نعیم الدین بانی مدرسہ نعیمیہ مسلم لیگ کے نمایاں حمایتیوں میں سے تھے۔ مولانا مفتی نعیم الدین فاضل بریلوی سے بیعت تھے پاکستان میں ان کے کئی شاگرد شہرت عام رکھتے ہیں۔ جسٹس میر سید کرم شاہ الازہری سرگودھا، مفتی محمد حسین نعیمی لاہور اور مولانا مفتی محمد اطہر صاحب نعیمی خطیب مسجد آرام باغ کراچی، مفتی مولانا محمد اطہر صاحب نعیمی جامعہ نعیمیہ کے دیگر طلباء واساتذہ کے ساتھ اس جلسے میں موجود تھے۔ نواب محمد اسماعیل خان صاحب سے پہلے مجھے وقت دیا گیا تھا۔ میں جو اسٹیج پر آیا اور دائیں بائیں دیکھا تو صدہا گاندھی ٹوپیاں نظر آئیں یعنی کانگریسیوں کی بھی ایک بڑی تعداد جلسے میں آئی ہوئی تھی۔ میں نے کانگریس اور مسلم لیگ کے متعلق کچھ باتوں کی وضاحت کے بعد گاندھی ٹوپی اور جواہر کٹ واسکٹ پر تنقید شروع کی اور اپنے انداز میں مسلمانوں کو بتایا کہ تم آہستہ آہستہ کس طرح ہندو بنائے جا رہے ہو۔ میری گفتگو کا حاضرین پر یہ اثر ہوا کہ لوگوں نے گاندھی ٹوپیاں اور جواہر کٹ واسکٹیں اتار کر ایک جگہ ڈھیر کر کے آگ لگا دی۔ اس "ہولی" میں جلسہ گاہ میں موجود تمام گاندھی ٹوپیاں اور واسکٹیں جل گئیں، اور سب لوگوں نے مسلم لیگ میں شرکت کا اعلان کر دیا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ یہ گاندھی ٹوپی والے زیادہ تر داڑھی والے تھے۔ اس جلسے کے دو چار دن بعد جس مسلمان کے گھر پر کانگریسی جھنڈا تھا وہ غائب ہو گیا اور مراد آباد مسلم لیگ کا گڑھ بن گیا۔ اس واقعے کی دیگر تفصیلات مفتی محمد اطہر نعیمی خطیب جامع مسجد آرام باغ کراچی سے معلوم کی جا سکتی ہیں کہ اس کے بعد کئی ہولیاں اور ہوئیں، بہرحال یہ گاندھی ٹوپی تھی بڑی دلچسپ چیز۔ سر پر رکھا تو ٹوپی ہو گئی اور ذرا سا جھٹکا دیا تو تھیلا بن گئی۔ بازار سے چھوٹی موٹی چیزیں رکھ کر اس میں آرام سے لے آؤ۔ گاندھی ٹوپی کی یہ انفرادیت اسے سب ٹوپیوں سے ممتاز کرتی ہے۔ مسلم لیگی مسلمانوں نے جب اسلامی ثقافت کے ایک حصے پر کفر کی یلغار دیکھی تو جناح کیپ ایجاد کر دی کہ مسلمان کے سر پر اور دل و دماغ پر ہر وقت گاندھی تو سوار نہ رہے۔ ایک شخص مسلمان ٹوپی کے سہارے یاد آتا رہے۔ اس تذکرے کی جو نفسیاتی تاثیریں ہوتی ہیں اہل علم تو سمجھتے ہی ہیں، عوام بھی محسوس کرتے ہیں کانگریسی مسلمان حج پر جاتے ہیں تو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں گاندھی جی کو سر پر رکھے گھومتے نظر آتے ہیں۔۔۔!! سوچئے کہ اس صورت حالات میں پاکستان نہ بنتا تو کیا ہوتا؟ اور اب جو پاکستان کے مخالفین مسلم لیگ کو نشانہ بنائے ہوئے ہیں، وہ کیا چاہتے ہیں؟ مسلم لیگ سے دشمنی یقیناً پاکستان سے دشمنی ہو گی۔ مسلم لیگ کی حکومتوں کے خلاف ہر روز ایک نیا ہنگامہ کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ خاص کر کراچی کے امن وسکون تہ وبالا کرنے

کے لئے کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑ دیا جاتا ہے۔ خاص کر جماعت اسلامی سہراب گوٹھ کے کلین اپ آپریشن کے بعد کیل کانٹے سے لیس ہو کر میدان میں اتر آئی ہے۔ ابھی اورنگی ٹاؤن علی گڑھ کالونی، نئی کراچی اور لانڈھی کے مسلمانوں کا لہو خشک بھی نہیں ہوا ہے۔ بہت سے زخمی ہسپتالوں میں موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا ہیں، مسلمانوں کے جلے ہوئے گھر اور کاروباری مراکز فریادی ہیں مگر جماعت اسلامی زخمی دلوں پر پھایا رکھنے کے بجائے نئے سے نئے ہنگامے کھڑے کر رہی ہے۔ کبھی لیبر یونین کا جلوس ہے، کبھی میر افغانی کی پلٹن کا جلوس ہے، کبھی طلبہ کی ریلی ہے اور ساتھ ہی دھمکیاں بھی کہ اگر حکومت ہمارے سامنے نہ جھکی تو ہم یہ کر دیں گے اور وہ کر دیں گے۔ جماعت اسلامی نے کراچی کو صرف اس لئے منتخب کیا ہے کہ جس طرح سے ہندوستان میں اور بنگلہ دیش میں پاکستانی ووٹ دینے والے مصائب کا شکار ہیں۔ یہ کراچی کے پاکستانی ووٹر سکون کا سانس کیوں لیں، ان کو پاکستان بنانے کی سزا ملنی چاہیئے۔ اس مرحلے پر جماعت اسلامی سے کسی خیر کی درخواست بے کار ہے۔ میں کراچی کے باشندوں سے عرض کروں گا کہ وہ جماعت اسلامی کی ہنگامہ آرائی اور ہنگامہ پسندی میں کوئی دلچسپی نہ لیں۔ اپنے کاروبار میں لگے رہیں۔ پٹھان بھی چند کے علاوہ پاکستان کے ووٹر ہیں ان کو بھی جماعت اسلامی پر سکون زندگی نہیں گزارنے دے گی، اس لئے ان سب کو جماعت اسلامی کے چنگل میں نہیں آنا چاہیئے۔ اس حقیقت کو خصوصیت سے نوٹ کر لیا جائے کہ یہ سارا ہنگامہ اور یہ سارے امن وامان کے مسائل سہراب گوٹھ کے کلین اپ آپریشن کے بعد کئے گئے ہیں۔ سید غوث علی شاہ چیف منسٹر صوبہ سندھ کو بھی نشانہ بلکہ خصوصی نشانہ کلین اپ آپریشن کے عمل میں آتے ہی بنایا گیا ہے اور وہ اس لئے کہ سید غوث علی شاہ نے جماعت اسلامی کی سرپرستی کو چیلنج کیا۔ اور پاکستان کے ووٹروں کو ہر طرح کا سکون مہیا کرنے کا اعلان کیا۔ اس کے ساتھ ہی غوث علی شاہ بڑے مضبوط اعصاب کے مسلم لیگی کارکن بھی ہیں وہ جماعت اسلامی کے ہر وار کو بے اثر بنانے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہیں۔ اس لئے جماعت اسلامی ان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئی ہے اور کراچی کے امن وامان کے مسئلے میں جو خفیہ ہاتھ کام کر رہا تھا وہ جماعت اسلامی کی جلوس بازیوں کے نتیجے میں کھل کر سامنے آ گیا ہے۔ لہٰذا کراچی کے باشندوں کو اس جماعت کے چکر میں ہرگز نہیں آنا چاہیئے۔

لطیفہ یہ ہے کہ اب تک جماعت اسلامی پیپلز پارٹی کو فسطائی اسلام دشمن اور بے اصول جماعت کہتی تھی۔ آج اسی پیپلز پارٹی کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر تخریب کاری کا ہر ہتھکنڈا آزمایا جا رہا ہے۔ دونوں کے جلوس ساتھ ساتھ بھی نکلتے ہیں اور جلوسوں میں لیڈر شانے سے شانہ

ملا کر تقریریں بھی کرتے ہیں اور ایک دن میں سمجھوتے کے مطابق ایک کراچی کے شرقی حصے میں جلوس نکالتا ہے تو دوسرا مغربی حصے میں۔

تباہ حال اور کراچی کے مظلوم باشندوں کی بحالی کے لئے کسی کے پاس وقت نہیں۔ مسلم لیگ کی حکومت جو کچھ اس کے بس میں ہے، پاکستان کے ووٹروں کی بحالی کے لئے کر رہی ہے اور مسلم لیگ کے کارکن صدر مسلم لیگ سندھ کی نگرانی میں میدان عمل میں ہیں، اس لئے ان کو تعاون دیا جائے۔۔۔۔۔۔!!

از: مولانا شبیر الحسنین محمدی

مسلم لیگ کی جدید تنظیم کو انتشار و اختلال کے جراثیم سے بچائیے!!!

چند روز ہوئے امیر جماعت اسلامی پاکستان قاضی حسین احمد صاحب کے اعزاز میں پروفیسر غفور احمد صاحب نے ایک عشائیہ ترتیب دیا جس میں اور جماعتوں کے سربراہوں کے علاوہ مسلم لیگ کے مختلف دھڑوں کے لیڈروں کو مدعو کیا گیا۔ تا کہ مسلم لیگ میں انتشار کو مزید تقویت پہنچائی جا سکے۔ صرف ایک دھڑے کے سربراہ کو نہیں بلایا گیا اور وہ ہیں میرپور خاص کے شیخ سراج صاحب جو پیر صاحب پگارہ کی کالعدم مسلم لیگ کے صوبائی سیکریٹری تھے اور اب ایک نئے دھڑے کے سربراہ کی حیثیت سے اخباروں میں آ چکے ہیں۔

ہو سکتا ہے کہ پروفیسر صاحب کو یہ دھڑا تازہ مولود ہونے کے ناتے نظری ہو گیا ہو۔ بہر حال اس عشائیے میں پروفیسر صاحب نے مسلم لیگ کے انتشار کی نمائش کے اہتمام کے ساتھ ساتھ ایک بڑی پر لطف بات کہی کہ۔۔۔۔۔ ''میں نے سب دینی اور سیاسی جماعتوں کو اکٹھا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم نے جب اس ارشاد عالی کی روشنی میں اس اجتماع پر نظر ڈالی تو دینی جماعت ایک نظر نہ آئی۔ چند مذہبی جماعتوں کے نمائندے ضرور موجود تھے۔ لیکن اتفاقاً ان میں سے بھی کوئی مذہبی جماعت ایک نظر نہ آئی۔ چند مذہبی جماعتوں کے نمائندے ضرور موجود تھے لیکن اتفاقاً ان میں سے بھی کوئی مذہبی جماعت ہونے کا دعویٰ نہیں کرتی بلکہ سب سیاست کے میدان میں اترے ہوئے ہیں اور ہر جماعت انتخاب میں حصہ لیتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کو مذہبی جماعت کہنا کس مصلحت کی نشاندہی کرتا ہے؟ اس کا پتہ تو موصوف کو ہی ہوگا۔ اتنا تو ہر شخص جانتا ہے کہ اگر کوئی جماعت مذہبی جماعت ہو تو وہ انتخاب میں حصہ نہیں لیتی اس لئے سیاسی اور مذہبی جماعتوں کی تفریق دانشوروں کے دائرۂ ذہن میں آ سکتی ہے۔ بہر حال یہ طے شدہ ہے کہ پاکستان میں اس وقت کوئی ''دینی جماعت'' موجود نہیں۔ جن جماعتوں کو دینی کہا جا رہا ہے وہ مذہبی۔ بلکہ مذہبی بھی نہیں، فرقے وارانہ مذہبی جماعتیں ہیں۔ جماعت اسلامی ایک خاص فرقے کی نمائندگی کرتی ہے۔ اس جماعت میں کوئی ایسا شخص جو جناب مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کے ذہن اور ذہنیت کو قبول نہ کرے، شامل نہیں کیا جاتا۔ جمعیت علمائے پاکستان غیر بریلوی کو اپنی

صفوں کے قریب نہیں آنے دیتی۔۔۔۔!

جمعیت علمائے اسلام دیوبندیوں کے علاوہ کسی دوسرے کی شمولیت کی روادار نہیں اور جو بھی مذہبی جماعتیں ہیں سب کی سب کسی نہ کسی فرقے کی نمائندگی کرتی ہیں اور فرقہ وارانہ بنیاد ہی کے سائے میں انتخابات میں حصہ لیتی ہیں جس سے پاکستان میں انتشار اور اختلاف کی فضا میں مزید تکدر آ جاتا ہے۔ پاکستان کی ایک مذہبی اور ایک سیاسی جماعت بڑے طویل عرصے سے عوام کی خدمت انجام دے رہی ہیں۔ مذہبی جماعت "جماعت اسلامی" اور سیاسی فرقہ وارانہ سیاسی جماعت ہے اور مسلم لیگ صحیح معنوں میں دینی وقومی سیاسی جماعت ہے۔ جماعت اسلامی ۱۹۴۱ء میں تشکیل پذیر ہوئی تھی اور مسلم لیگ ۱۹۰۶ء میں۔ جماعت اسلامی کے کردار سے بحث ہم کسی دوسرے وقت کے لئے اٹھائے رکھتے ہیں اور اس وقت صرف مسلم لیگ اپنی تشکیل کے پہلے ہی دن سے امت مسلمہ کی قومی جماعت رہی ہے اس کا کردار کبھی بھی لادینی، فرقہ وارانہ نہیں رہا۔ اس تنظیم میں ہر فرقے کے لوگ قدم سے قدم اور شانے سے شانہ ملا کر چلتے رہے۔ ۱۹۳۰ء تک مسلم لیگ کے مقاصدِ حیات میں بڑی محدودیت تھی۔ لیکن جو کچھ بھی مسلم لیگ کا پروگرام تھا وہ سب مسلمانوں کے لئے تھا، کسی خاص فرقے کے لئے نہیں تھا۔

مسلم لیگ کے اجلاس الٰہ آباد کی صدارت علامہ سر محمد اقبالؒ اور علامہ مرحوم کے خطبے نے مسلم لیگ کے لئے بڑے وسیع اور نئے افق مہیا کیے۔ پاکستان کے مطالبے پر مشتمل ریزولیشن تو مسلم لیگ کے اجلاس لاہور ۴۰ء میں پاس ہوا، مگر اس کی بنیاد الٰہ آباد میں رکھ دی گئی تھی اور ۳۰ء ہی سے مسلم لیگ ایک عوامی جماعت کی حیثیت سے ابھرنے لگی اور ۴۰ء تک اس کے دائرۂ اثر میں اتنی وسعت پیدا ہوئی کہ وہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت قرار پا چکی تھی۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ مسلم لیگ کا عوامی کردار ۳۰ء سے شروع ہوتا ہے اور چند برس میں خصوصاً قائداعظم کی زیرِ صدارت مسلم لیگ (اجلاس لکھنؤ ۳۷ء) اتنی مضبوط ہو گئی کہ مسلم لیگ کی صفوں میں انتشار ڈالنے کی جو کوشش بھی کی گئی وہ ناکامیاب ہوئی۔ خواہ وہ کوشش مسلم لیگ کے مخالفوں نے کی یا مسلم لیگ کی صفوں میں بیٹھے ہوئے برخود غلط انداز ممتاز افراد نے فرمائی۔ کانگریس، احرار کانفرنس، جمعیت علمائے ہند، جماعت اسلامی، انصار کانفرنس، مسلم مجلس، آل انڈیا شیعہ پولیٹیکل پارٹی وغیرہ جو کانگریس کے سرمائے سے صرف مسلم لیگ میں شکست وریخت کا عمل جاری کرنے کے لئے بنائی گئی تھیں، یہ سب بری طرح ناکام ہو گئیں اور مسلم لیگ کا جھنڈا اونچا ہوتا گیا۔

پنجاب سے سر محمد شفیع جیسے تو قائد اعظم نے انہیں مسلم لیگ سے خارج کر دیا۔ انہوں نے اپنی ایک مسلم لیگ جو کچھ دن زندگی کی سانسیں لے کر فنا ہو گئی، بنگال سے مولوی اے کے فضل الحق بہار سے سر سلطان احمد، بمبئی سے سر ابراہیم کریم بھائی خزانچی پروانشل مسلم لیگ، سر سلیمان حضرت جی شولا پوری، یوپی سے سر وزیر حسن اور مولانا حسین احمد مدنی وغیرہ کو مسلم لیگ کی پالیسیوں کی خلاف ورزی پر خارج کر دیا۔ سر وزیر حسن اور مولانا حسین احمد مدنی کی خواہش تھی کہ مسلم لیگ کے کارکنوں کو اجازت دی جائے کہ وہ کانگریس میں بھی شرکت کر سکیں۔ ظاہر ہے کہ قائد اعظم جیسے اصول پرست اس تضاد کو کس طرح گوارا کر سکتے تھے اور یہ دونوں حضرات اپنی خواہش اور افتاد طبع کے باعث کانگریس میں شامل ہو گئے اور مسلم لیگ کو نقصان پہنچانے کی ہر امکانی کوشش کی۔

ظاہر ہے کہ مسلم لیگ کی صفوں میں انتشار پیدا نہ ہو سکا بلکہ مسلم لیگ اور زیادہ مضبوط ہو گئی۔ سر سلیمان حضرت جی شولا پوری نے ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ کے خلاف الیکشن لڑا اور اپنے ہاتھوں سے بیڑیاں بنانے والے ایک مزدور کے مقابلے میں اپنی ضمانت ضبط کروا بیٹھے اس شخص کو قائد اعظم نے مسلم لیگ کا ٹکٹ دلوایا تھا۔ ۱۹۳۶ء کے انتخابات کا ایک واقعہ اور قابل ذکر ہے۔۔۔ کانگریس نے قائد اعظمؒ کے مقابلے میں آل انڈیا شیعہ پولیٹیکل پارٹی کے ٹکٹ کے سہارے حسین بھائی لال جی کو کھڑا کیا تھا اس حلقے میں بوہرہ شیعوں کے کثیر ووٹ تھے، بلکہ ہار جیت کا انحصار ہی انہی کے ووٹروں پر تھا۔ سردار ولبھ بھائی پٹیل جو کانگریس کے سرکردہ لیڈروں میں تھے اور قائد اعظم کے خصوصی مخالف بھی۔ عالی جناب سیدنا و مولانا سید طاہر سیف الدین بوہروں کے پیشوا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔۔۔ کہ اپنے پیروکاروں کے ووٹ حسین بھائی لال جی کو دلوا دیجئے کہ وہ کانگریس کے نمائندے ہیں۔

جناب سیدنا طاہر سیف الدین نے ولبھ بھائی پٹیل سے کوئی وعدہ نہیں کیا اور کہہ دیا کہ دیکھا جائے گا اس کے بعد انہوں نے اپنے بڑے فرزند بوہروں کے موجودہ پیشوا سیدنا مولانا سید برہان الدین کو طلب فرمایا کہ الیکشن کے دن آپ قائد اعظم کے کیمپ میں جا کر بیٹھ جائیں اس لئے کہ مجھے خطرہ ہے کہ ولبھ بھائی پٹیل ہمارے پیروکاروں کے ووٹ حاصل کرنے کے لئے کوئی چال چلے گا، الیکشن کے دن سیدنا مولانا برہان الدین، قائد اعظم کے کیمپ میں جا کر بیٹھ گئے۔ اب جو بھی بوہرہ آیا اس نے اپنے پیشوا کے ولی عہد کو قائد اعظم کے کیمپ میں دیکھ کر اپنے فریضے کو سمجھ لیا اور ایسے ووٹروں کو بھی جو علالت کی وجہ سے ووٹ ڈالنے نہ آتے کسی نہ

کسی طرح لاکر سب کے ووٹ قائداعظم کے حق میں ڈلوا دیئے اور حسین بھائی لال جی کی ضمانت ضبط ہوگئی۔ قائداعظم اپنی نامزدگی کے بعد بمبئی سے دوسرے صوبوں کے دورے پر تشریف لے جا چکے تھے۔ جناب ابراہیم اسماعیل چندریگر قائداعظم کے الیکشن ایجنٹ تھے، اور جناب حسن اے شیخ پولنگ ایجنٹ اور راجہ محمد امیر احمد خان آف محمود آباد اس انتخاب کے نگراں۔۔۔۔ ! خدا کا فضل ہے کہ جناب حسن اے شیخ حیات ہیں خدا انہیں تادیر سلامت رکھے آمین۔۔۔۔ !! یہ ناچیز یعنی مقالہ نگار منشی فیاض علی خاں صاحب ایڈوکیٹ فیض آبادی کے حلقے میں اپنے فرائض انجام دے رہا تھا" ٹانڈہ، جلال پور" وغیرہ مولانا حسین احمد مدنی کے مریدوں کا حلقہ بھی تھا اور ٹانڈہ ان کا وطن بھی۔ بہر حال اس حلقے میں کانگریس کو شکست فاش ہوئی۔ منشی فیاض علی خاں قیام پاکستان کے بعد پہلے اٹارنی جنرل بنے۔ بہت اونچے آدمی تھے۔ منشی فیاض علی خان قانون داں ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے ادیب بھی تھے۔

غرض کہ ۴۶ء کے انتخابات میں مسلم لیگ نے غیر معمولی کامیابی حاصل کی اور پاکستان کا قیام یقینی ہوگیا اور ہزاروں آدمی قیام پاکستان کو یقینی سمجھ کر مسلم لیگ میں شامل ہوگئے۔ اور جب پاکستان بن گیا تو قربانیاں دینے والے مسلم لیگیوں کے ساتھ نئے مسلم لیگیوں کی بھی ایک بڑی تعداد پاکستان آگئی اور ملک کے جن حصوں میں پاکستان قائم ہوا تھا یہاں کے بھی مسلمان جوق در جوق مسلم لیگ میں شامل ہوگئے اور یہی انبوہ مسلم لیگ میں شامل ہونے والے مسلم لیگ کی کمزوری بلکہ تباہی کا سبب بھی بن گئے۔ وہ تو اقتدار کے آفتاب کو مسلم لیگ کے پرچم کے ساتھ چمکتا ہوا دیکھ کر مسلم لیگ میں آئے تھے۔ جب مسلم لیگ کے اقتدار کا سنگھاسن انہی حضرات کی مفاد پرستی اور سعی نامشکور کے نتیجے میں ڈانوا ڈول ہوا تو اس قسم کے کم و بیش سب لوگ اقتدار کے ساتھ مسلم لیگ کو خیر باد کہہ گئے اور یہ کھیل مسلسل ہم دیکھتے رہے ہیں کہ ایک طبقہ ہمیشہ اقتدار کے پرچم کے ساتھ چلتا ہے۔۔۔ !!

مسلم لیگ میں قائداعظم کی صدارت کے بعد مسلم لیگ کی صفوں سے احتساب اور تادیب کا عمل ختم ہوگیا۔ اس لئے کسی شخص کو جماعت چھوڑنے میں کوئی تکلف نہیں ہوتا۔ کہ ان حضرات کو کسی پوچھ گچھ کے بغیر جماعت میں اچھی سے اچھی کرسی مل جاتی ہے۔ اگر عمل احتساب کو طاق نسیاں بنا دیا گیا تو مسلم لیگ کے استحکام کا اللہ ہی حافظ ہے، اس لئے کہ قربانیوں کے مراحل سے گزرنے والے اصول پرست مسلم لیگر زاویہ نشیں ہوکر اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں گے اور جوق در جوق، گروہ در گروہ مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کرنے والے نظریہ ضرورت کے تحت

کسی اور سبزہ زار کی طرف نکل جائیں گے۔۔۔۔۔!!!

مسلم لیگ نے عزت اور عظمت کے آفتاب و ماہتاب تک بھی رسائی حاصل کی اور کمزوری اور پستی کی پاتال تک بھی پہنچی۔ بے شک کچھ لوگ آتے جاتے رہے لیکن ایک طبقہ اور یقیناً موثر طبقہ ایسا موجود رہا جس نے مسلم لیگ کو ہر حالت میں زندہ رکھنے کی کوشش کی۔ آخر کار مسلم لیگ کو قائداعظمؒ کی وفات کے بعد سربراہ ملا جو قائداعظمؒ کی صفات کا آئینہ تھا۔ عالی جناب محترم شاہ مرداں شاہ صاحب پیر پگارو نے مسلم لیگ کو دوبارہ طاقتور اور مثالی جماعت بنانے کے لیے قائداعظم کے کردار کا مظاہرہ کیا ہے۔ مسلم لیگ کے چھوٹے سے چھوٹے وفادار کارکن کو گلے سے لگایا اس کی ہمت افزائی بھی کی اور عزت افزائی بھی۔۔۔۔۔۔ اور بڑے سے بڑے طرّے والے کو مسلم لیگ کی تنظیم سے دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیا۔ چودھری ظہور الٰہی، زاہد سرفراز، غلام دستگیر خان، اور سید کاظم علی شاہ وغیرہ کو مسلم لیگ کے ضوابط کی خلاف ورزی پر مسلم لیگ سے خارج کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم لیگ اور مضبوط ہو گئی اور اس کے وقار میں دن دوگنا رات چوگنا اضافہ ہوا۔

قائداعظم نے کبھی بھی تازہ وارداں مسلم لیگ کو مسلم لیگ کی صف اول میں جگہ نہیں دی۔ اپنی خدمات ہی کے سہارے وہ آگے بڑھ سکے۔ پیر صاحب پاگارو نے زید خالد کی سفارش پر دو تازہ واردوں کو مسلم لیگ کی کرسی دے دی تھی وہ چند روز کے بعد خود ہی نکل بھاگے یا پیر صاحب نے انہیں نکال دیا یہ جاننے کی میں نے کبھی کوشش نہیں کی۔ تاہم میں نے یہ دیکھا کہ مسلم لیگ میں وہ چند ہفتے سے زیادہ نہ ٹھہر سکے اور ان کو ان کی خاک وہاں لے گئی کہ جہاں کا خمیر تھا۔ غرضیکہ کوئی جماعت اپنے کارکنوں کو مراحلِ امتحان سے گزارے بغیر اور خدمات کی تاریخ سامنے رکھے بغیر۔۔۔۔۔۔ اقتدار کے جھنڈوں کی سرسراہٹ کے ساتھ آنے والوں کی شمولیت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتی۔ نہ استحکام کی منزل سے آشنا ہو سکتی ہے!

مسلم لیگ کے موجودہ سربراہوں کو میں مشورہ دوں گا کہ وہ ''نوائے وقت'' کا بارہ (۱۲) جنوری ۸۸ء کا افتتاحیہ بار بار پڑھیں تو اس میں ان کی رہنمائی کے بہت سے نکتے موجود ہیں اور ہم بھی انشاء اللہ ماضی کے کچھ اوراق الٹ پلٹ کرتے رہیں گے۔ تاکہ مسلم لیگ کے لیڈروں کو اپنا لائحہ عمل مرتب کرنے میں کچھ روشنی مل جائے۔

شبیہ الحسنین محمدی

از: مولانا شبیر الحسنین محمدی

پاکستان کے بہی خواہوں اور بدخواہوں کو پہچانیئے!

انسان اپنی طویل زندگی میں مزاجی لحاظ سے اور حیاتِ ارادی میں کردار کے اعتبار سے اتنا متنوع اور رنگارنگ واقع ہوا ہے کہ آج تک ان دونوں دائروں میں کسی قسم کی حد بندی نہیں جا سکتی ہے۔ انسان نے جب سے شعور کی آنکھ کھولی اپنے نفس اور نفسیات کے متعلق غور کرتا رہا ہے۔ بڑے بڑے فلسفی ماہر نفسیات انسانی زندگی کے ان دو دھاروں کی کیفیات کا تعاقب کرتے رہے ہیں، لیکن ابھی تک روز اوّل کی کیفیت محسوس ہوتی ہے اور اگر ہمارے مطالعے اور مشاہدے کے نتائج کی بوقلمونی اسی رنگ پر آگے بڑھتی رہی تو، قیامت تک کسی حد بندی کا امکان نظر نہیں آتا۔ تاہم حکماء طبیعیات ونفسیات نے انسان میں تین قوتوں کی کارفرمائی کو بنیادی اور جوہری حیثیت سے تسلیم کیا ہے۔

۱۔ قوت عاقلہ
۲۔ قوت غضبی
۳۔ قوت شہوی

قوت غضبی اور قوت شہوی بھی عقل کے اتباع کے سہارے ہی میدان عمل میں جلوہ نمائیاں کرتی ہیں۔ اگر قوت عاقلہ ماؤف ہو اور کسی طبیعی اور طبی سبب سے معطل یا ناکارہ ہو جائے تو قوت غضبی اور شہوی خود بخود معطل ہو جاتی ہے اور ایسے شخص کی حرکات وسکنات پر کوئی قدغن عائد نہیں کی جا سکتی، بلکہ اس کو معاشرہ مرفوع القلم قرار دے دیتا ہے، اور اس کے اعمال کے لئے کسی قسم کی پوچھ گچھ کا کوئی سلسلہ قائم نہیں ہوتا۔ قوت عاقلہ مضر ومفید، حسن وقبیح یعنی اچھے اور برے میں تمیز کرتی ہے اور رد وقبول کے پیمانے پر۔ (لیکن یہ ضروری نہیں کہ عقل کے ان فیصلوں میں صحت اور درستگی کی ضمانت دی جا سکے، اس لئے کہ عام طور سے عقل فطری کیفیات پر باقی نہیں رہتی اور اپنے ماحول اور گرد وپیش سے متاثر ہو کر غیر طبیعی اور غیر حقیقی فیصلے کر کے ان کو درست قرار دے دیتی ہے اور انسان جو کچھ اپنے ماحول سے سیکھتا ہے ان کے زیر اثر اپنے قطعی غلط افکار واعمال کی بھی تصویب کرتا رہتا ہے۔)

قوت غضبی ضرر رساں اور غیر مفید امور واشیاء کو دفع کرتی ہے۔

قوت شہوی مفید اور نفع بخش امور اور چیزوں کو پسند کرتی ہے اور ان کو حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ان دونوں قوتوں کو نفرت و بے زاری اور محبت والفت کہا جاتا ہے، یعنی انسان جن چیزوں کو اپنے لئے مضر سمجھتا ہے، ان سے نفرت کرتا ہے اور جن چیزوں کو مفید سمجھتا ہے ان سے محبت کرتا ہے۔ ان دونوں قوتوں کا دائرہ کار اشیاء تک محدود نہیں ہے بلکہ افکار و خیالات، اعتقادات و اعمال اور دین و مذہب وغیرہ وغیرہ۔۔۔!! ان کے دائرۂ کار میں آتے ہیں یعنی کسی نظریے اور خیال کو دین و مذہب کو پسند کرتا اور کسی کو ناپسند کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری اس دنیا میں دین و مذہب اور کسی نظریے اور عملیے پر نوع انسانی کا اتفاق نہیں پایا جاتا اور یہ بات نوٹ کر لینا چاہیے جب انسان کو کسی نظریہ اور کسی عمل سے بوجوہ نفرت اور بے زاری ہو جاتی ہے تو شاید ہی وہ رائے کی تبدیلی کے لئے تیار ہوتا ہے اور یہ کہنا شاید ایک حد تک درست ہی ہے کہ دنیا میں جغرافیائی تبدیلیاں یعنی پہاڑوں کی جگہ دریا بن جانا اور جنگل اور ویرانوں کی جگہ انسانی آبادیاں قائم ہو جانا سہل ہے۔ لیکن انسانی ذہن اور ذہنیت کا تبدیل ہونا انتہائی مشکل ہے۔ تاہم انسانی کردار میں تبدیلی کے امکان کو مسترد نہیں کیا جاسکتا۔ اگر یہ تبدیلی ممکن نہ ہو تو دنیا میں اصلاحی ادارے جو ہر قوم اور ہر ملک میں کام کر رہے ہیں، فضول اور بے سود ہو کر رہ جائیں گے۔ مشاہدہ بتاتا ہے کہ مسلسل سعی اور کوشش کے نتیجے میں اصلاح احوال ہو بھی جاتی ہے۔

تحریک پاکستان اور قیام پاکستان ہمارے زمانے کا کوئی حادثاتی واقعہ نہیں ہے۔ بلکہ برصغیر کے مسلمانوں کی اکثریت کی فکری وحدت اور متحدہ جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ تاہم قیام پاکستان سے اختلاف کرنے والوں میں غیر مسلموں یعنی انگریزوں اور ہندوؤں کے علاوہ اچھی خاصی تعداد میں مسلمان تھے۔ خصوصاً دیندار اور مذہب پرست افراد اور طبقے شدید اختلاف کر رہے تھے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ افراد اور طبقات سب غیر مسلم سرمایہ داروں کے پاس فروخت شدہ یا گروی تھے۔ تاہم یہ بات تسلیم کی جانی چاہئے کہ یہ حضرات جو دین اور مذہب کے بڑے بڑے مسائل سمجھنے کے دعوے دار تھے، یا اہل کہتے جاتے تھے، مسلمانوں کی زندگی اور عزت کے متعلق ایک سیاسی مسئلے کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔ عام مسلمان " پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ۔ کے نعرے کے ساتھ اس حقیقت کو اس آسانی کے ساتھ سمجھ گئے کہ یہ صاحبان علم و قلم اس کو نہ سمجھ سکے اور پاکستان سے نفرت ان کے دل و دماغ میں اس حد تک مرتکز ہوئی کہ آج بھی وہ پاکستان کو معاف کرنے اور بخشنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ علمائے کرام کا ایک خاص گروہ

جن میں بعض وہی حضرات تھے جنہوں نے بذات خود پاکستان کی مخالفت کی تھی۔اور کچھ حضرات اپنے بزرگوں کی جگہ چلنا ضروری سمجھتے ہیں۔یہ بات ہم بار بار یاد دلاتے رہیں گے کہ نیشلسٹ مسلمانوں کے علاوہ مسلمانوں کی بہت سی جماعتیں بھی قیام پاکستان کے خلاف صف آراء تھیں۔اور آج بھی کسی نہ کسی رنگ میں پاکستان کو نقصان پہنچانے اور کمزور کرنے کی کوششوں میں لگی ہوئی ہیں۔ان تنظیموں میں یہ جماعتیں سرفہرست ہیں:

ا۔ جماعت اسلامی، جس کے امیر آج کل میاں طفیل محمد ہیں۔جماعت اسلامی بنائی ہی اس لئے گئی تھی کہ قیام پاکستان کے مسلم لیگی منصوبے کی تکمیل میں روڑے اٹکائے جائیں۔جماعت کے بانی ارکان بڑے ذہین تھے اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ موجودہ جماعتوں کو بلا استثناء مسترد کر دیا گیا ہے۔اس لئے نئی جماعت کی داغ بیل ڈالی گئی۔اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ

نیا جال لائے پرانے شکاری

مقصد اس کا وہی تھا کہ پاکستان قائم نہ ہونے پائے لیکن عوام نے اس جماعت کو بھی مسترد کر دیا اور مسلمانوں کی عظیم اکثریت مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے قائداعظم محمد علی جناح کی عظیم رہنمائی میں پاکستان بنانے میں کامیاب ہو گئی۔اب جماعت اسلامی نے مسلمانوں کے اخلاقی اور مذہبی اصلاح کے نام سے پاکستان کے حال اور مستقبل سے کھیلنا شروع کر دیا۔شاید ہی پاکستان کو کوئی محکمہ ہو جہاں جماعت اسلامی نے اپنے نمائندے نہ پہنچا دیئے ہوں۔پاکستان کے قومی اخبارات میں بھی جماعت اسلامی کی لابی موجود ہے اور وہ جماعت اسلامی کے خلاف کسی اخبار میں کوئی مضمون نہیں چھپنے دیتی۔فی الحال تو روزنامہ امن وغیرہ ہی اس جماعت کے نمائندوں سے مامون اور محفوظ معلوم ہوتے ہیں۔

یہ جماعت مسلم لیگ اور دوسری پاکستان دوست جماعتوں کے راہنماؤں کی کردار کشی میں لگے رہتے ہیں۔مثلاً پیر صاحب پگارو جیسی محترم اور معظم شخصیت کے لئے میاں طفیل محمد کے یہ ارشادات کہ "پیر صاحب نہ عالم ہیں نہ دانشور"۔!!! میاں صاحب کو کون سمجھائے کہ پیر صاحب کو آپ کی سرٹیفکیٹ کی ضرورت نہیں ہے۔پیر صاحب نے اپنی دانش اور علم سے بڑوں بڑوں کو تگنی کا ناچ نچا دیا ہے۔پیر صاحب بذات خود جو کچھ بھی ہیں، وہ ہیں۔۔!! ان کے عقیدتمندوں میں ہزاروں دانشور اور عالم موجود ہیں۔جن میں سے محمد خان جونیجو اور سید غوث علی شاہ جماعت اسلامی کے گلے کی ہڈی بنے ہوئے ہیں۔بیچاری آنسہ بینظیر بھٹو کو ایک مسئلہ سے تشبیہ دے ڈالی۔بہر حال مس بینظیر بھٹو ایک جماعت کی سربراہ ہے اور اس انداز گفتگو کی وہ

مستحق نہیں ہے جو خود ساختہ دانشور اور عالم کے دہن مبارک کے بوسے لیتا رہا۔ جماعت اسلامی کے لیڈروں نے مسلم لیگ پر پھبتی کسی کہ یہ تو پاکستان میں نہ پہلے کبھی شریعت کا نفاذ چاہتے تھے، نہ اب چاہتے ہیں۔ اب ان بزرگوں کو یہ کون سمجھائے کہ مسلم لیگ نے تو پاکستان بنایا ہے، نفاذ اسلام کے لئے تھا۔ یہ حضرات جتلائیں کہ یہ حضرات متحدہ ہندوستان کس مقصد کے لئے چاہتے تھے؟ ہاں یہ حقیقت ہے کہ پاکستان میں اسلام کی شریعت نافذ ہو رہی ہے اور مکمل طور پر نافذ ہو کر رہے گی۔ جماعت اسلامی کی شریعت جو ایک فرقے کی شریعت ہے پاکستان میں نافذ نہیں کی جاسکتی۔ پاکستان اسلام کے نفاذ کے لئے بنایا گیا ہے۔ فرقہ وارانہ تصورات کے نفاذ کے لئے نہیں۔ اور کل کو چھوڑ کر جزو کو نافذ کرنا عقل و دین کے خلاف ہے۔ میاں طفیل نے بذات خود بھی مسلم لیگ کو نوازا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ مسلم لیگ ٹھگوں کا ایک ٹولہ ہے۔ خوش کلامی اور شیریں ذہنی کی ایسی مثالیں کم ہی ملتی ہیں ابھی تو میاں صاحب امیر جماعت ہیں۔ امیر حکومت ہوتے تو معلوم نہیں ان کی خوش کلامی کیا گل کھلاتی۔ مسلم لیگ نے میاں صاحب سے یا ان کی جماعت سے کیا ٹھگا ہے یہ میاں صاحب کو ہی معلوم ہوگا۔

جماعت اسلامی کی فتنہ سامانیاں سب سے زیادہ ہولناک اثرات تعلیمی اداروں میں ڈال رہی ہے۔ کوئی یونیورسٹی اور کوئی کالج اور اسکول ایسا نہیں ہے کہ جس کے طلباء کو جماعت اسلامی نے کتابیں چھین کر اسلحہ نہ تھما دیا ہو۔۔۔!!! اب طالب علم درس و تدریس کے بجائے ہنگامہ آرائیوں میں لگے رہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ آئندہ نہ کوئی اچھا ڈاکٹر پیدا ہوگا، نہ انجینیر، نہ پروفیسر اور منتظم۔۔۔!!! اس طرح پاکستان خسارے میں جائے گا۔ چین، جاپان، بھارت، جرمنی، روس، امریکہ وغیرہ کے طالب علم زیادہ تر اپنی تعلیمی اور تدریسی فرائض انجام دیتے رہتے ہیں اور وہاں پر ہر شعبۂ حیات کے لئے بہترین کارکن پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ہمارے یہاں طلبائے کرام نہ پڑھتے ہیں نہ لکھتے ہیں۔ زیادہ وقت ہنگاموں میں لگے رہتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک سال کا کورس کئی سال میں پورا ہوتا ہے اور مقصد تعلیم مجروح ہوتا رہتا ہے۔ یہ بات درست ہے کہ بعض دوسری جماعتوں نے بھی تعلیمی اداروں میں طالب علموں کو سیاست بازی کی ترغیب اور تربیت دی ہے۔ مگر جماعت اسلامی کو اوّلیت کا شرف حاصل ہے اور اس طرح جماعت اسلامی نے پاکستان کے مستقبل کو خطرات سے دوچار کر دیا ہے۔ خدا جانے یہ کون سا اسلام ہے جس کے نتیجے میں طالب علم کو حصول تعلیم کے بجائے غیر تعلیمی مقاصد میں استعمال کیا جا رہا ہے۔ اللہ ہماری حفاظت کرے۔

۲۔ خدائی خدمتگار یا سرخ پوش جو آل انڈیا نیشنل کانگریس کمیٹی کی ذیلی جماعت تھی جس کے سربراہ جناب عبد الغفار خان صاحب سرحدی گاندھی ہیں۔ ان کے فرزند ارجمند پاکستان سے اختلاف کے فریضے کو ایک نئی جماعت عوامی نیشنل پارٹی کے پلیٹ فارم سے انجام دیتے رہتے ہیں۔ آج کل موصوف قائداعظمؒ کے پیچھے ہاتھ دھوکر پڑے ہوئے ہیں اور اس حد تک پستی پر اُتر آئے ہیں کہ فرماتے ہیں: قائداعظمؒ نے پاکستان خوجوں، بوہروں کے لئے کاروباری منڈیاں مہیا کرنے کے واسطے بنایا تھا۔ گویا موصوف کے نزدیک تقسیم ملک سے پہلے بمبئی، سورت، احمد آباد، دہلی، کلکتہ وغیرہ میں یہ لوگ فاقے مرتے تھے۔ حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ ہندوستان کی تقریباً سبھی منڈیوں پر خوجوں اور بوہروں کا قبضہ تھا۔ پاکستان میں تو ان کی معاشی حالات ہندوستان کے مقابلے میں انتہائی پست ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ولی خان سے تھوڑی سی چوک ہوگئی ان کو یہ کہنا چاہئے تھا کہ قائداعظمؒ نے کراچی میں اپنا مقبرہ تعمیر کرانے کے لئے پاکستان بنوایا تھا۔ اس لئے کہ اگر قائداعظمؒ ہندوستان میں انتقال فرماتے تو کروڑہا مسلمانوں کے دل پر حکومت کرانے والا شخص اور ہندوستان میں کروڑہا روپے کی جائیداد کا مالک دو گز زمین کا محتاج ہوتا اور شاید کہیں قبر ہی نہ بنتی۔ حقیقت یہ ہے کہ جناب ولی خان صاحب! قیام پاکستان کے خلاف کوئی ٹھوس دلیل بھی پیش نہیں کرسکتے ہیں۔

اس لئے اب وہ پاکستان کے بانی کے خلاف محاذ آراء ہیں۔ اسلام کے مخالف اسلام کے کسی چھوٹے سے چھوٹے ضابطہ کے خلاف دلیل قائم نہ کرسکے تو انہوں نے بانی اسلام حضور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن پاک پر اپنا خیالی کوڑا کرکٹ ڈالنے کی کوشش کی۔ پادری عبدالحق اور سوامی دیانند سرستی وغیرہ کی خرافات کتابوں میں محفوظ ہیں۔ دونوں نے حضورؐ پر آئیں بائیں شائیں قسم کے اعتراضات شروع کردیئے تھے کہ حضورؐ نے اتنی شادیاں کیں، اس لئے وہ یہ تھے، اور وہ تھے۔۔۔!! مسلمانوں نے اس کا خوب ٹھوک بجا کر جواب دیا اور یہ خرافاتی اعتراضات اس طرح تحلیل ہوگئے کہ پھر کسی نے ان سے تمسک نہیں کیا۔۔۔!

ولی خان صاحب بھی بلا تمثیل اب بانی پاکستان کے کردار پر گند اچھالنے کی کوشش کر رہے ہیں جو انشاء اللہ سب کچھ انہیں کے روئے مبارک تک پہنچ جائے گا۔

۳۔ جمعیت علمائے ہند جس کا پاکستانی نام اب جمعیت علمائے اسلام ہے۔۔۔!! اور جس کے سربراہ مولانا عبد اللہ صاحب درخواستی ہیں۔ جمعیت علمائے ہند کے کچھ عناصر مختلف

ناموں سے پاکستان میں فرقہ وارانہ ہنگامے پیدا کرنے کی سعی نامشکور میں مشغول رہتے ہیں اور سب سے زیادہ خطرناک یہی ٹولہ ہے۔ اس لئے کہ انسان مذہبی جذبات کی حد تک بڑا حساس واقع ہوا ہے۔ اور بڑی جلدی اس کو مشتعل کیا جا سکتا ہے۔

پاکستان کو نقصان پہنچانے کے لئے لسانی جغرافیائی اور نسلی مسائل کے تنور بھی بھڑکائے گئے اور بھڑکائے جا رہے ہیں لیکن ان کا شعلہ سامانیاں مضمحل ہو چکی ہیں اور آئندہ بھی یہ امید کی جاتی ہے کہ چند ذہنی طور پر نابالغ افراد اور گروہ ہی اس سے متاثر ہوں گے۔ لیکن جہاں تک فرقہ وارانہ اشتعال انگیزی کا تعلق ہے وہ کسی وقت بھی موثر ہو سکتی ہے اور اس لئے فرقہ پرستوں پر کڑی نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ یہ حقیقت ان فرقہ پرستوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ پاکستان کے کسی چھوٹے سے چھوٹے فرقے کو بھی مٹایا نہیں جا سکتا۔ اس لئے کہ فرقہ پرست انتظامیہ کے لئے مسائل کھڑے کر کے تعمیری کاموں کی طرف سے توجہ ہٹانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اور پاکستان کے حال اور مستقبل سے کھیلتے رہتے ہیں۔

غرض یہ کہ فرقہ پرست اس بات کے مستحق ہے کہ پاکستان کے چاہنے والے ان کو انتشار پیدا کرنے کے مواقع فراہم نہ ہونے دے کہ یہ لوگ پاکستان کے اگر دشمن اور مخالف نہ بھی کہے جائیں تو پاکستان کے بہی خواہ ہرگز نہیں کہے جا سکتے۔ یہ فرقہ پرست ایران کے حوالے سے بھی انتشار کی آندھیاں چلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ تہران میں کسی سنی فرقہ کو کوئی مسجد نہیں ہے۔ یہ اعتراض اس وقت کچھ وزنی ہو سکتا تھا جب تہران میں یا ایران کے کسی شہر میں کوئی شیعوں کی مسجد ہوتی۔ وہاں تو جو مسجد بھی ہے اللہ کی ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ تعمیر کنندہ کے نام سے منسوب ہے۔ تو جس ملک میں شیعہ ہی کی مسجد نہ ہو وہاں سنی کی مسجد کہاں سے آئے۔۔۔؟

سعودی عرب میں ہم نے کوئی شیعہ سنی مسجد نہیں دیکھی۔ سب اللہ ہی کی مسجدیں نظر آئی ہیں۔ اللہ کی مسجد اللہ سے چھین کر فرقوں کے نام سے ان کی نمائش کرنا تو صرف ہندوستان اور پاکستان کی پہچان ہے۔ پھر اگر اس شکایت میں کوئی وزن ہو تو ایران کے مختلف خطوں میں لاکھوں سنی آباد ہیں۔ ان کی طرف سے تو یہ شکایت کہیں بھی نہ دیکھی گئی، نہ سنی گئی۔۔۔! پاکستانی فرقہ پرست یہ وبا دوسرے اسلامی ملکوں میں کیوں لے جانا چاہتے ہیں؟ ایران میں تو سب سنی شیعہ ایک ہی مسجد میں مل جل کر ایک دوسرے کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ کوئی کسی کو روکتا ٹوکتا نہیں ہے۔ اگر پیش نماز سنی ہوتا ہے تو سب شیعہ اس کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ اور اگر پیش

نماز شیعہ ہوتا ہے تو سنی اس کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ اگر جماعت کے وقت کچھ لوگ نہیں پہنچ سکتے تو وہ اپنی سہولت کے مطابق فرادیٰ نمازیں ادا کرتے رہتے ہیں۔ یہ بدنصیبی تو ہماری ہے کہ ہم نے مسجدوں کو بریلوی، دیوبندی، اہلحدیث، اور اہل تشیع کے حوالے کر دیا ہے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات دیوبندی، بریلویوں کو اپنی طرف منسوب مسجد میں نماز تک پڑھنے نہیں دیتا۔ خداوند عالم ہمیں توفیق دے کہ ہم سعودی عرب اور ایران کی طرح مسجدوں کو اللہ کے حوالے کر دیں اور اس بے دینی کو جو دین کہلاتی ہے ترک کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔

۴۔ احرار کانفرنس۔۔۔! احرار کانفرنس قیام پاکستان کی سخت مخالف تھی۔ لیکن قیام پاکستان کے بعد مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا احسان احمد شجاع آبادی وغیرہ نے اپنے فکر و عمل کی غلطی کو محسوس کر کے پاکستانی جھنڈے کو سلام کر لیا تھا۔ اس جماعت کے باقیات و صالحات میں مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی اس حد تک پاکستان سے متنفر اور بے زار تھے کہ لدھیانے سے ان کے خاندان کا ایک ایک بچہ پاکستان منتقل ہو گیا مگر وہ دہلی چلے گئے، اور آخر کار اپنے محبوب وطن بھارت کی مٹی میں سو گئے۔ پاکستان میں نواب زادہ نصر اللہ خان بحمد اللہ حیات ہیں۔ چونکہ یہ رہنے والے ہی پاکستان کے تھے اس لئے ان کے جانے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن ۴۷ء میں اس وقت تک جناب نواب زادہ نے اُسے توڑ، اسے بنا۔۔۔۔۔ اُسے بنا، اسے توڑ۔۔۔۔ کے علاوہ کوئی فریضہ انجام نہیں دیا۔۔۔ ہم نواب زادہ نصر اللہ خان کے بڑے قدر دانوں اور مداحوں میں ہیں اور ہم ان کے شاعرانہ علمی اور ادبی صلاحیتوں کی بنا پر ان کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ لیکن ہم نے موصوف کے افکار و اقدامات میں توڑ پھوڑ کے علاوہ پاکستان کی تعمیر کا کوئی شوشہ نہیں دیکھا۔ اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے وہ سیکڑوں بار کراچی آئے ہیں لیکن بانئ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے مزار پر کبھی فاتحہ خوانی کی زحمت گوارا نہیں کی۔

یہی حال ولی خان صاحب اور جناب سرحدی گاندھی کا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو پاکستان سے مخلص ہے وہ بانئ پاکستان کا ضرور احترام کرتا ہے۔ غیر مسلم پاکستان آتے ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ قائداعظم کے مزار پر حاضری دے کر پھولوں کی چادر چڑھاتے ہیں اور دو چار قدم خاموش کھڑے رہ کر مرحوم کی عظمت کا اعتراف کرتے ہیں۔ اگر ان حضرات کے نزدیک فاتحہ پڑھنا درست نہیں ہے تو کیا مظاہرۂ احترام بھی حرام ہے؟ غرضیکہ پاکستان کے بہی خواہوں کو ایسے حضرات پر بھی نظر رکھنی چاہیے جو بانئ پاکستان سے عقیدت تو کجا۔۔۔۔ ان کو معمولی احترام

دینے کے لئے بھی تیار نہیں۔۔۔۔!!

۵۔ جئے سندھ۔۔۔۔ نہ کوئی تحریک ہے، نہ کوئی تنظیم۔۔۔۔ بلکہ چند تو ضماتی طور پر مایوس اور تخیلاتی طور پر محروم کچھ افراد کا مخلوط یا گروہ ہے۔ جناب جی ایم سید صاحب نے ۱۹۴۳ء میں یوپی، سی پی، بمبئی، بہار وغیرہ کے مسلمانوں کو دعوت دی تھی کہ وہ سندھ آئے اور یہاں صنعت وحرفت کو رواج دیں۔ کارخانے لگائیں، منڈیوں میں کاروبار کریں اور اہل سندھ کو کھیتی باڑی میں آگے بڑھنے کے سلیقے اور طریقے سکھائیں۔ تاکہ سندھی مسلم عوام غیر مسلموں کی لوٹ کھسوٹ سے محفوظ ہو جائیں۔ ۱۹۴۳ء میں قیام پاکستان ریزولیشن بھی سندھ اسمبلی سے پاس کرایا تھا۔ لیکن بعض ذاتی مفادات سے محرومی کی بنیاد پر وہ مسلم لیگ اور قائداعظم ہی سے نہیں بلکہ پاکستان سے بھی ناراض ہو گئے۔ اور چار کروڑ پنجابیوں کے خیالی بوجھ سے ذہنی طور پر اتنا دب گئے کہ نوے کروڑ ہندوؤں کے ہمالیہ پہاڑ کے نیچے اپنا کچومر تیار کرنے کی آرزو کرنے لگے۔ حالانکہ ہندوستان میں آباد مسلمانوں کا حال زار ان کے سامنے ہے بہار، اڑیسہ، یوپی، سی پی، وغیرہ کے مسلم کش فسادات اور اب میرٹھ، مراد آباد کے مسلم کش فسادات ان کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔ پھر بھی وہ ہندوستانی جھنڈے کو سلامی دینے کے آرزومند ہیں۔ اس تعلق میں موصوف کے عقلی اضطراب کے سوا کسی بات کا اور اک احسا کیا جائے۔ حکومت پاکستان اور حکومت سندھ نے عبدالغفار خان صاحب اور جناب جی ایم سید صاحب وغیرہ کو بھارت یاترا کی اجازت دے کر اپنی جمہوریت پسندی کا بھرپور مظاہرہ کر دیا ہے۔

اور جیسا کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہم کسی پر کوئی پابندی عائد نہیں کریں گے۔ ہر ایک کے اقدام اور ارشاد کا جواب سیاسی عمل اور زبان سے دیں گے۔ اگر ان حضرات کو بھارت جانے کی اجازت نہ دی جاتی تو حکومت کی جمہوریت پسندی کا مذاق اڑایا جاتا۔ حکومت نے ان حضرات کو ہر طرح سے آزادی دے کر پاکستانی عوام کے لئے زیر زمین سازشوں کو بے نقاب کر دیا ہے۔ یہ اب پاکستان کے باشندوں کا فرض ہے کہ وہ خود فیصلہ کریں کہ پاکستان کے تعلق میں کس کا راستہ کیا ہے۔۔۔!!؟

ہماری نئی نسل کی یہ ذمے داری ہے کہ وہ ٹھنڈے دل سے اور پرسکون دماغ سے پاکستان میں موجود سیاسی جماعتوں کا مطالعہ کریں کہ کون سی جماعتیں وہ ہیں جو پاکستان کی ترقی اور فلاح کے لئے اپنے پروگرام رکھتی ہیں۔ اور دوسری جماعتوں کے پروگراموں کو بوجوہ پاکستان کے مستقبل کے لئے مضر سمجھتی ہیں۔ اور ایک دوسرے سے بحث ومباحثہ کرتی ہیں۔ یہ

تمام جماعتیں ان کا نام کچھ بھی ہو، پاکستان کی مخالف نہیں کہی جاسکتیں۔ لیکن ہمیں اس جماعت کا ساتھ دینا چاہئے جو پاکستان کے حال اور مستقبل کے لیے مفید پروگرام اور منشور پیش کرے۔ ایسا پروگرام اور ایسا منشور جس پر عمل بھی ہو سکتا ہو، اس لئے کہ بعض پروگرام اور منشور منصوبے اور خاکے دیکھنے میں تو بڑے اچھے نظر آتے ہیں۔ لیکن عملی دنیا میں ان کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ اس تعلق میں مسلم لیگ نے اپنے "پانچ نکاتی پروگرام" یا منشور پر عمل شروع کر دیا ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ "احزاب اختلاف" کی طرف سے انتظامی مسائل نہ کھڑے کئے جائیں تو بہت جلد پاکستان میں عوام کی ہر آبادی تک قیام پاکستان کے فوائد پہنچ سکتے ہیں۔

شاید یہ بات کہنے میں بالکل حق بجانب ہوں کہ پاکستان میں پہلی بار عوام تک قیام پاکستان کے فوائد پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس لئے پہلے عوام کا نام تو بہت لیا گیا ہے۔ لیکن کام کی حد تک چند افراد اور بعض گروہوں کی فلاح و بہبود کے علاوہ کوئی نظر آنے والی عوام کی خدمت نہیں ہوئی ہے۔

"جنگ" کراچی، ۲ جون ۱۹۸۷ء
از: مولانا شبیر الحسنین محمدی

پاکستان مسلم لیگ اور اس کی خدمات

۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند اور قیام پاکستان کے ساتھ مسلم لیگ بھی دو حصوں میں بٹ گئی تھی جو ہندوستان میں آل انڈیا مسلم لیگ ہی کے نام سے آج تک باقی ہے اور جو کچھ اس سے ممکن ہے مسلمانوں کی خدمت کر رہی ہے۔ مسلم لیگ کا دوسرا حصہ آل پاکستان مسلم لیگ کہلایا۔ پاکستان مسلم لیگ اقتدار میں بھی آئی اور محروم اقتدار بھی رہی۔ اس کے وجود کے لیے کئی بڑے مہیب خطرے پیدا ہوئے لیکن یہ سب مراحل سے بسلامتی گزر کر آج کل اقتدار میں ہے جب پاکستان بنا تھا تو فطری طور پر مسلم لیگ کو اقتدار ملنا تھا اور وہ ملا اور اس وقت مسلم لیگ نے بڑے حوصلے اور ہمت سے مشکلات اور مصائب کا مقابلہ کیا اور پاکستان کی خدمت کے لئے ہر امکانی کوشش کی لیکن ہماری بدنصیبی سے قائداعظم کے انتقال پر ملال اور نوابزادہ لیاقت علی خان وزیراعظم پاکستان کے قتل سے مسلم لیگ کو شدید نقصان پہنچا۔ محترم خواجہ ناظم الدین مرحوم ایک انتہائی سادہ دل اور مخلص مسلم لیگی تھے وہ دجل وفریب کی سیاست سے ناآشنا تھے، اس لیے ان کو سول سروس کے بعض افراد نے جس طرح سے چاہا استعمال کیا۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ تشکیل پاکستان کی مساعی میں انڈین سول سروس کے کئی افراد نے مسلم لیگ کو ہر طرح کی مدد پہنچائی تھی اور مسلم لیگ کے عہدے داران کے تعاون اور خدمت سے واقف اور اس کی قدر کرتے تھے ان حضرات میں سے غلام محمد گگے زئی، سید زاہد حسین اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے پہلے گورنر، جنرل اسکندر مرزا، چودھری محمد علی وغیرہ نمایاں افراد تھے۔۔۔!!!

مسلم لیگ کے عہدے داروں نے بجا طور پر نظم حکومت میں ان کے تجربے اور صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا تاہم انہیں یہ یاد نہ رہا کہ سول سروس کا ذہن اگر سازشوں کی طرف مائل ہو گیا تو کیا گل کھلا سکتے ہیں۔ بہر حال غلام محمد صاحب گورنر جنرل ہو گئے انہوں نے جو گل کھلائے وہ کچھ ڈھکے چھپے نہیں ہیں، جنرل اسکندر مرزا نے بھی اپنی جگہ بنائی اور سول سروس کے کار پردازوں نے سیاستدانوں کو کٹھ پتلی کی طرح نچانے کا راستہ حاصل کر لیا۔ مارشل لاء در مارشل لاء کا چکر بھی سول سروس کے طالع آزماؤں کا ہی کرشمہ کہا جائے گا، چودھری محمد علی

بھی اسی گروپ کے نمایاں فرد تھے لیکن انہوں نے اپنے دورِ اقتدار میں سول سروس کے ہتھکنڈے نہیں اپنائے بلکہ پاکستان کو ایک متفقہ دستور دیا جسے جنرل ایوب خان اور جنرل اسکندر مرزا کی ملی بھگت نے بروئے کار آنے ہی نہیں دیا۔ سول سروس کو اقتدار کا ایسا چسکہ پڑا کہ اب تک کسی نہ کسی رخ سے وہ شریکِ اقتدار رہتی ہے اور بعض حالات میں تو کسی سیاسی جماعت کا وہ اقتدار پسند کرتی ہے تو کچھ دنوں وہ اسے چلنے دیتی ہے۔ ورنہ کوئی شوشہ چھوڑ کر اس کا فاتحہ پڑھوا دیتی ہے۔۔۔۔۔!!!

۱۹۵۶ء تک اسی طور پر مسلم لیگ کی حکومت تھی اس عرصے میں مسلم لیگ نے پاکستان کو اپنے پیروں پر کھڑا کیا، مسلم لیگ کی حکومت کے پاس حکومت چلانے کے لئے معمولی وسائل بھی نہیں تھے ریزرو بینک آف انڈیا سے جو حصہ پاکستان کو ملنا تھا وہ بھی پورا نہ دیا گیا تو بڑی لیت ولعل کے بعد۔۔۔ دفاتر کے لئے عمارتیں تک نہیں تھیں فرنیچر بھی رہی ہی ساتھ کاغذ قلم وغیرہ بھی ضرورت کے مطابق نہ تھا اور مہاجروں کی آمد کا ریلا بھی شباب پر تھا۔ اس صورتِ حالات میں مسلم لیگ کی حکومت نے یقیناً حیران کن انداز میں حکومت پاکستان کا کاروبار چلایا اور ایسے ہمت شکن اور اعصاب شکن ماحول میں نظمِ حکومت کو باقی رکھنا مسلم لیگ کا کارنامہ ہی کہا جائے گا،

۱۹۵۶ء کے بعد مسلم لیگ کا اقتدار سازشوں کے نتیجے میں ختم کر دیا گیا اور نئی پارٹی گھڑ کے حکومت کے سنگھاسن پر بٹھا دی گئی، تاہم مسلم لیگ نے سردار عبد الرب نشتر اور خان عبد القیوم خان کی سربراہی میں اپنے وجود کو باقی رکھا۔۔۔

۵۸ء میں انتخابات کا امکان نظر آ رہا تھا۔۔۔ مگر سول سروس کے شاطروں نے پھر ایک نیا کھیل کھیلا اور قوم پر مارشل لاء مسلط کر دیا گیا۔ جنرل محمد ایوب خان چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے کچھ عرصہ کے بعد محسوس کر لیا کہ کسی سیاسی جماعت کے بغیر اقتدار کے سنگھاسن پر زیادہ دیر متمکن نہیں رہ سکتے تاہم کسی نئی جماعت کی تشکیل کے بجائے موصوف نے مسلم لیگ کو اپنانا مناسب سمجھا جس کے نتیجے میں مسلم لیگ کے دو دھڑے بن گئے۔ کونسل مسلم لیگ اور کنونشن مسلم لیگ۔۔۔۔۔ کچھ عرصہ بعد قیوم گروپ کی شکل میں مسلم لیگ کا تیسرا دھڑا بن گیا اور اب خیر الدین گروپ اور قاسم گروپ بھی۔۔۔!! ہم نے اس وقت یہ رائے دی تھی کہ وہ مسلم لیگ کو دھڑوں میں تقسیم نہ کریں بلکہ مسلم لیگ کو ایک ہی رہنے دیں اور باہر سے اصلاح کی کوشش کی جگہ اندر سے سعیِ اصلاح کریں، برا ہو خواہشِ اقتدار کا کہ مسلم لیگ کے اس چودھری نے چیلنج

پارٹی کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور سفیر کی حیثیت سے انگلستان کی رونقوں میں گم ہو گئے۔ دولتانہ صاحب کی قوت تخریب نے پہلے بھی گل کھلائے تھے اور نواب افتخار حسین ممدوٹ کو جناح مسلم لیگ بنانے پر مجبور کر دیا، تاہم وہ نواب افتخار حسین کی وفات کے ساتھ ختم ہو گئی۔ پیپلز پارٹی کی طوفانی لہروں میں مسلم لیگ برگ خزاں دیدہ بنی ہوئی تھی کہ قدرت نے جناب سید سکندر علی شاہ پیر صاحب پاگارو کو مسلم لیگ کی صدارت تک پہنچا دیا یعنی

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند! والا معاملہ ہو گیا!

پیر صاحب پاگارو نے اپنی صلاحیت اور اہلیت کے ساتھ دولت و ثروت کی تمام توانائیاں مسلم لیگ کے تنِ مردہ میں جان ڈالنے کے لئے صرف کر ڈالیں، جنرل ضیاء الحق صاحب کے مارشل لاء میں تمام جماعتیں ختم کر دی گئیں، جماعت اسلامی نے تو فوراً معاشرتی جماعت کا روپ دھار لیا اور تحریک خدمت اسلامی نام رکھ لیا۔۔۔۔!!!

لیکن جناب پیر صاحب پاگارو نے نقاب بدلنا سیکھا ہی نہیں انہوں نے مسلم لیگ کے ساتھ کالعدم کا سابقہ لگا کے مسلم لیگ کی تنظیم کو زندہ رکھا، کبھی اپنی سالگرہ کا بہانہ اختیار کیا اور سارے ملک کے مسلم لیگیوں کو اکٹھا کر لیا۔ کبھی کسی استقبالیہ کا انتظام کر کے سب کو بلا لیا اور کمال یہ ہے کہ کبھی قانون کو ہاتھ میں نہیں لیا نہ کوئی پیسہ کسی سے مانگا۔ غرضیکہ پیر پگارہ نے اپنا ذاتی سرمایہ صرف کر کے مسلم لیگ کو زندہ رکھا اور اس حد تک مسلم لیگ کو توانائی مہیا کی کہ ۸۵ء کے الیکشن میں مسلم لیگ کے کارکن اور ہمنوا اکثریت سے اسمبلی میں پہنچ گئے اور طویل عرصہ کے بعد "بانی پاکستان جماعت" استحکام پاکستان کی مساعی میں مصروف ہو گئی۔ محمد خان جونیجو نے امکانی تیزی سے مارشل لاء ختم کیا۔ پاکستانی باشندوں کے بنیادی حقوق جن کو بحال کرنا عوامی حکومت کو یا تو یاد ہی نہ رہا تھا یا وہ جانتے تھے کہ عوام میں ان کی طاقت ایک ڈھونگ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی ہے اگر لوگوں کو بولنے لکھنے کی اور جلسہ جلوس کی اجازت دے دی گئی تو چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات والا معاملہ ہو جائے گا، اس تعلق میں مارشل لائی حکومت سے شکوہ بے کار ہے، کہ اس قسم کے دور حکومت میں تو دماغ کے سوتے اور سوچنے کے زاویے ہی بند کر دیئے جاتے ہیں۔ بولنا اور لکھنا چہ معنی دارد۔ یہ مسلم لیگ ہی ہے جو اپنی خدمات کے ریکارڈ پر اعتماد کرتی ہے اور بلا خوف و خطر وہ باشندگان پاکستان کے بنیادی حقوق کو بحال کر دیتی ہے، مسلم لیگ کی مخالف جماعتوں نے تحریر و تقریر اور اجتماع وغیرہ کی آزادی سے جو ناجائز فائدہ اٹھایا ہے اور پورے پاکستان خصوصاً سندھ کے امن و سکون کو تہہ و بالا کرنے کی کوشش کی ہے وہ

کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ لیکن مسلم لیگ پورے صبر و ضبط کے ساتھ سیاسی میدان میں امن دشمن ہنگامہ پسندوں کا مقابلہ کر رہی ہے۔

صدر پاکستان مسلم لیگ نے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے انتہائی مفید پانچ نکاتی پروگرام دیا۔ دوسری جماعتوں کی طرح انہوں نے ہنگامہ آرائی کا راستہ نہیں اختیار کیا بلکہ ٹھوس طریقہ اپنایا ہے اس مرحلہ پر ہم یہ جاننا چاہیں گے کہ دوسری جماعتوں کے خریطۂ خدمات میں کیا ہے؟

وہ بھی تو عوام کو بتائیں لیکن ہلڑ ہنگامے، جلوسوں، مظاہروں اور امن سوز حرکتوں کے علاوہ ان کے پاس ہے کیا؟ جو عوام کے سامنے لائیں، مسلم لیگ ہی وہ جماعت ہے جس نے انتہائی نامساعد حالات میں بھی قوم کی خدمت جاری رکھی، صدر پاکستان مسلم لیگ کا یہ پانچ نکاتی پروگرام شروع ہو چکا ہے اور اس کی تکمیل کے ساتھ پاکستان کی کایا پلٹ جائے گی۔۔۔۔۔ اور یہی مستقبل کا خوف ہے جس نے اپوزیشن جماعتوں کی نیند حرام کر رکھی ہے، لطیفہ تو یہ ہے کہ مسلم لیگ کو عوامی خدمات سے روکنے کے لئے اور مسلم لیگ کے عوامی پروگرام میں کھنڈت ڈالنے کے لئے خصوصیت سے کراچی کو چنا ہے۔

لیکن شکر ہے خدا کا کہ اب اہل کراچی خاصی حد تک خادموں۔۔۔۔ اور نعرے بازوں اور ہنگامہ پسندوں کو پہچاننے لگے ہیں۔ چنانچہ اپوزیشن نے کراچی کے امن کو تہ و بالا کرنے کے لئے سندھ اسمبلی پر عورتوں سے مظاہرہ کرا دیا کہ نفسیاتی طور پر عورت کے تعلق میں مسلمان بے انتہا حساس ہیں لیکن اہل کراچی نے اس ہولناک وار کو اس طرح کند کیا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ اس کے بعد عبدالستار افغانی صاحب کا جماعتی ڈرامہ شروع ہوا جس سے پہلے دن تو کچھ لوگ دھوکے میں آ گئے لیکن دوسرے ہی دن سے عوامی روش سے یہ ظاہر ہو گیا کہ یہ ہتھیار بھی غیر مؤثر ہو گیا ہے۔ اس ڈرامے کے بعد فوراً "ہڑتال شو" اسٹیج کیا گیا جس پر کچھ لوگوں نے مبارک سلامت کے بھی ڈونگرے برسائے لیکن ہر آنکھوں والا جانتا ہے کہ یہ حربہ بھی بری طرح ناکام ہوا۔۔۔۔!

حقیقت یہ ہے کہ کراچی کے لئے ہڑتال انتہائی اذیتناک امر ہے، کروڑہا روپے کا نقصان ہو جاتا ہے لاکھوں روزانہ مزدوری کرنے والے بھوکے مر جاتے ہیں، دفتروں میں حاضری دینے والے تکلیف دہ مصائب کا شکار ہوتے ہیں! تاہم چونکہ ہڑتال کرانے والوں کا کوئی ذاتی نقصان نہیں ہوتا وہ یا تو اپنے گھروں میں داد عیش و عشرت دیتے رہتے ہیں یا سکون

کے ماحول میں نئے ہنگاموں کی اسکیمیں بناتے رہتے ہیں مصیبت بھگتنا پڑتی ہے، بے چارے عوام کو! بہر حال مسلم لیگ کے علاوہ نہ پہلے کسی کو عوام سے ہمدردی تھی اور نہ اب ہے! اغرضکہ پاکستان مسلم لیگ کو صرف ایک سال ہوا ہے اقتدار میں آئے ہوئے، لیکن انہوں نے پورے ملک میں عوامی خدمت کا ایک ریکارڈ بنادیا ہے۔ حالانکہ ابھی مسلم لیگ کی تنظیم گویا عالم طفلی میں ہے ۵۶ء سے ۸۵ء تک مسلم لیگ شکست وریخت کا شکار رہی اسی لئے اس کی تنظیم کی طرف خصوصی توجہ کی ضرورت ہے اگر مسلم لیگ اسمبلیوں میں اپنی عددی اکثریت پر بھروسہ کرکے ممبران قومی وصوبائی اسمبلی کے سہارے مسلم لیگ کی تنظیم کی کوشش کرتی رہی تو مسلم لیگ عوامی اپیل سے محروم رہے گی۔۔۔!

صدر پاکستان مسلم لیگ اور صوبائی صدروں کو وزارتی فرائض سے زیادہ تنظیمی ذمے داریوں کی طرف توجہ مبذول کرنا چاہئے۔ نئے پرانے مسلم لیگیوں کے مناقشات نقصان رساں ہو سکتے ہیں اور یہ صرف اس لئے پیدا ہوئے ہیں کہ جو جس کام کا اہل ہے وہ اس سے نہیں لیا جاتا ہے اور مسلم لیگیوں کو وہ وزن نہیں دیا جاتا ہے جو تنظیم میں معاون ہو سکے:

ع من نہ گویم کہ این مکن آن کن
مصلحت بین و کار آسان کن

شبیہ الحسنین محمدی

۷ افروری ۱۹۸۷ء
از: مولانا شبیہ الحسنین محمدی

قومی حکومت کی تشکیل کا مطالبہ

گذشتہ چند روز سے پاکستان کے طول و عرض میں کہیں نرم اور کہیں گرم طریقے سے قومی حکومت کی تشکیل کا مطالبہ کیا جارہا ہے، اور اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ مژدہ بھی سنایا جارہا ہے کہ اگر قومی حکومت نہ بنائی گئی تو ملک ٹوٹ جائے گا۔ کچھ لوگ تو اتنے دیدہ دلیر ہیں کہ پاکستان کے قیام کے چند روز بعد ہی سے ہمیں ملک کے ٹوٹ جانے کی خوشخبری سناتے رہے ہیں۔ لطیفہ یہ ہے کہ بات بے بات ملک ٹوٹنے کے خطرے کا اعلان کیا جاتا ہے۔ فلاں صاحب وفاق کی علامت ہیں اگر انہیں جلد از جلد وزارت عظمٰی کی کرسی پر نہ بٹھایا گیا تو ملک ٹوٹ جائے گا اگر انہیں نزلہ ہو گیا تو ملک ٹوٹ جائے گا۔ فلاں صاحب کو سیاسی بخار ہو گیا تو ملک ٹوٹ جائے گا اور فلاں صاحب کا قیمتی مشورہ نہ مانا گیا تو ملک ٹوٹ جائے گا۔ ملک نہ ہوا۔۔۔۔۔۔ نمک کا ایک گھروندا ہوا کہ پانی کا ایک چھینٹا پڑتے ہی بہہ جائے گا۔

ملک نہ ہوا۔۔۔۔۔۔ موم کی ناک ہوا کہ ماچس کی تیلی کی تمازت سے بہہ جائے گا۔ یا دو ننھی منی سہیلیوں کی گڑیوں کا رشتہ ہوا۔۔۔۔۔۔ کہ ایک سہیلی ناراض ہوئی تو رشتہ ٹوٹ گیا۔ بنی گڑیاں الگ کرلیں اور گھر بستے بستے برباد ہو گیا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ملک کے ٹوٹنے کے مژدہ سنانے والوں کے لاشعور میں پاکستان کی کوئی محبت نہیں اور پاکستان کی محبت اس لئے نہیں ہے کہ انہوں نے خود یا ان کے بزرگوں نے پاکستان کی تشکیل کے ذیل میں کوئی تکلیف اٹھانا تو کیا ایک کلمۂ خیر کہنے کی معصیت گوارا نہیں کی۔

نفسیاتی طور پر ایک جھونپڑا بنانے والا اپنے گھر کے تنکوں سے اتنی محبت کرتا ہے کہ وہ ان کے بکھرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا اور وہ ان کو تحفظ دینے کی ہر طرح کوشش کرتا ہے۔ یہ درست ہے کہ مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنایا گیا لیکن اس تبدیلی کو لانے والے بھی کچھ فوجی تھے اور کچھ وہ سیاستدان جن کا تشکیل پاکستان کی مساعی میں کوئی حصہ نہیں۔ مغربی پاکستان کے کچھ خودغرض اقتدار پسند لوگوں نے جان بوجھ کر پاکستان کے مشرقی حصے کو ختم کیا تو وہ یہ سمجھتے تھے کہ مشرقی پاکستان میں شامل رہتے ہوئے ان کو حزب اختلاف میں بیٹھنا پڑے گا جس کے لئے وہ

تیار نہیں تھے اس لئے انہوں نے نعرہ بلند کیا کہ اُدھر تم اِدھر ہم۔
اور اگر کوئی مغربی پاکستان سے مشرقی پاکستان اسمبلی کے جلسے میں شرکت کرنے گیا تو اس کی ٹانگیں توڑ دی جائیں گی۔ غرض کہ مشرقی پاکستانیوں کی افرادی اکثریت کے ردعمل سے بچنے کے لئے انہوں نے پاکستان ہی کو داؤ پر لگا دیا کہ تشکیل پاکستان میں ان کا ذاتی اور اُن کے آباء واجداد کا کوئی حصہ نہیں تھا۔ لہٰذا وہ کسی قسم کا درد کیوں محسوس کرتے اسی قماش کا موجودہ پاکستان میں ایک ٹولہ موجود ہے۔ جو پنجاب کی اکثریت کو نشانہ بنا کر پاکستان میں انتشار پیدا کرتا رہتا ہے لیکن یہ خواب کبھی بھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا۔ مشرقی پاکستان کے جدا ہونے کا سبب تو موجود تھا کہ ہمارے مغربی اور مشرقی حصے میں سینکڑوں میل کا فاصلہ تھا اور درمیان میں ایک ایسا ملک پڑتا تھا جس نے ہم کو آج تک قبول نہیں کیا اور ہمیں نصیب اعداء ختم کرنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ یہ آرزو انشاء اللہ کبھی پوری نہیں ہوگی۔ موجودہ پاکستان میں ایک حصے سے دوسرے حصے کا ایک فٹ کا بھی فاصلہ نہیں اس لئے علیحدگی پسند بقراطوں کو پاکستان ٹوٹنے کا صرف خواب ہی نظر آسکتا ہے۔ دیوانے کے خواب کی طرح کوئی اس کی حقیقی حیثیت بھی نہیں ہوسکتی۔

اب جہاں تک کسی صوبے کی اکثریت کا رونا رونے کا تعلق ہے، تو اگر پنجاب کی اکثریت ختم بھی ہو جائے تو صوبہ سرحد اور بلوچستان، سندھ کی اکثریت کا رونا رو سکتے ہیں اور اگر سندھ کی اکثریت بھی کسی طرح ختم کردی جائے تو پھر بلوچستان صوبہ سرحد کی اکثریت کا ماتم شروع کرسکتا ہے۔ یہ دنیا کے عجیب وغریب لوگ ہیں کہ اپنے ہی ملک کے صوبوں کی اکثریت و اقلیت کے ماتم میں گرفتار ہیں۔ ہم نے دنیا کا دوسرا کوئی ملک نہیں دیکھا جو اس طرح کی احمقانہ سوچ میں مبتلا یا اس طرح کے دیوانوں کی سی باتیں کرتا ہو۔ ہمارے پڑوسی بھارت میں صوبہ یو۔ پی کی آبادی پچیس کروڑ سے زیادہ ہے اور وہاں بہار۔۔۔ بمبئی۔۔۔ اوڑلیسہ والا کوئی نہیں کہتا کہ یو۔ پی ہمیں کھا جائے گا یا ہمارا استحصال کر رہا ہے۔

پاکستان میں یہ شوروغوغا صرف وہ لوگ مچارہے ہیں جنہوں نے پاکستان کی تشکیل سے ہزار ہا قسم کے فائدے تو اٹھائے ہیں لیکن تقسیم ہند کی مشکلات میں کوئی تکلیف برداشت نہیں کی تھی۔ بلکہ ان کے ذہن مبارک سے پاکستان کی تشکیل کے لئے ایک تائیدی لفظ بھی نہیں نکلا تھا اس مرحلے پر میں پہلے بھی یہ مشورہ دے چکا ہوں اور اب پھر مشورہ دوں گا کہ اہل پنجاب جو ہمیشہ پاکستان کے لئے اور پاکستان کے ہر صوبے کے لئے ایثار کرتے رہے ہیں پنجاب کو توڑ

کر اٹک اور میانوالی کو صوبہ سرحد میں شامل کر دیں۔ ڈیرہ غازی خان کو بلوچستان میں ضم کر دیں۔ بہاولپور ڈویژن کو سندھ میں شامل کر دیں۔ ملتان ڈویژن کو سرائیکی صوبہ بنادیں اور صرف سرگودھا اور راولپنڈی ڈویژن کو پنجاب کی حیثیت سے باقی رکھیں۔

اس تبدیلی سے انتظامی آسانیاں میسر آجائیں گی اور پاکستان دشمنوں کے پتوں میں شاید پانی پڑ جائے۔ تاہم یہ خطرہ موجود ہے کہ پھر یہ حضرات شور مچائیں گے کہ اب فلاں ضلع بہت بڑا ہے وہ ہمارا استحصال کر رہا ہے ان کی خوشنودئ مزاج کبھی بھی حاصل نہیں ہو سکے گی کہ ان کے شعور اور لاشعور میں پاکستان کی دشمنی کا بھوت رقص بے خودی میں مصروف ہے۔

بہر حال آج کل قومی حکومت کی تشکیل کا مطالبہ زوروں پر ہے۔ ہم نے اس پون صدی کی عمر میں اپنے پڑوس یا دور افتادہ ملکوں میں سے کسی جگہ قومی حکومت بنتے ہوئے نہیں دیکھی۔ اس لئے ضرورت تھی کہ قومی حکومت کا مطالبہ کرنے والے اس کے قیام کے لئے کوئی دلیل پیش کرتے لیکن مطالبے کے علاوہ یہ لوگ کوئی معمولی سی وجہ اور غرض بھی بتانے سے قاصر ہیں۔ مارشل لاء کے زمانے میں ہم ایک نیم حکومت کا تماشہ دیکھ چکے ہیں۔ مسلم لیگ جماعت اسلامی پی پی پی وغیرہ یعنی قومی اتحاد کی جماعتوں نے مل جل کر حکومت تشکیل دی تھی اس کا جو حشر ہوا وہ سب کے سامنے ہے۔ چونکہ ہر جماعت کے منشور اور اس کے اغراض الگ تھے۔

ہر جماعت کے وزراء کی کارکردگی کا رخ جدا تھا۔ اس لئے وہ اپنی اپنی پارٹیوں کو آگے بڑھانے کی بیماری میں مبتلا رہے۔ اور قوم کو کچھ نہ دے سکے۔ اور ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ صرف مسلم لیگ کے وزراء نے قومی نکتۂ نظر کو سامنے رکھنے کی کوشش کی۔ باقی سب اپنا اپنا راگ گاتے رہے۔ اس وقت پاکستان میں مسلم لیگ کی حکومت قائم ہے جو غیر جماعتی سہی لیکن انتخابی عمل سے گزر کر برسر اقتدار آئی اور اس نے آتے ہی مارشل لاء کا جنازہ پڑھ دیا۔ اور بیس سال سے جو قوم کے حقوق حکمرانوں کی دست برد کا شکار بنے ہوئے تھے بلا تکلف بحال کر دیئے۔ اس وقت جو اپوزیشن کی جماعتیں جلسے کرا رہی ہیں، جلوس نکال رہی ہے اور قومی حکومت کا مطالبہ کر رہی ہے یہ سب مسلم لیگ کی خدمت کا ردعمل ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کی حکومت بھی ملت پاکستانیہ کے شہری اور بنیادی حقوق اس خوف سے بحال نہیں کر سکتی تھی کہ ان کو اچھی طرح سے پتا تھا کہ ملک کی ستر فیصد آبادی یقیناً ان کے خلاف ہے۔ اگر ان کو آزادی مل گئی تو چند روز میں ان کی حکومت کا طنطنہ اور ولولہ ختم ہو جائے گا۔ اور نام نہاد عوامی حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے گا۔ یہ مسلم لیگ کی حکومت ہے جس نے آج تک ہر بدتمیزی کو برداشت کیا اور کسی

مرحلے پر بھی قانون کا سہارا نہیں لیا، کاش ملت پاکستانیہ آنکھیں کھول کر دیکھیں تو صرف مسلم لیگ کی یہ خدمت ہی اس قابل ہے کہ مسلم لیگ کی حکومت کو زیادہ سے زیادہ تعاون دیا جائے۔

اگر بفرض محال قومی حکومت بنالی جائے تو قومی ذہن کیسے پیدا کیا جائے گا۔ وحدت فکر و عمل کہاں سے لائی جائے گی، وہ جماعتیں جو قومی حکومت کا مطالبہ کر رہی ہے آج تک انتہائی خواہش اور کوشش کے باوجود ایک کل جماعتی جلسہ نہیں کر سکے۔ اگر چند جماعتیں اس جلسے کی تائید کرتی ہے تو کچھ دوسری جماعتیں مخالفت کرنے لگتی ہیں۔ مولانا نورانی کا گروپ اس پتھر کو چوم کر بیر انداختہ ہو چکا ہے ابھی تک تو یہ ہی طے نہیں ہے کہ اس کل جماعتی کانفرنس میں کون کون شریک ہوگا۔؟ اور کیا کیا جائے گا؟ یعنی اس کا موضوع کیا ہوگا؟ خود بانیان کرام طے نہیں کر پائے ہیں کہ کس کو شامل کیا جائے اور کس کو نہ کیا جائے۔ جماعت اسلامی اور مسلم لیگ کے لئے تو ان کی اکثریت کہتی ہے کہ انہیں شامل نہیں کرنا چاہئے۔ اب انہیں کون سمجھائے کہ اگر یہی دو جماعتیں شریک نہ کی جائے تو یہ کل جماعتی جلسہ کیسے کیا جائے گا۔ تحریک استقلال اور کئی دوسری جماعتیں پہلے ہی اختلاف کے گھوڑے پر سوار ہیں۔ بھلا جو مل جل کر ایک جلسہ نہیں کر سکتے وہ قومی حکومت کس طرح چلا سکتے ہیں۔ کوئی دیوانہ ہی ان کی باتوں پر عمل کر سکتا ہے معمولی عقل و دماغ والا بھی ان کے ارشاد عالی کو ماننا تو کجا، اس کے سننے کے لئے بھی تیار نہیں ہو سکتا۔

ایک منتخب حکومت برسر اقتدار ہے تو آخر ہمیں یہ جاننے کا حق ہے کہ اس کو ختم کر کے قومی حکومت کیوں بنائی جائے؟ کون سا زلزلہ آ گیا ہے کون سی قیامت قریب ہے؟ بغیر کسی وجہ اور سبب کے محض چند لوگوں کے انا اور خود پرستی کی تسکین کے لئے ایک منظم اور مضبوط حکومت کو ختم کر کے انتشار اور خلفشار کو آگے بڑھنے کا موقع دی جائے۔ اب رہ گی دھماکوں کو ہونا، یا روس سے درآمد کردہ نام نہاد لسانی قومیتوں کا آپس میں تصادم یہ ایسے حالات نہیں ہے جو موجودہ حکومت کے قابو سے باہر ہو۔ سب سے زیادہ یہ ہنگامہ آرائیاں کراچی میں سوچ سمجھ کے کی گئی ہے اور کرائی گئی ہیں۔ کچھ جماعتیں اس شہر کے امن کو بحال نہیں دیکھنا چاہتیں۔ وہ تازہ بہ تازہ شعلے بھڑکاتی رہتی ہے۔ اگر ہماری پولیس دیانت دارانہ تحقیق کرے تو فساد کے مرکزوں یعنی گلبہار لیاقت آباد کی معمولی دیکھ بھال سے یہ پتا چلایا جا سکتا ہے کہ ان علاقوں میں کس جماعت کی گرفت ہے اور کس جماعت کے پاس جوانوں کو دینے کے لئے دولت کا انبار موجود ہے۔ سعودی عرب، کویت، اور امریکہ سے دولت کا سیلاب کس جماعت کی طرف بہہ رہا ہے اور یہ جماعت ہر حادثے اور دھماکے پر ہنگامے کھڑا کر کے مجرموں کو پولیس کی گرفت سے نکل جانے

کا موقع فراہم کرتی ہے کہ پولیس اور انتظامیہ کے دوسرے اہل کار قوم کو نئی تباہیوں سے بچانے کے لئے ادھر متوجہ ہو جاتے ہیں اور مجرم کہیں سے کہیں نکل جاتے ہیں۔ کیا پولیس کے بڑوں آئی جی اور ڈی آئی جی وغیرہ کو دیانت دار سب انسپکٹروں اور تفتیشی افسروں کا پتا نہیں ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس شہر کے بہت سے لوگ اس تعلق میں ان کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ان لوگوں کو کھینچا تانی میں نہ ڈالا جائے۔ اس لئے کہ پولیس کا طریقۂ واردات یہ بھی ہے کہ کوئی کسی حادثے میں گواہی دے دے یا انتظامیہ کی مدد کرلے تو اسے اتنا زچ اور پریشان کر دیا جاتا ہے کہ وہ تھانوں میں جانے سے توبہ کر لیتا ہے اور پولیس والوں کو دیکھ کر ادھر اُدھر ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ غرض کہ کراچی ہی ہنگاموں کا مرکز ہے، یہ تو خدا کا فضل ہے کہ اس مرحلے پر سید غوث علی شاہ جیسا سندھ کا چیف منسٹر ہے، جو مدبر بھی ہے اور غیر معمولی محنتی بھی۔ اور جو بڑی آسانی سے ہنگامہ آرائیوں کو کنٹرول کر سکتا ہے۔ اور کر لیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انتشار پسند جماعتیں یہ خود سمجھتی ہے کہ محمد خان جونیجو کی حکومت نہیں ختم کیا جا سکتی جب تک کہ سید غوث علی شاہ کی حکومت نہ ختم کی جائے کیونکہ یہ دونوں ایک حد تک پیدائشی مسلم لیگی ہیں۔ اور کبھی کسی دوسری جماعت میں نہیں رہے۔ اور بے لوث اور دیانت دارانہ ملک اور قوم کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اس وجہ سے انتشار پسند جماعتیں محمد خان جونیجو کو ختم کرنے کے لئے غوث علی شاہ کے خلاف محاذ آراء رہتی ہے اور ان کو محمد خان جونیجو تک پہنچنے کے لئے زینہ کے طور پر استعمال کرنا چاہتی ہے جو انشاء اللہ کبھی کامیاب نہیں ہوں گی۔

یہ دھماکے اور حادثے تو ہمارے مقابلے میں سینکڑوں گنا زیادہ بھارت، بنگلہ دیش، سری لنکا، افغانستان اور ایران وغیرہ میں ہو رہے ہیں، لیکن ان حالات میں وہاں کوئی جماعت اور کوئی شخص قومی حکومت کا مطالبہ نہیں کرتا۔ اس لئے کہ سب جانتے ہیں کہ ایک جماعت کی حکومت کی وجہ سے جو نظم و ضبط باقی ہے وہ بھی سب ختم ہو جائے گا اور افراتفری اور انتشار کی ایسی آندھیاں چلیں گی ایسے طوفان اٹھیں گے کہ اس سے عزت اور جان بچانا پاکستان کی قوم کے لئے جان جوکھوں کا کام بن جائے گا۔ اور میں پھر کہوں گا اور زور دے کر کہوں گا کہ ملت پاکستانیہ آنکھ کھول کر دیکھیں کہ قومی حکومت کا مطالبہ صرف وہ افراد کر رہے ہیں اور وہ جماعتیں کر رہی ہیں جن کو پاکستان کے حال اور مستقبل سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ صرف اپنے لئے ان کو ایک کرسی کی ضرورت ہے۔ ان جماعتوں میں سے بھی جو پاکستان دوست نہیں انہوں نے واضح اعلان کیا ہے کہ کچھ جماعتوں کو نظر انداز کر کے چند جماعتوں کے جلسے کا نام کل جماعتی

رکھ دینا مفید نہیں ہو سکتا۔

بہر حال یہ وقت کسی طرح سے بھی قومی حکومت کے مطالبے کا نہیں اگر حزب اختلاف پاکستان کے حال اور مستقبل سے کھیلنا نہیں چاہتا تو اس کو چاہیے کہ اپنی اپنی توانائیوں کے نتائج حکومت پاکستان کے حوالے کریں اور حکومت کے خلاف شور و غوغا ترک کی سوچ سمجھ کے حکومت کو ایسے مشورے دے کہ جس سے وہ حادثوں اور دھماکوں پر اور نسلی فسادات پر قابو پا سکے۔ جب امن و امان بحال ہو جائے تو حکومت میں تبدیلی کسی مناسب انداز سے لائی جائے بشرطیکہ اس کی کوئی ضرورت ہو۔ ورنہ اپنے وقت پر انتخاب ہو اور انتخاب کے سہارے حکومت کو تبدیل کر دیا جائے۔ اگر غیر جمہوری ہتھکنڈے استعمال کر کے حکومت کو بدلنے کی کوشش کی گئی تو اس کے نتائج اتنے تلخ ہوں گے کہ بڑے بڑوں کا ذائقہ مدتوں بحال نہ ہو سکے گا۔۔۔۔!!!

پاکستان زندہ باد

شبیہ الحسنین محمدی

از مولانا شبیہ الحسنین محمدی

(نوائے وقت، ۱۹ مارچ ۱۹۸۷ء صفحہ ۱۱ پر شائع ہوا

سیاست دان اور خواہش اقتدار

دنیا میں ترقی کے ناطے سے دو قسم کے ملک پائے جاتے ہیں، ترقی یافتہ اور ترقی پذیر۔ ترقی یافتہ ملک وہ کہلاتے ہیں جو صنعت و حرفت، زراعت و تعلیم وغیرہ میں اپنی منزل کو حاصل کرنے کے بعد دوسرے ممالک کو سرمایہ یا مصنوعات اور علم و تجربہ مہیا کرنے کے قابل ہیں۔ جیسے امریکہ برطانیہ فرانس جرمنی روس چین جاپان وغیرہ۔ دوسری قسم ترقی پذیر ملکوں کی ہے جن کی فہرست خاصی طویل ہے، یوں سمجھ لیجئے کہ چند ترقی یافتہ ملکوں کو چھوڑ کر دنیا کے تمام ممالک ترقی پذیری کی لائن میں لگے ہوئے ہیں۔

پاکستان ہر لحاظ سے ایک ترقی پذیر ملک ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ترقی پذیری کا عالم طفولیت اس پر طاری ہے، اس لئے کہ یہاں جو ذہین افراد اقتدار کی کرسی تک پہنچے انہوں نے ماضی کے نقوش و نشانات کو تہ و بالا کیا اور نئی بساط سجائی اور جدید نقشے مرتب کئے یعنی ''ہر کہ آمد عمارت نو ساخت'' کا جھنڈا لہرایا گیا، اور ہر صاحب اقتدار ایک نئے طرز حکومت کی بنیاد رکھنے میں مصروف ہو گیا۔ کسی صاحب نے صدارتی طرز اپنایا، کسی صاحب نے مارشل لاء اور جمہوریت کے مکسچر سے کام لیا۔ کسی صاحب نے جماعتی انتخاب کو مناسب سمجھا، کسی صاحب نے اسمبلی تک پہنچنے کے لئے بی۔ ڈی کی سیڑھی ترتیب دی۔ اور کسی صاحب نے تمام سیاسی جماعتوں کو معطل اور کالعدم قرار دے کر انفرادی اور شخصی انتخابات کا اشغلہ چھوڑ دیا۔ اور اسی بنیاد پر الیکشن کرا دیئے۔ تاہم چونکہ غیر جماعتی انتخابات نظم حکومت کو جاری اور ساری رکھنے کا وسیلہ ہو ہی نہیں سکتے تھے، اور شاید اس کے موجدوں کا ذہنی پس منظر یہی تھا کہ غیر جماعتی بنیادوں پر اسمبلی تک آنے والے اجتماعی ذہن کے مقاصد کی تکمیل نہیں کر سکیں گے، اس لئے اپنا راجہ ہی راج کرتا رہے گا، اور رسم و اسم کی حد تک اسمبلیاں بھی موجود رہیں گی۔

لیکن جناب پیر پگارا نے انتخابات کے اعلان کے ساتھ ہی کہنا شروع کر دیا تھا کہ مسلم لیگ سے دلچسپی اور وابستگی رکھنے والوں کو ووٹ دیا جائے اس کے نتیجے میں اسمبلیوں میں

مسلم لیگ اکثریت میں پہنچ گئے اور گویا غیر جماعتی انتخابات میں سے جماعت برآمد ہو گئی، مسلم لیگ نے سب سے پہلے مارشل لاء کی عملی فاتحہ خوانی کی۔ اور عوام کی ضبط شدہ بنیادی حقوق کی بحالی کے بعد قوم اور ملک کی ترقی کے لئے ایک انتہائی موثر اور مفید "پانچ نکاتی" پروگرام پیش کر دیا۔ اس پروگرام پر ہر صوبے میں ہی نہیں بلکہ ہر شہر، قصبے اور دور افتادہ دیہات میں بھی اس کے منافع اور ثمرات نظر آنے لگے ہیں۔ اور انشاء اللہ جلد ہی نکتہ چینوں اور کج نگاہوں کو بھی نظر آنے لگیں گے۔

مسلم لیگ نے عملاً یہ فیصلہ بھی کر دیا کہ ملک کا نظام حکومت پارلیمانی ہوگا، اور واضح طور پر اعلان کر دیا کہ آئندہ انتخابات جماعتی بنیاد پر ہوں گے۔ یہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ پاکستان کو مسلم لیگ نے قائد اعظم محمد علی جناح کی سربراہی میں بنایا تھا، اور قائد اعظمؒ پارلیمانی طرز حکومت کو ہی پاکستان کے لئے مفید اور موزوں سمجھتے تھے، اور اسی لئے اس کو وہ رو بہ عمل لائے، اگر کوئی دوسرا طرز حکومت قائد اعظم یا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ اور کونسل کی نظر میں مفید ہوتا تو کوئی نہ کوئی تو اس طرز حکومت کا ذکر مذکور ہوا ہوتا۔ لیکن کسی دوسرے طرز حکومت کی پاکستان کے لئے افادیت ہی نہیں تھی اس لئے ان بزرگوں نے پارلیمانی طرز حکومت کو اختیار اور رائج کیا اور جب موقع پرستوں نے مسلم لیگ کی بساط اقتدار کو لپیٹا کو پاکستان کو اپنی خواہش اور مرضی کے مطابق مختلف اور متعدد طرز ہائے حکومت کی تجربہ گاہ بنا ڈالا، تاہم آخر کار ۸۵ء میں مسلم لیگ کو اقتدار میں آنا نصیب ہوا تو اس نے قائد اعظم کا طرز حکومت کسی تاخیر کے بغیر بحال کر دیا۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہے اور ترقی پذیر ملک ہونے کے ناطے سے اور پارلیمانی طرز حکومت کی وجہ سے جو سیاسی جماعتیں تھیں بحال ہو رہی ہیں، اور نئی سیاسی جماعتوں کی تشکیل و تنظیم کا ڈول بھی ڈالا جا رہا ہے۔ اس وقت تک ستائیس جماعتوں نے الیکشن کمیشن سے رجسٹریشن کی سند حاصل کر لی ہے۔ بہت سی جماعتیں ایسی بھی ہیں جنہوں نے ابھی تک رجسٹریشن کے لئے الیکشن کمیشن سے رجوع نہیں کیا ہے، اور آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا!!!

سیاسی جماعت کی تشکیل صرف اس لئے کی جاتی ہے کہ اقتدار کی کرسی حاصل کر کے اپنے منشور کے مطابق ملک کو چلاتے رہیں، یہ حقیقت بالکل ظاہر ہے کہ پاکستان کی ساٹھ ستر سیاسی جماعتیں اقتدار کے سنگھاسن تک تو نہیں پہنچ سکتیں۔ ایک ہی جماعت اقتدار میں آسکتی

ہے۔ اقتدار حاصل کرنا تو بڑی بات ہے، جماعتوں کی کثرت کے نتیجے میں معمولی مقاصد کو بھی حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اسی لئے ملک کے کچھ اقتدار پسند اور اقتدار خواہ حضرات نے ''ایم آر ڈی'' کی تشکیل کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان میں سے کوئی جماعت بھی تنہا حکومت تو کیا کچھ بھی حاصل نہیں کرسکتی، اور اس طرح سے ظاہر ہو گیا ہے کہ یہ جماعتیں بعض حضرات کی تسکین نفس کا سامان مہیا کرنے کے لئے بنائی گئی ہیں، یعنی ہر انسان کسی نہ کسی شکل میں اقتدار چاہتا ہے، اگر حکومت نہ مل سکے تو کسی جماعت کی صدارت یا نظامت جذبۂ اقتدار پسندی کی پیاس کو کچھ نہ کچھ بجھا دیتی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ کچھ لوگ تو اپنے اہل خانہ پر جس میں بیوی بچے نوکر چاکر شامل ہوتے ہیں، حکومت چلا کر لطف اقتدار حاصل کر لیتے ہیں اور بس۔۔۔۔۔! کچھ اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں میں پڑھا کر لڑکے بالوں پر اقتدار اعلیٰ کا مظاہرہ کر لیتے ہیں، کچھ انتظامیہ میں پٹواری سے کمشنر تک اور کانسٹیبل سے آئی جی تک عہدے حاصل کر کے جذبۂ اقتدار کی تشنگی سے آشنا ہو جاتے ہیں، کچھ اور حوصلہ مند افواج ریلوے ہوائی یا بحری جہازوں پر کسٹم، ایکسائز یا انکم ٹیکس وغیرہ وغیرہ میں افسر یا افسر اعلیٰ بن کر اقتدار کے مزے اڑاتے رہتے ہیں۔۔۔۔۔! تاہم دولتمندوں کی ایک بہت بڑی تعداد دانشوروں کا ایک طبقہ اور جذبۂ ملک وقوم سے سرشار کچھ لوگ سیاسی جماعتیں بنا کر مرحلۂ اول میں صدر و سیکریٹری بن کر اقتدار کے نشے کی کیفیت سے آشنا ہوتے ہیں ان میں سے اکثریت صرف صدارت اور نظامت حاصل کرنے ہی کے لئے جماعت بناتے ہیں۔۔۔۔۔!!

ایم آر ڈی میں اور اس کے باہر بھی کئی ایسی جماعتیں موجود ہیں جن کے شرکاء کی تعداد بآسانی انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے لیکن بیچارے LUST OF POWER کو کہاں لے جائیں، کچھ نہ ہونے کے باوجود ایم آر ڈی میں شامل ہو کر نام کی حد تک اپنے وجود کی نمائش کرتے رہتے ہیں ''گوشت خاک ہیں، مگر آندھی کے ساتھ ہیں!'' غرضکہ ہمارے ملک کی سیاسی جماعتیں سیاسی امور سے اپنی وابستگی کے لئے کم۔۔۔۔۔۔ زیادہ تر اخبارات وغیرہ میں اپنی نمائش کے لئے بنائی جاتی ہیں۔ بعض جماعتیں یقیناً مرکزی تو کیا صوبائی اسمبلی کی ایک نشست بھی حاصل نہیں کرسکتیں اس کے باوجود جماعت کی چھتری کے نیچے بیٹھے ہوئے ہیں، اگر ان سے درخواست کی جائے کہ آپ کی تنظیم لظم قومی کی تباہی کا باعث ہے مہربانی کر کے کسی ملتے جلتے اغراض ومقاصد والی جماعت میں ضم ہو جائیے تو یہ حضرات اس کے لئے بھی تیار نہیں ہو سکتے کہ۔۔۔۔۔ صدارت کا تخت الٹا ہو جائے گا اور یہی حرصِ اقتدار کی تسکین کا سبب ہے جب

ان حضرات کی انا اس حد تک خود پرستی کی بیماری میں مبتلا ہے تو یہ قوم اور ملک کو کیا فائدہ پہنچا سکتے ہیں اس لئے انتشار اور افتراق ہی پر ان کی زندگی کا انحصار ہے۔ ہم چھوٹی بڑی سب جماعتوں کے کردار اور ان کے وجود کی افادیت پر کسی دوسرے مرحلے پر گفتگو کریں گے اس وقت مختصراً یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ جو جماعتیں ایم آر ڈی کی خیالی چھتری کے نیچے اکٹھا ہوئی ہیں اُن کے پاس بھی کوئی مثبت پروگرام نہیں ہے۔۔۔۔۔!!

ایم آر ڈی کا کنبہ بڑے غور و خوض کے بعد چار نکتوں پر متفق ہوا ہے

۱۔ ۷۳ء کے آئین کی بحالی

۲۔ مارشل لاء کا خاتمہ

۳۔ جماعتی انتخابات

۴۔ صدر ضیاء الحق کا استعفاء

ان چاروں نکتوں میں سے ۳ نکتے جناب محمد خان جونیجو کی سربراہی میں مسلم لیگ نے انجام کو پہنچا دیئے ہیں۔

نمبر ۱: ۷۳ء کا آئین بحال کر دیا ہے اسی کے تحت ملک کا سارا کاروبار چل رہا ہے۔

نمبر ۲: آنے والے انتخابات جماعتی بنیادوں پر کرائے جائیں گے۔

نمبر ۳: سنہ ۸۵ء میں مارشل لاء کا قل پڑھا جا چکا ہے، یعنی ایم آر ڈی کا ہاتھی تو سرنگ سے گزر چکا ہے صرف اس کی دم باقی رہ گئی ہے یعنی صرف صدر ضیاء الحق کا استعفاء مقاصد اتحاد میں سے باقی ہے جو صدر ضیاء الحق صاحب کے ریفرنڈم کی مدت پوری ہوتے ہی معدوم ہو جائے گا اور اس طرح۔۔۔۔ ایم آر ڈی کی کرسی کے چاروں پائے ختم ہو جائیں گے اور نتیجتاً یہ اتحاد اپنی موت آپ مر جائے گا اور وہ لوگ جنہوں نے اپنی کمزوریوں کو محسوس کر کے اتحاد کو اپنی مشکلات کا خاتمہ کرنے کے لئے ضروری سمجھا تھا پھر انتشار کا شکار ہو جائیں گی گویا ان چار نکات پر اتحاد کی بنیاد رکھ کے بقول غالب۔۔۔۔۔

؎ ''مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی''

تخریب کی بنیاد رکھ دی گئی ہے، میں نہیں سمجھتا کہ کوئی باسواد اور باشعور پاکستانی ایم آر ڈی کے انتشار و افتراق بداماں قافلے کا ساتھ دے سکتا ہے۔۔۔!!!

بقول شخصے ایم آر ڈی نے ایک اور کارنامہ انجام دیا ہے اور وہ ہے مرکز اور صوبوں میں اختیارات کی تقسیم، ایم آر ڈی نے مرکز کو جو اختیارات عطا فرمائے ہیں وہ چار ہیں

۱: دفاع

۲: خارجہ

۳: کرنسی

۴: مواصلات۔

صرف یہ چار شعبہ مرکز کے پاس رہیں گے۔ سنا ہے کہ کسی اخبار نویس نے ایم آر ڈی کے بقراطوں اور بزرجمہروں سے یہ پوچھ لیا کہ مرکز ان شعبوں کو چلائے گا کس طرح سے؟ کہ مالیات کا تو کوئی انتظام کیا ہی نہیں گیا ہے۔۔۔!! تو ایک صاحب نے بڑے خلوص کے ساتھ کہا کہ مرکز کو جو حقوق دیئے گئے ہیں وہ بہت سوچ سمجھ کے بہت ہی غور کر کے بڑے ہی مخلص لوگوں نے دیئے ہیں جو پاکستان کے مستقبل کی کمزوری کا تصور کر ہی نہیں سکتے اب رہ گیا مرکز کے مالی وسائل کا معاملہ تو وہ صوبے اپنی مالی حیثیت کے پیش نظر مرکز کے لئے مناسب سرمایہ فراہم کرتے رہیں گے۔۔۔۔۔۔ بچارے ممتاز بھٹو اور عبدالحفیظ پیرزادہ اور جناب جی ایم سید وغیرہ کو چین کی بنسری بجانا چاہئے کہ ان کے مقاصد کی تکمیل چٹکی بجاتے میں بڑے خلوص کے ساتھ ایم آر ڈی کے چودھریوں نے کردی ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

پاکستان کے باشندوں کو آنکھیں کھول کر ایم آر ڈی کی پاکستان دوستی کے مظاہر کو مرحلۂ اوّل ہی میں سمجھ لینا چاہیے، اگر اس کنبے کی کسی جماعت کو بھی اقتدار حاصل ہو گیا تو وہ نصیب اعداء پاکستان کے تیئے پانچے میں کوئی تکلف نہیں کرے گی۔ ایم آر ڈی میں کچھ جماعتیں ایسی بھی شامل ہیں جو اقتدار میں رہ چکی ہے، انہوں نے اپنے دور اقتدار میں پاکستان کو دولخت کرنے کے ساتھ ساتھ پاکستان کو طویل ترین مارشل لاء کا تحفہ دیا۔ ایک جماعت تو یہ نعرہ لے کر اٹھی تھی کہ روٹی، کپڑا اور مکان، لے کے رہے گا ہر انسان۔ یہ اس جماعت سے یا اس جماعت کی تاریخ سے پوچھئے کہ اس نے کتنے بے گھروں کو گھر دیئے۔ کتنے بے روزگاروں کو روزگار مہیا کیا۔ اور کتنے برہنہ افراد کو لباس عطا کیا۔ ہمارے علم میں تو روٹی کی جگہ مزدوروں کو گولیاں ملی تھی۔ کپڑا مانگنے والوں کو جیلوں کے کمبل عطا ہوئے تھے۔ چند بے گھروں کو پانچ پانچ مرلے کے پلاٹ دیئے گئے تھے جن پر دستخط حکومت کے نمائندے نے نہیں۔۔۔۔ پارٹی کے نمائندے نے کئے تھے۔ جب ان کو متعلقہ دفاتر میں حاجتمندوں نے پیش کیا تو متعلقہ حکام نے یہ خوشخبری سنا دی کہ ان کاغذوں کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے، اس لئے کہ کسی افسر مجاز کے بجائے پارٹی کے عہدے دار کے دستخط ہیں جو سرکاری دفاتر میں بے معنی ہیں اس جماعت نے

انتخابات میں جو دھاندلیاں کی تھیں، اب اس کا اقرار اس وقت کے مرکزی وزراء اور صوبائی وزرائے اعلیٰ بھی کرنے لگے ہیں۔ سندھ کے موجودہ وزیر اعلیٰ جناب سید غوث علی شاہ صاحب ۷۷ء کے انتخابات میں واضح اکثریت سے جیت رہے تھے لیکن دھاندلی کے سہارے ہارے ہوئے امیدوار کو بغیر کسی شرم و حیا کے کامیاب قرار دے دیا گیا۔ اسی انتخاب میں سید غوث علی شاہ پر باقاعدہ فائرنگ بھی کی گئی تو خدا نے ان لوگوں کو گولیوں کی بارش میں محفوظ رکھا، اور انہوں نے خیر پور واپس آ کر ایک پبلک جلسے میں کہا کہ

"مجھے راستے سے ہٹانے کے لئے مجھ پر قاتلانہ حملہ کرایا گیا ہے، گو میں سندھ کا باشندہ ہوں اور بدلہ لینے کی طاقت رکھتا ہوں لیکن میں جانتا ہوں کی مجھ پر حملہ کرنے والوں کو بہکایا گیا ہے، ان کا کوئی قصور نہیں ہے، میں حملہ کرنے والوں کو اور حملے کی تحریک کرنے والے پردہ نشینوں کو کوئی جواب نہیں دوں گا ان کے حق میں دعائے خیر کروں گا کہ وہ سچ اور حق کو پہچاننے کے اہل ہو جائیں اور اگر کبھی مجھے اقتدار حاصل ہوا تو میں انشاء اللہ گولیاں برسانے والوں کی بھی اسی طرح خدمت کروں گا۔ جس طرح اپنے دوستوں کی۔"

اور زمانہ دیکھ رہا ہے کہ سید غوث علی شاہ جب سے اقتدار میں آئے ہیں، مخالف اور موافق کے امتیاز سے بلند ہو کر ہر حاجت مند کی خدمت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور سید غوث علی شاہ صدر صوبائی مسلم لیگ سندھ کی یہ ادا بھی اپوزیشن کو ناگوار ہے کہ یہ شخص امتیازات کی دیواریں کیوں ڈھا رہا ہے۔ سندھ کے چودھریوں کو لوٹ کھسوٹ کی کھلی چھٹی کیوں نہیں دیتا ہے، اس صورت حالات میں پاکستان کے ہر باشندے کو کسی جماعت میں شامل ہوتے ہوئے انتہائی غور و خوض کے بعد کسی جماعت کو اپنانا چاہئے۔ بحالت موجودہ "پاکستان مسلم لیگ" کے علاوہ کوئی جماعت اس قابل نہیں ہے کہ بافہم و باشعور پاکستانی اس میں شرکت کر سکے۔

خدا حافظ

شبیہ الحسنین محمدی۔ ۵ مارچ ۱۹۸۷ء

روزنامہ "امن" ۱۰ اگست ۱۹۸۷ء
از: مولانا شبیہ الحسنین محمدی

سیاسی جماعتیں۔۔۔ یا انتشار اور اختلاف کی نقیب!!!

قومی یکجہتی کا فقدان کیوں؟ اسباب کیا ہیں؟ نتائج کیا۔۔؟

تاریخی اور مشاہداتی حقیقت ہے کہ کسی قوم کی ترقی اس کی فکری اور عملی وحدت اور یکجہتی سے متعلق اور وابستہ ہوتی ہے۔ لیکن دنیا کی کوئی قوم مکمل طور پر متحد اور یکجہت نہیں ہوتی۔ چھوٹے موٹے گروہ اور افراد قومی سمندر میں انتشار اور خلفشار کی لہریں پیدا کرتے ہی رہتے ہیں۔ لیکن جب تک ان انتشار پسندوں میں غیر معمولی قوت نہ آ جائے وہ غیر موثر رہتے ہیں۔ قومی اتحاد اور یکجہتی کے معنی یہ ہیں کہ قوم کی عظیم اور موثر اکثریت ایک طرف ہو پوری قوم کبھی یکجہت اور یک سمت نہیں پائی گئی۔ خود مسلمان جو توحید کے علمبردار ہیں اور ان کے تمام افکار واعمال میں توحید کی گہری رنگ آمیزی کی گئی ہے، کبھی مکمل طور پر متحد نہیں ہوئے۔ آغاز اسلام میں خود حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور مبارک میں بھی انتشار خیزی کے لئے منافقوں کا ایک ٹولہ موجود تھا، دور خلفائے راشدین میں بھی چھوٹے موٹے ہنگامے اور خلفشار پیدا ہوتے رہے تاہم چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی علیہ السلام کے زمانے میں صوبہ شام کے گورنر امیر معاویہ نے خلیفہ راشد کے خلاف کھلی ہوئی بغاوت کی اور اسلام میں یہ پہلی انتشار اور اختلاف کی خلیج تھی جو کھودی گئی۔

حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن علیہ السلام نے کچھ شرائط کے ساتھ حکومت سے اپنی دستبرداری کے ذریعے عالم اسلام کو اتحاد و یکجہتی کا علم لہرانے کا تابناک موقع مہیا کیا۔ لیکن بنی امیہ عمر بن عبدالعزیز کے علاوہ قرآن وسنت کے مطابق عدل وانصاف کے ساتھ حکومت نہ کر سکے اور انہوں نے ظلم وجور کا بازار اس طرح گرم کیا کہ عوام کے دل ودماغ میں ان کے خلاف نفرت کی بھٹیاں روشن ہوگئیں۔ اس صورت حالات سے فائدہ اٹھا کر بنی عباس نے بنی امیہ کا تختہ الٹ دیا اور بنی عباس تخت حکومت پر قابض ہوگئے۔ خلیفہ ہارون الرشید اور مامون کے مدبرانہ طرز عمل کے زیر اثر مسلمانوں میں اتحاد کا احساس پیدا ہوا اور پھر صدہا برس تک چھوٹی چھوٹی ہنگامہ آرئیوں کے علاوہ کوئی بڑا خلفشار نہ پیدا ہو سکا۔ لیکن بنی عباس

کے بعض عاقبت نااندیش خلفاء نے عیش و عشرت اور ظلم و جور کا راستہ اختیار کیا تو عباسی حکومت بھی پاش پاش ہوگئی۔

ایک عرصے تک افراتفری کا عالم رہا آخرکار آل عثمان (ایک ترک سردار کا خاندان) نے ملت اسلامیہ میں توحید و یکجہتی کا جھنڈا بلند کیا۔لیکن ترک حکمرانوں نے بھی جب تعیش کی زندگی اختیار کی اور رعایا کے مسائل سے بے پرواہی کا راستہ اختیار کیا تو یورپی اقوام خصوصاً انگریزوں نے عربوں کو بھڑکا کر اور ان میں نسلی اور جغرافیہ پرستی کے احساسات وجذبات پیدا کر کے ترک سلطنت عثمانیہ کے ٹکڑے اڑوا دیئے۔اور مسلمان چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں تقسیم ہوگئے،صوبے ملک بنالیے گئے اور مسلمانوں کی کمزوری کا یہ عالم ہوا کہ پچیس لاکھ یہودیوں کے مقابلے میں اربوں کی تعداد میں ہوتے ہوئے بھی ہر طرف بے اثر ہو کر رہ گئے۔

مسلسل ناکامیوں سے دوچار ہونے کے بعد اتحاد کی طرف قدم بڑھایا بھی تو عرب لیگ بنا کر بیٹھ گئے۔اسلام انہیں پھر بھی یاد نہ آیا۔ان سے تو اچھے ہم کفرزارہند کے باشندے ہی رہے کہ ہم نے اسلام کو یاد تو رکھا اور مسلم لیگ بنائی۔برصغیر میں صدہا برس تک مسلم حکومت کا علم بڑی شان و شوکت اور کروفر سے لہراتا رہا۔

ہمارے اقتدار کے آثار اس خطۂ ارض میں ہماری شان و شوکت کے آج بھی آئینہ بردار ہیں۔یہ آثار تقریباً برصغیر کے ہر خطے میں موجود ہیں،لیکن ہماری بدنصیبی سے بعض صوبے داروں اور شہزادوں کے دل میں حکمرانی کی خواہش بیدار ہوئی اور جگہ جگہ مغل سلطنت کے حصار میں رخنہ ڈال دیا گیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ جو اپنوں کی حکومت کی جوئے کو وبال دوش سمجھتے تھے،سمندر پار غیروں کی غلامی کے ہولناک پنجے میں گرفتار ہوگئے۔یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب کسی قوم کی حکومت کا مرکز کمزور ہو جاتا ہے تو وہ قوم اور ملک اپنا وقار کھو دیتے ہیں اور جیسا عرض کیا گیا کہ اپنوں کی حکومت کو تباہ کرنے والے غیروں کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے جاتے ہیں۔انگریزوں نے ہندوستانی مسلمانوں کو معاشی اور علمی اعتبار سے پستی کی انتہا تک پہنچا دیا،اس زمانے میں انجمنیں اور جماعتیں نہیں ہوا کرتی تھیں اس لئے شکست و ریخت کے فرائض شہزادے اور صوبے دار دوسرے صاحبان عصر حکام اپنی ذلیل اغراض کے لئے انجام دیتے تھے،انگریز خصوصیت سے ہندوستانی مسلمانوں کو مکمل طور پر کچل دینا چاہتے تھے،کہ وہ جانتے تھے کہ ہندو تو ہزار برس سے دوسروں کا غلام ہے،اس کے دل میں انگریزوں سے حکومت چھیننے کا حوصلہ پیدا نہیں ہو سکتا۔مسلمان اپنے آقاؤں اور مال و زر اور سلطنت کے لوٹنے والوں کو ڈھونڈتا

ہوا دیکھ رہا تھا، اور انگریز یہ محسوس کرتا تھا کہ میرے اقتدار کو صرف چیلنج مسلمان ہی کرے گا۔

انگریز نے غیر مسلم کو آگے بڑھانے کے لئے انیسویں صدی کے آخری حصے میں آل انڈیا نیشنل کانگریس کی بنیاد ایک انگریز ہی کے ہاتھوں رکھوائی۔ آل انڈیا نیشنل کانگریس کمیٹی کی عمر ابھی تیس سال نہیں ہوئی مسلمانوں نے محسوس کرلیا کہ یہ جماعت مسلمانوں کی رہی سہی سکت بھی ختم کرنے کے لئے بنائی گئی ہے۔ بیسویں صدی کی ابتداء یعنی ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ قائم کر ڈالی۔ ظاہر ہے کہ اس وقت کوئی غریب کسی جماعت میں آنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ چنانچہ اچھی خاصی تعداد میں سر صاحبان، خان بہادر اور دیگر روساء شریک ہوگئے۔ کانگریس ۱۹۴۰ء تک مسلم لیگ کو نوابوں اور رئیسوں کی جماعت کہتی رہی لیکن علامہ اقبالؒ کی تحریک پر قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم نے اس کے دروازے عام مسلمانوں کے لئے بہت پہلے کھول دیئے تھے اور یقیناً رئیسوں کی نہیں، عام مسلمانوں کی جماعت تھی، تعجب ہے کہ کانگریس کو خاص کر نیشلسٹ مسلمانوں کو کانگریس کے دولتمند برلا، ڈالمیا، ٹاٹا ایسے لاکھوں سرمایہ دار نظر نہ آسکے، اور ایسے چند مسلمان نواب اور زمیندار نظر آگئے جن کو برلا اور ڈالمیا خرید کر اپنی جیب میں ڈال سکتے تھے، مسلم لیگ کو نقصان پہنچانے کے لئے اور مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے کے لئے خود پرست اور زر پرست مسلمانوں سے فرقوں، نسل، زبان اور علاقوں کی بنیاد پر پچاسوں جماعتیں بنوادی۔ مثلاً آل انڈیا انصار کانفرنس، جمعیت علمائے ہند، آل انڈیا احرار کانفرنس، آل انڈیا مسلم مجلس، آل انڈیا شیعہ پولیٹیکل کانفرنس اور جماعت اسلامی وغیرہ۔ لیکن ہندوستان کی ملت مسلمہ کی خوش نصیبی سے علامہ اقبالؒ ایسے دیدہ ور نے ملت مسلمہ کو قیام پاکستان کا نصب العین مہیا کردیا اور قائداعظم جیسے مدبر کو ذاتی طور پر درخواست گزار ہوکر مسلم لیگ کی قیادت کے لئے آمادہ کرلیا۔

اس بہترین نصب العین اور انتہائی مخلصانہ اور مدبرانہ رہنمائی کے سایہ میں کانگریسی علماء اور دیگر مسلمان لیڈروں کی چیخ پکار کے باوجود مسلمان اتحاد اور یکجہتی کا جھنڈا لے کر کھڑا ہوا اور پاکستان بنانے میں کامیاب ہوگیا۔ کسی قوم کے اتحاد کے معنی کسی قوم کے تمام افراد کا ایک راستے پر چلنا نہیں بلکہ قوم کی عظیم اور موثر اکثریت کا ایک رخ اور ایک ڈگر پر آجانا ہے۔ کچھ افراد اپنی ذاتی، ذلیل اور پست اغراض کے لئے قوم کی پیٹھ میں چھرا گھونپتے ہی رہیں گے، لیکن وہ ہمیشہ ذلیل وخوار بھی ہوتے رہیں گے۔ قیام پاکستان کے بعد ہمیں اتحاد و یکجہتی کے قیام پاکستان سے پہلے کے مقابلے میں زیادہ ضرورت تھی، اور کچھ عرصے ہم نے اس کا مظاہرہ بھی

کیا لیکن خود غرض افراد اور اپنی اغراض کے غلام میرے تیرے اشاروں پر انتشار اور افتراق کی آندھیاں چلانے اور طوفان برپا کرنے میں مصروف ہو گئے اور اب تک ہیں۔

سب سے زیادہ نقصان قومی اتحاد کو ملک کے فرقہ وارانہ نسلی اور علاقائی جماعتوں کے ابھرنے سے پہنچ رہا ہے، اور اگر جلد از جلد ان قوم دشمن ٹولوں کو مفلوج نہ کیا گیا تو خطرہ ہے کہ کوئی ایسا نقصان نہ پہنچا دیں جس کا مداوا ہی نہ ہو سکے، ان دشمنان عقل قوم اور دین میں سے ہولناک اور خطرناک ترین نقصان فرقہ وارانہ جماعتوں سے پہنچ رہا ہے، آل انڈیا کانگریس نے بھی مسلم لیگ کو شکست سے دو چار کرنے کے لئے سب سے پہلے فرقہ وارانہ جماعتوں ہی کو ہر طرح کی مالی مدد دے کر ابھارا تھا، کس قدر حیرانی کی بات ہے کہ ہندوستان میں جمعیت علمائے ہند اور اس کے حاشیہ بردار علماء جن میں سے بہت پاکستان آ گئے ہیں اور بہت سے تو پاکستان ہی میں موجود تھے۔ اور آل انڈیا شیعہ پولیٹیکل کانفرنس اور اس کے لیڈر اور ان کے گماشتے جن میں سے بعض پاکستان میں تشریف لے آئے ہیں، اور پہلے سے بھی یہاں موجود تھے، یہ سب ہندو اور مسلمان کو ایک قوم سمجھتے تھے، ان کے ساتھ کھانا پینا اور ہندوؤں سے پانی لے وضو کر کے نماز پڑھنا درست سمجھتے تھے، اور جنہوں نے قرآن کریم کے اس حکم کی کبھی پرواہ نہیں کی کہ ''اے مسلمانو! مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے یارانہ مت گانٹھو (سورۂ مائدہ۔۔۔۔۔۔)'' پاکستان میں فرقہ وارانہ جماعتوں کی سرگروہ اور سرخیل جماعت اسلامی پہلے دن سے انتشار کے طوفان اٹھانے میں لگی ہوئی ہے۔ یہ جماعت کس طرح قومی جماعت ہونے کا دعوا کر سکتی ہے۔ جب کہ فقہ مودودیہ کے علاوہ کوئی دوسرا فرد اس میں موجود ہی نہیں، کوئی بریلوی کوئی دیوبندی کوئی اہلحدیث کوئی شیعہ کبھی اس میں شامل ہی نہیں کیا گیا۔ اس میں شمولیت کی دعوت تو عام مسلمانوں کو دی ہی نہیں جاتی۔ جب کسی مسلمان کا ذہن خصوصی انداز کا بنا لیا جاتا ہے تو اس کو جماعت اسلامی میں بار ملتا ہے۔

جمعیت علمائے ہند کے نظریات سے سرشار علمائے کرام نے جمعیت علمائے اسلام کے نام سے ایک جماعت بنا ڈالی جو اب درخواستی اور مولانا فضل الرحمن گروپ میں تقسیم ہو چکی ہے۔

پاکستان کے حال و مستقبل کے لئے درخواستی گروپ بے شمار کانٹے بو رہا اور اگا رہا ہے، ان کے یہاں بھی جماعت اسلامی کے تعاون کے علاوہ دوسرے مسلمان کو شریک نہیں کیا جا سکتا، یہ خالص دیوبندی گروپ ہے اور انہی کی روایتوں کا امین ہے۔ یہ اپنے کلمہ گو بھائیوں

تک کو برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن غیر مسلموں کو اپنا قومی بھائی ماننے کو تیار ہے۔ ان کے یہاں بھی کوئی بریلوی، شیعہ یا اہلحدیث شریک نہیں ہو سکتا۔

جمعیت اہلحدیث اس کے نام سے ظاہر ہے کہ یہ ایک فرقہ وارانہ جماعت ہے۔ اس میں پاکستان کے قیام کی جنگ کے بعض سپاہی بھی موجود ہیں، پاکستان کے خلاف ان کا اب تک کوئی عمل دیکھنے میں نہیں آیا۔ لیکن سیاسی پلیٹ فارم سے اس جماعت کی تشکیل بجائے خود بہت بڑی غلطی اور انتشار پسندی ہے، اس جماعت میں بھی کوئی دیوبندی، بریلوی، شیعہ، سنی شریک نہیں ہو سکتا۔ جمعیت علمائے پاکستان بھی ایسی ہی جماعت ہے اور اپنے وجود اور نام سے ہی طبقے اور فرقے کی علامت بنی ہے۔ اسے کسی حیثیت سے بھی قومی جماعت نہیں کہا جا سکتا۔

اس جماعت میں بھی کچھ ایسے چہرے موجود ہیں جنہوں نے قیام پاکستان کی ساعی میں بھرپور کردار ادا کیا تھا۔ اب معلوم نہیں کیوں انہوں نے فرقہ بندی کو شعار بنالیا ہے۔ اس جماعت میں بھی کوئی دیوبندی، اہلحدیث، مالکی، شافعی، حنبلی اور شیعہ مسلمان شریک نہیں کیا جا سکتا۔ یہ خالص بریلویوں کی جماعت ہے۔ حالانکہ بریلوی علماء نے ایک کلاس کی حیثیت سے نہیں بلکہ افراد قوم کی حیثیت سے بلا انتشار قیام پاکستان کی مساعی میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ ۱۹۷۹ء میں بھکر میں پیدا ہوئی۔ حالانکہ اس وقت اس کے قائد جناب مفتی جعفر حسین نے واضح اعلان کیا تھا کہ یہ کوئی جماعت نہیں ہے اور نہ آئندہ ہم اسے جماعت بنائیں گے، شیعوں میں جو اور جماعتیں موجود ہیں ان کے کارکنوں کو لے کر ہی ہم آگے بڑھیں گے۔

ہمارا واسطہ سیاست سے بھی کوئی نہیں ہوگا، یہ تحریک خالصتاً فرقہ وارانہ بنیاد پر چلائی گئی اور پھر کچھ عرصے کے بعد اپنے اعلان کے خلاف اس کا جماعت بھی بنا دیا گیا، اور اس کا سکریٹری جنرل بھی نامزد کر دیا گیا۔ دیگر عہدیداروں، عاملہ اور کونسل وغیرہ کی بھی تشکیل کر دی گئی۔

ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ نفاذ فقہ جعفریہ کا نام لے کر یہ جماعت چاہتی کیا ہے؟ اس لئے کہ شیعہ اپنے طریقے پر نماز پڑھ رہے ہیں، اپنے طریقے پر شادی اور موت کے فرائض انجام دے رہے ہیں، اپنے قاعدے کی رو سے زکوٰۃ وغیرہ ادا کر رہے ہیں۔ اپنی رسموں کے مطابق عزاداری کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں۔ میراث بھی اپنے ضابطے کے مطابق تقسیم کرتے ہیں۔ پھر آخر یہ کس چیز کا نفاذ چاہتے ہیں۔ ان کو وضاحت کر دینا چاہئے کہ سب کچھ آزادی سے

آپ کر رہے ہیں تو وہ کون سی باتیں ہیں جن کا آپ نفاذ چاہتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ آج تک ان لیڈروں اور کارکنوں کے منہ سے ہم نے نہیں سنا کہ وہ کن امور کا نفاذ چاہتے ہیں۔ جبکہ اپنے تمام اعمال وہ آزادانہ انجام دے رہے ہیں۔

اب چند روز ہوئے تو انہوں نے نفاذ فقہ جعفریہ کو تو شاید طاق نسیان پر رکھ دیا کہ حقیقتاً اس کی کوئی حقیقت ہی نہیں اور باقاعدہ سیاست کے میدان میں آگئے، کوئی ان سے پوچھے کہ کیا پاکستان کے شیعوں اور سنیوں کو ووٹ کا حق حاصل نہیں ہے؟ افسوس ہے کہ اس ملک میں شیعوں اور سنیوں کو اس حیثیت سے ووٹ کا حق نہیں پاکستانی مسلمانوں کو ووٹ دینے کا حق حاصل ہے۔ اب یہ شیعہ کی حیثیت سے ووٹ مانگنے نکلیں گے تو انہیں ووٹ دے گا کون؟ اور اگر چند عقل سے عاری شیعوں نے ان کو ووٹ دے بھی دیئے تو ان کی قیمت کیا ہوگی؟ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی پاکستان دوست شیعہ اس جماعت کے ساتھ نہیں چل سکتا۔

ہم نے اپریل ۱۹۷۹ء میں ہی کہہ دیا تھا کہ یہ جماعت نہیں صرف فرقہ وارانہ خلفشار پیدا کرنے کے لئے غیر ملکی اشارے اور سرمایہ کے سہارے وجود میں آئی ہے اور اس جماعت میں آج تک انتشار و خلفشار اور نا اتفاقی پیدا کرنے کے علاوہ کوئی فریضہ انجام بھی نہیں دیا۔ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کا ایک حسن اور بھی ہے، کہ یہ اپنے بقول ایران کی عاشق ہے اور آیت اللہ خمینی کی مالا جپتی رہتی ہے، لیکن اس کے لیڈر حکومت ایران کی گہری اور انتہائی دوست حکومت پاکستان میں ہر وقت کیڑے ڈالتے رہتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ غیر نمائندہ ہے، کبھی کہتے ہیں کہ دستور کے خلاف ہے، کبھی کہتے ہیں کہ اسے استعفیٰ دینا چاہئے۔ حالانکہ صدر ایران حجۃ الاسلام مولانا سید علی خامنہ ای جب اپنے ملک سے پہلی بار بیرون دنیا کے دورے پر نکلے تو سب سے پہلے پاکستان تشریف لائے اور حکومت نے کئی مناسب معاہدے کئے۔ اور آئندہ کے لئے تعلقات کو گہرا اور وسیع کرنے کے ذرائع اختیار کئے۔ حکومت پاکستان اور پاکستانی رہنماؤں کی تعریف کی اور ان کا شکریہ ادا کیا، اور اس وقت سے برابر کبھی وزیر خارجہ، کبھی وزیر داخلہ، اور کبھی دوسرے وزراء یا کچھ دوسرے محکموں کے سربراہ پاکستان کے دوروں پر آتے رہتے ہیں، ادھر سے بھی وزراء اور حکام جاتے رہتے ہیں اور برابر ایران اور پاکستان کے تعلقات مستحکم ہوتے جارہے ہیں، لیکن تحریک نفاذ فقہ جعفریہ ایران کے عشق میں حکومت پاکستان کو گالیاں دینا اپنا فرض جانتی ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پس پردہ ان کو تقویت پہنچانے والے اور ہدایت دینے والے

صرف پاکستان کو بدنام کرنے کا کام ان سے لینا چاہتے ہیں، اور وہی لے رہے ہیں، میں نہیں سمجھتا کہ پاکستان کے دوستوں کو گالی دینے والی جماعت اور جس حکومت کو ایران نمائندہ سمجھتا ہے غیر نمائندہ کہنے والی کس طرح ایران کی دوست ہوسکتی ہے۔ یہ تو کسی ایسے پس پردہ کے اشارے پر ناچ رہی ہے جو پاکستان کی سرحدوں سے کچھ زیادہ دور بھی نہیں ہے مجھے نام یاد نہیں لیکن اہل سنت کے ٹائٹل سے بھی کچھ اور لوگوں نے انتخاب کے میدان میں آنے کا اعلان کیا ہے، کہ یہ جماعت بھی نفاذ فقہ جعفریہ کے نمونے پر جواب آں غزل کی حیثیت سے بنائی گئی ہے، باقی فرقہ ورانہ جماعتوں کو بھی اسی پر قیاس کر لیجئے۔ ان سے بھی انتشار کے علاوہ قوم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ اب رہ گئی علاقائی اور نسلی جماعتیں۔ تو آج کل ان کی آماج گاہ زیادہ تر سندھ اور خاص طور سے کراچی اور حیدر آباد وغیرہ ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ قومی یکجہتی کو سندھ میں سب سے پہلے نواب مظفر حسین خان نے مہاجر پنجابی، پٹھان متحدہ محاذ بنا کر نقصان پہنچایا اس کے نقصانات میں گناؤں گا تو ایک کتاب تیار ہو جائے گی۔ اس وقت مسلم لیگ کی شکست کا باعث یہی محاذ بنا تھا۔ ورنہ سندھ میں پیپلز پارٹی کی حکومت کا خواب بھی نہ دیکھا جا سکتا۔

ممتاز بھٹو اور حفیظ پیرزادہ کا سندھی پٹھان بلوچ متحدہ محاذ بھی اسی نمونے پر بنایا گیا۔ صرف فرق اتنا ہے کہ وہ محاذ سندھ میں وحدت اور اجتماعیت کی شکست وریخت کا وسیلہ بنا اور یہ محاذ پاکستان کو ہی ختم کر دینا چاہتا تھا۔ باقی رہ گئیں مہاجرین کرام کی جماعتیں یا پٹھان پنجابی متحدہ محاذ وغیرہ۔ یہ سب نسلی جماعتیں ہیں اور ان سے پاکستان میں قومی وحدت کو شدید نقصانات پہنچ رہے ہیں۔ اور عظیم نقصانات پہنچنے کا خطرہ سر پر منڈلا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ قومی اتحاد اور یکجہتی کے پودے پر فرقہ پرستی اور نسل پرستی اور علاقہ پرستی کی یہ بجلیاں گرتی رہیں تو جو حشر ہوگا وہ چھپا ہوا نہیں ہے۔ یاد رکھئے! قومی یکجہتی کے سہارے ہی آپ نے بڑی بڑی شاندار حکومتیں بنائیں اور قومی یکجہتی کو برباد کر کے غلامی کی زنجیروں میں جکڑے گئے۔ قومی یکجہتی کے سہارے ہی آپ نے پاکستان بنایا جو موجودہ تاریخ کا ایک نادر واقعہ ہے۔ مشرقی پاکستان کے الگ ہونے کے باوجود بھی پاکستان آپ کی یکجہتی اور اتحاد کی ایک بہت بڑی اور عظیم الشان نشانی ہے۔

آپ نے قومی جماعتوں کو چھوڑ کر فرقہ ورانہ نسلی اور علاقائی جماعتوں میں شرکت شروع کر دی اور نصیب اعداء کسی کے پنجۂ غلامی میں آ گئے تو آپ کی نسلیں آپ کی قبروں پر تھوکنے اور پیشاب کرنے کے سوا کچھ نہ کریں گی۔ اور احمقوں اور بے عقلوں کی حیثیت سے

تاریخ میں آپ کا نام ہمیشہ کے لئے درج ہو جائے گا۔ یہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے اس میں جو قوم بھی کسی کی غلام ہو گئی اس کا غلامی کی زنجیر سے نکلنا صد ہا برس تک ممکن نہیں ہوتا۔ گرد و پیش پر نظر ڈالئے اور صرف قومی جماعتوں کو بشرطیکہ استحکام پاکستان اور ان کا نصب العین اور ان کے لیڈر خود غرض نہ ہوں ان کا کردار جانا پہچانا ہو، ایسی جماعتوں میں شمولیت کیجئے! میں عوام کو توجہ دلاؤں گا کہ ٹھوس بنیاد پر جماعتوں کی تنظیم کیجئے، ہوائی اور خیالی قلعے نہ بنائیں۔ آپ کے کچھ لوگ آپ سے ناراض ہیں۔ انہیں راضی کیجئے۔ جن اہل صلاحیت کو غرض پرست اور اہل اقتدار نے نظر انداز کر رکھا ہے انہیں قریب لائیے، جو نظریہ ضرورت کے تحت کسی جماعت میں ہے ان سے بھی محبت اور مروت کا سلوک کیجئے! تا کہ ان میں استقامت پیدا ہو اور ان افراد کو تلاش کیجئے جنہوں نے عمریں قوم کی خدمت میں گزاری ہیں، ہر مصیبت کو قبول کیا، ہر نفع کو ٹھکرایا، اور وہ ہر سردی گرمی میں اسلام کے پرچم کو سینے سے لگائے رہے۔ پاکستان قائد اعظم کی امانت ہے۔ پاکستان سے تمسک کے ساتھ ہی قوم کی خدمت کی جاسکتی ہے۔ اگر آپ نے خود کو واقعی منظم کر لیا تو یہ پاکستان کی سب سے بڑی خدمت ہوگی۔

از: مولانا شبیہ الحسنین محمدی اعلیٰ اللہ مقامہ

ووٹ کی اہمیت

یہ حقیقت قابل توجہ ہے کہ جس طرح اس دنیا کا جغرافیہ مختلف ہے۔ یعنی کہیں پہاڑ کہیں میدان کہیں ریگستان کہیں دلدل کہیں جنگل کہیں بے آب وگیاہ صحرا۔ اسی طرح نوع انسانی کے رہن سہن کے طریقے مکانوں کی تعمیراتی اشکال لباس کے قطع وبرید، غذاؤں کی شکل وشمائل مختلف ہوتے ہیں، اسی طرح طرز حکومت مختلف ہوتا ہے۔ کہیں بادشاہی پسند کی جاتی ہے، کہیں سرداری نظام نافذ ہے، کہیں صدارتی طریقہ اور کسی جگہ آمریت پسند کی جاتی ہے۔ لیکن ہمارے زمانے میں جمہوری طرز حکومت زیادہ پسند کیا جارہا ہے اور نظر یہ آتا ہے کہ کچھ عرصے کے بعد آمریت کے پرستار بھی جمہوریت کی ڈگر پر چلنا شروع کر دیں گے۔ پاکستان میں اقتدار پسندوں نے مختلف طرز ہائے حکومت اپنائے، آمریت، مارشل لاء، اور نیم شاہی صدارتی طرز حکومت لیکن پاکستان میں پارلیمانی یعنی جمہوری طرز حکومت کے علاوہ کوئی طرز حکومت کامیاب نہیں ہوا۔ قائد اعظم محمد علی جناح پارلیمانی طرز حکومت ہی کو پسند فرماتے تھے۔ اور اسی کو انہوں نے اپنی زندگی میں اختیار اور رائج کیا تھا ان کے رائے سے جو بھی ہٹ کر چلا، ناکام ہوا۔

پارلیمانی یا جمہوری طرز حکومت میں رائے اور ووٹ کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ اگر پاکستان میں حکومت بنانے کے لئے انتخابات ہوتے رہتے تو سیاسی طور پر قوم بالغ نظر ہو چکی ہوتی اس لئے کہ انتخابات کے اعلان کے ساتھ ہی ہر امیدوار خواہ وہ کسی جماعت کی طرف سے ہو یا آزاد کھڑا ہوا ہو، اپنا منشور رائے دہندوں کے سامنے پیش کرتا ہے اور دلائل سے اس کے فوائد سمجھاتا ہے اور مقابل امیدوار کے منشور کے نقصانات اور اس کا غیر مفید ہونا دلائل سے ثابت کرتا ہے اور اس طرح ہر رائے دہندہ کی سیاسی تربیت ہوتی ہے اور رائے دہندہ تمام باتیں سن کر اپنے ووٹ کا استعمال کرتا ہے یہ ایک المناک حقیقت ہے کہ پاکستان میں یہ دوسرا انتخاب ہے اس میں ووٹروں کی کچھ ذہنی تربیت ہو رہی ہے۔ لیکن دو الیکشنوں میں ایک ایسی قوم کی ذہنی تربیت ممکن نہیں ہے، جو ذہنی بیماریوں میں مبتلا ہوں۔ پاکستان میں قبیلہ پرستی برادری نوازی، فرقہ بندی اور لسانی تعصبات عام ہیں۔ ابھی تک قومی ذہن اور قومی سوچ بیدار نہیں ہوئی

ہے۔اور اس لئے ضرورت ہے کہ ووٹ یا رائے کی اہمیت و افادیت پر بار بار روشنی ڈالی جائے۔ایک شہری کی رائے یا ووٹ کے ذریعے منتخب ہو کر لوگ اسمبلیوں میں پہنچتے ہیں خواہ وہ اسمبلی صوبائی ہو یا قومی۔اگر ووٹ برادری،فرقہ یا نسل اور زبان کی بنیاد پر دیا گیا تو رائے دینے کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔اور اسمبلیوں میں ایسے لوگ جمع ہو جائیں گے جو قومی مسائل پر بحث کے قابل نہ ہوں گے۔اس لئے ہر ووٹر کا فرض ہے کہ وہ ووٹ کو بہت سوچ سمجھ کر استعمال کرے۔یہ ووٹ ایک دودھاری تلوار ہے اس سے ہمیں شدید نقصان بھی پہنچ سکتا ہے اور بے شمار فوائد بھی حاصل ہو سکتے ہیں۔اگر ہم نے اس کو فرقے،زبان وغیرہ کی بنیاد پر استعمال کیا تو اس سے قومی ذہن پر ضرب پڑے گی اور ہم کبھی ایک قوم نہیں بن سکتے اور اگر ہم نے قومی مقاصد کو سامنے رکھ کر ووٹ استعمال کیا تو اس سے ہمارا صوبہ اور ملک ترقی کرے گا اور قوم و ملک دونوں مستحکم ہوں گے۔

یہ درست ہے کہ ووٹ شخصی رائے کا نام ہے اور ایک فرد کے اختیار میں اس کا استعمال ہے لیکن یہ ایک قومی امانت ہے،اور امانت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو اپنی ذات اور خاندان اور اپنی زبان سے بلند ہو کر صرف قوم کے مفاد کے لئے استعمال کیا جائے۔امیدوار کے ذاتی اخلاق اور اس کے ماضی کے اعمال پر ضرور نظر ڈالی جائے اگر اس نے ماضی میں پاکستان کو چھوٹے سے چھوٹا نقصان بھی پہنچا دیا ہے تو ایسا شخص کسی بھی حالت میں ووٹ کا مستحق نہیں ہو سکتا۔اور جو شخص اخلاقی طور پر دیوالیہ ہے وہ بھی قوم کے کام نہیں آسکتا۔

رائے دہندہ رائے دینے کے بعد ایک حکومت کی تشکیل کا سامان کر دیتا ہے وہ حکومت اگر اچھی ہے تو پانچ سال تک اس فرد کی رائے سے ساری قوم کو فائدہ پہنچتا رہے گا اور اگر وہ حکومت بری ہے،قومی مفادات کی پرواہ نہیں کرتی تو ایسی حکومت سے تباہی کے علاوہ کچھ نہیں ملے گا۔یعنی ووٹ ایک ایسا آلہ ہے کہ جس سے ہم اچھی یا بری حکومت تشکیل دے سکتے ہیں اور جب ایک دفعہ یہ ووٹ ہم نے دے دیا تو پانچ سال تک ہم اپنا حق رائے دہی کا یا تو کڑوا پھل کھاتے رہیں گے یا میٹھا پھل۔اور پانچ سال تک ہم کچھ بھی نہیں کر سکیں گے،پانچ سال کے بعد جو دوسرا الیکشن ہوگا اس میں ہم اپنے امیدوار کو بدل سکیں گے۔ہو سکتا ہے اس پانچ سال میں ووٹ کا غلط استعمال کر کے ہم اپنے ضلع،صوبے اور ملک کے لئے مصیبتیں مول لیں گے۔

سامعین!۔۔۔۔۔ہم ایک ترقی پذیر ملک پاکستان کے باشندے ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو منتخب کریں جو ہماری معاشی حالت کو مستحکم بنانے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔وہ

صنعت اور زراعت اور تجارت میں ایسے انقلابی اقدامات کرنے کے اہل ہوں کہ جن کے نتیجے میں ہمارا ملک قرضوں کی بوجھ سے آزاد ہوجائے یا کم از کم ہم مزید قرضے نہ لیں اور آہستہ آہستہ سابقہ قرضوں کا سود بھی ادا کرسکیں اور وہ قرضے بھی اتار سکیں۔ تعلیم ہمارے ملک میں بیس فیصد بھی نہیں ہے۔ ہمارے نمائندے ایسے اقدامات کرسکیں کہ ہماری تعلیم کا اوسط تیزی سے اوپر کی طرف چلے اور آخر کار ہم صد فیصد تعلیم یافتہ ہوجائیں۔ ہمارے یہاں صحت کے وسائل بھی بڑے محدود ہیں۔ ہم جسے رائے دے رہے ہیں وہ ہماری قومی زندگی میں ایسے اقدامات کریں کہ غریب سے غریب آدمی بھی علاج کی سہولتوں سے استفادہ کرسکے۔

بنیادی طور پر ہمارا ملک زراعتی ملک ہے اور ہم زیر کاشت رقبے میں زیادہ تر دقیانوسی طریقہ ہائے کاشت کام میں لاتے ہیں، جس کے نتیجے میں ہمارے یہاں پیداوار کا اوسط دوسرے ملکوں کے مقابلے میں آدھا بھی نہیں اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم ایسے شخص کو ووٹ دیں جو زراعتی دنیا میں انقلاب لانے کی صلاحیت رکھتا ہو، اور ایسے امیدوار صرف وہی ہوسکتے ہیں جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوں۔ جو زندگی کی مشکلات کو دور کرنے اور ہمارے شہری صوبائی اور قومی مسائل کو سمجھنے کے اہل ہوں اور ان کو حل کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوں۔

ہر رائے دہندہ کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اسمبلیاں ملک اور قوم کی ترقی کے منصوبے بنانے اور ان کو نافذ کرنے کے لئے ہوتی ہیں اگر ہم نے جاہل، فرقہ پرست، لسان پرست اور برادری پرست وغیرہ امیدوار کو ووٹ دے دیا تو ہم قومی امانت میں خیانت کے مرتکب ہوں گے۔ اور ایک ایسے جرم کا ارتکاب کریں گے جس کی سزا قوم اور ملک کے ساتھ ہمیں بھی بھگتنا پڑے گی۔

سامعین!۔۔۔۔۔ ہم دنیا کے نقشے سے الگ تھلگ نہیں ہیں۔ ہمارے گرد وپیش کچھ ممالک ہیں جو کمزور کرنے کی تدبیریں کرتے ہیں۔ ہمیں ایسے شخص کو ووٹ دینا چاہیے جو ان طاقتوں کے عزائم کو ناکام بنانے کی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہوں اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب ہم اپنی رائے کا استعمال بہت سوچ سمجھ کر کریں۔

از قلم: مولانا شبیہ الحسنین محمدی اعلیٰ اللہ مقامہ

پیپلز پارٹی کی اسلامی خدمات پر ایک نظر

اسلام ہر اعتبار سے ایک مکمل نظام زندگی ہے اور ہر نہج سے ایک جامع ضابطہ حیات ہے۔ قرآن کریم نے واضح لفظوں میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے: ''آج ہم نے تمہارے لیے دین کو کامل کردیا اور اپنی نعمتوں کو تم پر تمام کردیا اور اسلام کو قانون زندگی کی حیثیت سے پسندیدہ قرار دے دیا'' (قرآن کریم)۔ گزشتہ چودہ سو سال میں مسلمان جس خطہ ارض میں بھی آباد ہوئے یا رہے یہ مستحکم تصور اور عقیدہ زندہ و تابندہ رہا، گو بعض حالات اور مجبوریوں کے تحت زندگی کے کچھ گوشوں میں غیر اسلامی اعمال دخیل ہوئے۔۔۔۔۔۔ لیکن عقیدے کی حد تک ملت اسلامیہ نے کسی قسم کا تغیر قبول نہ کیا اور مسلمان ہمیشہ اس بات کے آرزومند رہے کہ مجبوریوں کی زنجیریں توڑ کر اور حالات کا رخ بدل کر اپنے غیر اسلامی اعمال کو ترک کردیں اور اسلامی نظام زندگی کے مطابق عملی زندگی کے ہر گوشے میں بھی اسلام کو نافذ و رائج کریں۔ برصغیر ہند میں ہندو اقوام کی صحبت اور انگریزی اقتدار کے زیر اثر مسلمانوں کی عملی زندگی کے کچھ زاویے اور شعبے غیر اسلامی ہو گئے لیکن یہ عمیق اور مضبوط عقیدہ کہ اسلام ایک مکمل دستور زندگی ہے، مضمحل نہ ہوا اور اسلامی زندگی کے احیاء کی تحریکیں ہندوستان کے مختلف گوشوں میں ابھرتی رہیں۔ مجدد الف ثانی سرہندی، شاہ ولی اللہ دہلوی، سلطان العلماء مولانا سید محمد لکھنوی، سید احمد بریلوی، سرسید احمد خان کی تحریکیں اور اقدامات جزوی اختلاف کے باوجود بھی اسی منزل کے لئے تھے ان سب تحریکوں نے آخر کار قیام پاکستان کی راہ ہموار کی۔

انیسویں صدی کے مسلمان مدبروں نے ماضی کی تمام کدو کاوش پر نظر ڈال کر یہ محسوس کرلیا کہ اسلامی زندگی کے احیاء کا تصور انہی خطوں میں عملی شکل اختیار کرسکتا ہے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ اسی لئے آل انڈیا مسلم لیگ جو اپنے تشکیل کی ابتداء میں مسلمانوں کے لئے چند حقوق کی علمبردار تھی قیام پاکستان کی داعی بن گئی۔ یہ ناقابل انکار اور ساتھ ہی ناقابل اشتباہ حقیقت ہے کہ قیام پاکستان کا مطالبہ صرف اور صرف اس لئے کیا گیا تھا کہ یہ خطہ ارض حاصل کرکے زندگی کے ہر شعبے میں اسلام کی فکر و ہدایت پر عمل کیا جائے اور جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ تفصیلی نصب العین کو عوامی ذہن سے قریب لانے کے لئے نعروں کی شکل میں اختصار کا لباس

پہنا دیا جاتا ہے۔ پاکستان میں اسلامی نظام زندگی کے احیاء کے تفصیلی نصب العین کو ایک مختصر سے نعرے میں سمو لیا گیا جو بڑی آسانی سے ہر کس و ناکس کی زبان پر آ گیا: ''پاکستان کا مطلب کیا۔۔۔ لا الٰہ الا اللہ'' اس نعرے میں ہندوستانی مسلمانوں کے قلب و ذہن کی تمام تفصیلات مضمر تھیں اور بلا تمثیل حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیزدہ سالہ مکی زندگی کا انعکاس تھا۔ اگر عقیدہ، نفس میں ارتکاز حاصل کرنے کے بعد زبانوں پر آ جائے تو عقائد و تصورات کو عملی جامہ پہنانے میں کوئی دشواری نہیں ہوا کرتی۔ حضور خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرب نیشنلزم، معاشی طور پر فلاکت زدہ طبقوں کی فلاح و بہبود یا سود، زنا وغیرہ کے خلاف کسی اصلاحی تحریک کو لے کر عوام سے خطاب کر سکتے تھے اور اپنی دعوت کو آگے بڑھا سکتے تھے لیکن آپ نے ان سہل اور آسان راستوں کو چھوڑ کر نہایت مشکل اور دشوار طریقہ اپنایا اور وہ تھا خدائے قدوس کی حاکمیت مطلقہ کا عقیدہ۔۔۔ اور دنیا نے دیکھا کہ پیغمبر اسلامؐ نے لا الٰہ الا اللہ کے مقتضیات کے سامنے انسانی قلب و دماغ کا جھکا کر انسانی دروبست میں ہر طرح کی اصلاح میں کامیابی حاصل کر لی اور ایک ایسا معاشرہ پیدا کر دیا جس میں کسی خارجی دباؤ کے بغیر، عقیدے کے سہارے رضا کارانہ صرف نیکی اور خیر کی روشنیاں جگمگانے لگیں۔

برصغیر میں مسلمان مدبروں نے بجا طور پر بتاسّی فطرت سرور کائناتؐ کے طریق کار کو اپنایا اور معاشی اصلاح وغیرہ کے نعرے کو چھوئے بغیر صرف اسلامی نظام زندگی کو واپس لانے کا عزم زندہ کیا۔ پاکستان کی تشکیل کے مقتضیات و داعی فقط ایک جملے میں سمو لئے گئے اور وہ تھا ''اسلامی زندگی کا احیاء''۔ یہ کہنا کہ پاکستان کے قیام میں مسلمانوں کی محض معاشی سربلندی ملحوظ نظر تھی، تحریک پاکستان سے مکمل بے خبری کا ردعمل ہے۔ معاشی اصلاح تو اسلامی نظام زندگی کا فطری نتیجہ ہے۔ اسلامی نظام زندگی کو اپنائے بغیر بعض افراد و طبقات کو معاشی اطمینان حاصل ہو سکتا ہے، بحیثیت قوم مسلمان کو نہیں۔۔۔ مسلمان، مسلمان کی حیثیت سے معاشی اطمینان صرف اسلامی نظام معاش کے نفاذ کے بعد حاصل کر سکتا ہے۔

۱۹۴۷ء میں پاکستان کا قیام عمل میں آ گیا اور ملت اسلامیہ کی بدنصیبی کہ قائد اعظم جو قیام پاکستان کی تحریک کے سربراہ تھے جلد انتقال فرما گئے۔ نوابزادہ لیاقت علی خان بھی خود پرستوں کی سازشوں کا شکار ہو گئے۔ پاکستان کی ابتدائی حکومت پر مہاجروں کی آبادکاری اور حکومت کے محکموں کی تنظیم وغیرہ کا دباؤ اتنا شدید تھا کہ وہ اسلامی نظام زندگی کے نفاذ کی نیک خواہشوں کے باوجود قابل اعتناء کام نہ کر پائے۔ اسلام کے مخالف عناصر مسلمانوں کو مقصد تشکیل

پاکستان سے ہٹانے میں برابر مصروف رہے اور ایوب خان کے مارشل لاء کے زمانے میں ان لوگوں کو اسلام کے خلاف اپنے حربے آزمانے کا اچھا خاصا موقع مل گیا اور پیپلز پارٹی ان تمام عناصر کو جو اسلام کے خلاف تگ و دو میں لگے ہوئے تھے سمیٹتی ہوئی عالم وجود میں آ گئی ۔۔۔۔۔۔!!؟

پیپلز پارٹی نے اپنے تفصیلی نصب العین کو روٹی کپڑے اور مکان کے نعرے میں سمو کر اسلامی نظام کے احیاء کے راستے میں ایک دیوار کھڑی کر دی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان میں تین سو سال میں انگریزی اقتدار نے اسلام کو اتنا نقصان پہنچایا جتنا پیپلز پارٹی نے اپنے چند سالہ دور تنظیم و اقتدار میں پہنچا دیا۔۔۔۔!!اس لئے کہ بعض مسلمان بعض مجبوریوں اور ذہنی نارسائیوں کے سبب زندگی کے کچھ شعبوں میں اسلام کو ترک کر کے غیر اسلامی اقدار کو اپنا چکا تھا لیکن اسلام کے مکمل نظام حیات ہونے کا مستحکم عقیدہ بھی متزلزل نہیں ہوا تھا اور یہ خواہش اور آرزو مسلسل زندہ تھی کہ زندگی کے جن گوشوں میں غیر اسلامی طرز کار دخیل ہو گیا ہے ان کو نکال باہر کیا جائے اور اسلامی طرز زندگی اپنایا جائے۔۔۔۔!

پیپلز پارٹی نے جو منشور دیا اس سے جہاں غیر اسلامی زندگی کی نشو و نما کے امکانات روشن ہوئے وہاں مسلمانوں کے اس عقیدے پر بھی کاری ضرب پڑی کہ اسلام ایک جامع نظام زندگی ہے جس میں کسی پیوند کی ضرورت نہیں۔۔۔! پیپلز پارٹی کا منشور بڑے شاطرانہ انداز میں اسلامی طرز حیات کو پس منظر میں دھکیل کر کافرانہ طرز زندگی کو مسلمانوں کے لئے قابل قبول بناتا ہے۔ اس منشور کی پہلی دفعہ کہ "اسلام ہمارا دین ہے" بجائے خود اسلام کشی ہے۔ یہ دفعہ اسلام کو ایک پرائیوٹ عقیدہ بناتی ہے اس لئے کہ دوسری دفعہ میں کہ "معیشت ہماری سوشلزم ہے" کے ذریعے معیشت میں اسلام کے عمل دخل کی نفی کر دی گئی ہے۔ یہ بالکل غیر اسلامی تصور ہے اور عیسائیت سے لیا گیا ہے۔۔۔ عیسائیت میں دین صرف عبادات کا نام ہے۔ معاملات و تعزیرات میں دین کا کوئی اثر و نفوذ نہیں ہے۔ چونکہ پیپلز پارٹی کے چیئرمین اور دیگر بانی ارکان کی ذہنی تربیت ،عیسائیت کے ماحول میں ہوئی ہے، ان کو کبھی اسلام اور اسلامیات کے مطالعے کا موقع نہیں ملا وہ صرف مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہونے کا اعزاز رکھتے ہیں اس لئے بجا طور پر انہوں نے گھروں کے ماحول کے زیر اثر اسلام کو زیب عنوان بنایا اور ذہنی تربیت کے مطابق غیر اسلامی افکار کو عیسائیت کے تصور کے مطابق زندہ کرنے کی جد و جہد میں مصروف ہو گئے۔۔۔۔ معاشیات میں اسلام کے بجائے سوشلزم کی درآمد اس بات کا واضح اعلان ہے کہ

پیپلز پارٹی کے منشور سازوں کی نظر میں یا تو اسلام کوئی معاشی نظام رکھتا ہی نہیں ہے یا ان کی نظر میں غیر موثر ہے۔ کسی نظریئے کے رد و قبول میں اصولاً تین ہی شکلیں ہوتی ہیں جس امر کو ہم قبول کر رہے ہیں وہ مفید ہے یا کامل ہے یا حسین ہے۔ رد کرنے کی صورت میں بھی یہی تین شکلیں آئیں گے وہ بات نقصان رساں ہے، ناقص ہے یا قبیح ہے اگر معاشیات میں ہم سوشلزم کو قبول کر لیں اور اسلام کو مسترد کر دیں تو یہی تین شکلیں پیدا ہوں گی۔ پاکستانی مسلمانوں کے لئے معاشیات میں سوشلزم کے ضوابط مفید ہیں، کامل ہیں، حسین ہیں اور اسلام کے قوانین پاکستانی مسلمانوں کے لئے نقصان رساں ہیں۔ ناقص ہیں یا قبیح ہیں۔۔۔۔۔!! یہ بات کسی آزمائش سے گزرنے کے بعد کہی جاتی ہے تو شاید اس میں کوئی وزن بھی ہوتا، لیکن کس قدر حیرت ناک اور تکلیف دہ یہ انداز گفتگو ہے کہ اسلامی نظام معاشیات کو مس کئے بغیر اس پر ناقص و ناکارہ ہونے کا الزام لگایا جا رہا ہے۔

پاکستان کی تشکیل کے بعد "کنونشن مسلم لیگ" اور "پیپلز پارٹی" کی حکومتوں کو اچھا خاصا وقت کام کرنے کے لئے ملا یہ دونوں حکومتیں اگر دیانتدارانہ اسلام کی خدمت کرنا چاہتے تو کر سکتی تھیں لیکن یہ افسوسناک حقیقت بھلائی نہیں جاسکے گی کہ دونوں زمانوں میں اسلام کو دانستہ یا نادانستہ نقصان پہنچانے کی کوششیں کی گئی ہیں۔ خاص کر پیپلز پارٹی نے اسلام کو ہمیشہ کے لئے نظام زندگی سے خارج کرنے کی ہر امکانی سعی کی۔ پیپلز پارٹی کو سات سال طویل عرصہ کسی بھی مداخلت کے تصور کے بغیر ملا ہے اس عرصے میں پیپلز پارٹی نے اسلام کے نظام کو کسی شعبہ زندگی میں آزمانے کی معمولی سے کوشش بھی نہیں کی بلکہ مسلمانوں کی یہ متاع گراں مایہ کہ "اسلام ایک کامل نظام زندگی ہے" لوٹنے کی کوشش کی گئی اور عملی طور پر پایا اور کرایا کہ ہمارے معاشی مصائب کا حل اسلام میں نہیں، سوشلزم میں ہے، اور یہ ہیبت ناک دشمنی ہے جو پیپلز پارٹی نے اسلام کے ساتھ کی اور پاکستانی مسلمانوں کا وہ عظیم نقصان ہے جس کی تلافی اور اصلاح، پیپلز پارٹی کی حکومت ختم کئے بغیر ممکن نہیں۔ پاکستان کے قیام کے مقصد کی تکمیل صرف وہ لوگ کر سکتے ہیں جو ہر شعبہ زندگی میں اسلام کے نفاذ کا عزم صحیح رکھتے ہوں، موجودہ حالت میں پاکستان قومی اتحاد کی طرف سے اسلامی نظام زندگی کو نافذ کرنے کا وعدہ و اعلان کیا جا رہا ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم قومی اتحاد کو موقع دے کہ وہ پاکستان میں ہر شعبہ زندگی میں اسلامی نظام زندگی کو نافذ کر سکے۔

پیپلز پارٹی نے اسلام کے قانون وقف کو بھی غیر موثر کر دیا ہے۔ اصلاح زمینداری کے ذیل میں اوقاف کی زمینیں ضبط کر لی گئی ہیں۔ جو قطعاً اسلام کشی ہے۔ جو لوگ بلا تکلف اسلام

کو ذبح کر ڈالے ان کو محافظ اسلام کہنا دیدہ دلیری کے علاوہ اور کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ پیپلز پارٹی نے اوقاف کی زمینوں کو ضبط کر کے مستقبل میں امور خیر کے اقدامات کو قطعاً مسدود کر دیا ہے۔ آئندہ کوئی شخص امور خیر کے لئے کسی قسم کا وقف کیوں کرے گا؟ لوگ امور خیر کے لئے وقف کرتے ہیں، حکومت کی جیب کے لئے نہیں۔ اس طرح پیپلز پارٹی نے ہمیشہ کے لئے امور خیر کا راستہ روکنے کی مذموم حرکت کی ہے۔

خواتین کا پردہ اسلامی ثقافت کا ایک منفرد نشان ہے۔ پیپلز پارٹی نے خواتین کو پردہ ترک کرنے کے مواقع فراہم کئے۔ پردہ ترک کرنے کے امکانی ترغیبات مہیا کئے اور اس طرح اسلامی ثقافت کو شدید نقصان پہنچایا۔

اسلامی سربراہ کانفرنس سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ پہنچا ہو تو ممکن ہے لیکن اسلام کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ اس کانفرنس کو یحییٰ خان نے طلب کیا تھا اگر کانفرنس کی طلبی کوئی کلغی بخشتی ہے تو اس کے مستحق آغا یحییٰ خان ہیں۔ اس کانفرنس میں اسلام کو کسی شعبہ زندگی میں نافذ کرنے کے لئے کوئی پروگرام وضع کیا گیا ہوتا تو یقیناً قابل تبریک اقدام ہوتا۔ بینک اور نیوز ایجنسی کا قیام مسلمانوں کی خدمت تو ہو سکتا ہے، اسلام کی نہیں۔۔۔!! یہ بینک اور نیوز ایجنسی اس طرح کا کام ہے جس طرح غیر مسلم اقوام نے اپنے ممالک کے لئے قائم اور جاری کر رکھے ہیں۔ اسلامی سربراہ کانفرنس سے ہمیں دو شدید نقصان پہنچے ہیں ایک پاکستان کی دائمی شکست، ریجنٹ کر بنگلہ دیش کو قبول کر کے وحدت پاکستان کے امکانات کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا اور لاہور میں اسمبلی بلڈنگ کے سامنے ایک عدد یادگاری مینار بنا کر قوم کا کروڑہا روپیہ ضائع کر دیا گیا۔ کیا اس روپیہ سے کوئی تعلیمی ادارہ یا کارخانہ قائم کر کے ملت پاکستانیہ پر علم و معاش کے دروازے نہیں کھولے جا سکتے تھے؟ آخر اسلام کے قانون کی وہ کون سی دفعہ ہے جس میں مختلف مقامات پر منارے بنا کر سرمائے کو ضائع کیا جائے؟

حج کے لئے ایک اچھی خاصی تعداد کو اجازت دینا اچھا کام ہے لیکن یہ صرف سرمایہ داروں کی خدمت ہے کہ غریب عوام تو حج کا فریضہ انجام نہیں دے سکتے، غریبوں کے لئے کوئی ایسا لائحہ عمل تجویز کیا جاتا کہ کچھ غریب حج کرنے کے قابل ہو جاتے لیکن افسوس ہے کہ پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں غریب مزید غربت کا شکار ہوئے ہیں۔ بینک، کارخانہ اور زمینوں کی تحصیلی قومی مفاد میں ہوتی تو اچھا تھا لیکن کچھ لوگوں کو قابل اعتناء مفاد سے محروم کر کے چند نئے خاص لوگوں کو فائدہ پہنچایا گیا ہے اور بائیس خاندانوں کے بجائے ایک سو بائیس سے بھی زیادہ

خاندان پیدا کر دیئے گئے جو استحصال کا نتیجہ ہے۔

طرز حکومت میں جمہوریت کو برائے ذکر ہی رکھا گیا ہے۔ پانچ سال مسلسل نہ کسی کو آزادی سے بولنے دیا گیا نہ لکھنے دیا گیا، اگر کسی نے جمہوری حق استعمال کرتے ہوئے کوئی آواز نکالی تو اسے جیل میں بند کر دیا گیا۔ بعض بولنے والوں کے قتل میں بھی تکلف نہیں کیا گیا اور جس اخبار یا رسالے میں جمہوری حق کو استعمال کرنے کی جرأت کی اسے بند کر دیا گیا۔ اور اس کے عملے کے افراد کو طرح طرح کے مقدمات میں پھنسا کر معاشی طور پر تباہ اور جیلوں میں آباد کر دیا گیا۔ معتدل قسم کے اخبارات کو بھی نہ بخشا گیا، ان کے اشتہارات بند کر دیئے، کاغذ کا کوٹہ کم یا ضبط کر لیا گیا۔ "نوائے وقت" اس کی زندہ مثال ہے۔ پیپلز پارٹی کے اخبارات میں سے بھی اگر کسی نے زندگی یا ضمیر کا مظاہرہ کیا تو ان کی زندگی بھی اجیرن بنا دی گئی۔۔۔ "مساوات لاہور" کے عملے کے بعض افراد اس کی جیتی جاگتی مثال ہیں۔

اسلامی حکومت کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ پبلک کو انصاف اور امن مہیا کرے اور ضروریات زندگی عوام کے دسترس سے باہر نہ جانے پائیں۔ پیپلز پارٹی کی حکومت نے عدلیہ کو مفلوج کرنے میں کوئی کمی اٹھا کے نہیں رکھی۔۔۔ امن و امان اس حد تک مضطرب ہو گئے کہ کسی کی جان اور عزت محفوظ نہیں کہی جا سکتی۔

ملک میں گرانی کو اس طوفانی انداز میں ابھارا گیا کہ خود پیپلز پارٹی والے اس سے تھرا اٹھے اور پیپلز پارٹی کی حکومت گرانی کو کم کرنے میں ناکام ہو گئی بلکہ واضح طور پر گرانی کی بین الاقوامی لہر کا نقاب اوڑھ کر مہنگائی کے تسلط کا اقرار کر لیا اور یہ بھی مان لیا کہ وہ دوسری قوموں اور ملکوں کی مدد کے بغیر گرانی کو دور نہیں کر سکتے۔ پیپلز پارٹی کے لیڈروں سے یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ جب پاکستان میں گرانی کی بین الاقوامی لہر ہے تو عوام کے وسائل آمدن بین الاقوامی معیار پر کیوں نہیں ہے؟ بہر حال پیپلز پارٹی کے رہنماؤں نے واضح لفظوں میں اقرار کر لیا ہے اور اعلان کر دیا ہے کہ وہ مہنگائی کو دور نہیں کر سکتے۔

پاکستان قومی اتحاد کے رہنما یہ وعدہ و اعلان کر رہے ہیں کہ وہ قیمتوں کو ۱۹۷۰ء کی سطح تک آخر کار لے آئیں گے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ان لوگوں کو اس خدمت کا موقع نہ دیا جائے۔ پاکستانی عوام پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں معاشی پست حالی کے پاتال تک پہنچ گئے ہیں اگر پیپلز پارٹی گورنمنٹ دوبارہ برسر اقتدار آئی تو ظاہر ہے کہ وہ گرانی کے خلاف کوئی عملی جدوجہد نہیں کر سکتے۔ بین الاقوامی کانفرنس بلا کر قوم کا مزید سرمایہ ضائع کریں گے اور مزید گرانی

بڑھے گی۔ کانفرنسوں کے سہارے وعدۂ فردا کا چکر چلتا رہے گا۔ معاشیات میں سوشلزم کو اپنانے کا ردعمل یہی کچھ ہو سکتا ہے۔ اب پاکستانی معاشیات میں اسلامی نظام کو کام کرنے کا موقع دینا چاہیے اور چونکہ اسلامی نظام معاشیات ہمارے عقیدے اور فکر کے مطابق ہے۔ اس لئے ہم رضا کارانہ مہنگائی کو کم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ اسلامی نظام زندگی نافذ ہوتے ہیں قوت حاکمہ و مقتدرہ محل احتساب میں آجاتی ہے اور عوام سے پوچھ گچھ دوسرے درجے میں ہوتی ہے۔ سوشلزم کے نفاذ کے ساتھ قوت مقتدرہ سے کچھ بھی پوچھا نہیں جا سکتا۔ صرف عوام محل احتساب میں رکھے جاتے ہیں تو اب اگر کچھ لوگ نظام اسلام نافذ کر کے قوت مقتدرہ کی شکل میں اپنے آپ کو محل احتساب میں لانے کے لئے تیار ہیں تو مسلمان کی حیثیت سے ہمارا یہ فرض ہے کہ انہیں یہ موقع فراہم کریں۔ مزاج حکومت بڑا نازک ہوتا ہے وہ کسی قسم کی تنقید کو برداشت نہیں کرتا۔ نفاذ اسلام حکام پر تنقید کا دروازہ کھول دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ صدیوں سے لوگ اسلام کے نعرے تو لگاتے ہیں لیکن نظم حکومت میں اسلام کے عمل دخل کو قبول نہیں کرتے۔ پیپلز پارٹی سے نفاذ اسلام کی توقع قطعاً عبث ہے کہ اس کے کارکنوں کے اذہان واعمال میں دور دور تک اسلام کا نشان موجود نہیں ہے۔ پاکستان قومی اتحاد سے یہ توقع بعید نہیں ہے کہ قومی اتحاد کے اکثر و بیشتر کارکنوں کے ذہن و عمل میں اس وقت بھی اسلام کی نشانیاں موجود ہے۔

پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت نے شیعوں کو بھی شدید نقصان پہنچایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو حکومت اسلام کو نقصان پہنچائے گی وہی شیعوں کی نقصان کا باعث ہوں گی۔

قومی اتحاد چونکہ نظام مصطفوی کا داعی ہے، اس لئے شیعوں کو ملت اسلامیہ کا ایک جزء ہونے کی حیثیت سے کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے۔ جب اسلام رہے گا تو سنی بھی رہیں گے، شیعہ بھی رہیں گے۔ اور جب پیپلز پارٹی کی حکومت کے زیر اثر اسلام ہی نہ رہے گا تو نہ سنی رہیں اور نہ شیعہ۔ نہ عزاداری نہ تراویح۔ قیام پاکستان کے کچھ دنوں کے بعد بائیس نکات میں سب فرقوں کے علماء نے یہ طے کر دیا تھا کہ فرقے کے لئے قرآن وسنت کی وہی تعبیر و تاویل قابل نفاذ ہوگی جو اس کے نزدیک مسلم ہے اس لئے قومی اتحاد کے برسر اقتدار آنے کی صورت میں اسلام کے کسی فرقے اور خاص کر ملت جعفریہ کے لئے کوئی خطرہ نہیں مستقبل میں پاکستان عملی لحاظ سے مسلم اسٹیٹ ہوگا، سنی یا شیعہ نہیں۔۔۔!!!

"ہفت روزہ قیام" کراچی ۲۸ فروری تا ۱۳ مارچ ۱۹۸۷ء

از: مولانا شبیر الحسنین محمدی

تشکیل پاکستان کے سلسلے میں پٹھانوں کی خدمات

قیام پاکستان کی جنگ میں پٹھانوں نے قابل قدر حصہ لیا ہے جس کا تھوڑا بہت تذکرہ ہم اس وقت کرنا چاہتے ہیں۔ مگر اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس تعلق میں دوسرے گروہوں، طبقات اور افراد کی خدمات کی نفی کرنا چاہتے ہیں۔ برصغیر ہند کے ہر خطے کے رہنے والے مسلمان نے اپنے حالات کے تحت جنگِ تشکیلِ پاکستان کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں امکانی حصہ لیا ہے۔ خاص کر مہاجروں کا حصہ تو اتنا عظیم اور نمایاں ہے کہ جس کی نفی کی ہمت تو کوئی کور چشم تو کیا کور باطن بھی نہیں کر سکتا۔ بلکہ مہاجروں نے تو دوہری قربانیاں پیش کیں ہیں۔ مرحلہ اوّل میں قیام پاکستان کے لیے اور قیام پاکستان کے بعد سے اس وقت تک اور آئندہ معلوم نہیں کب تک استحکام پاکستان کے لیے قربانیاں دیتے رہے ہیں اور دیتے رہیں گے۔

استحکام پاکستان کے لیے سب سے پہلی قربانی نوابزادہ لیاقت علی خان کے مظلومانہ قتل کی شکل میں دی گئی۔ سنہ ۱۹۵۱ء میں ۱۶ ر اکتوبر کو مسلم لیگ اور پاکستان کا یہ بطلِ جلیل۔۔۔ سازش کا شکار بنا یا گیا۔ اس سازش کی منصوبہ سازی بڑے ہی محتاط طریقے سے بڑے سازشی دماغوں نے تیار کی تھی کہ پہلے وزیر اعظم پاکستان کے سینے میں گولی پیوست ہونے کے چند سیکنڈ بعد حملہ آور کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تاکہ اصل قاتلوں کا سراغ ممکن نہ رہے۔ اگر نوابزادہ مرحوم کا قاتل زندہ رہتا تو اصل قاتلوں کے چہرے یقیناً بے نقاب ہو جاتے۔ قاتل کی موت سے منصوبہ سازوں نے اطمینان کا سانس لیا۔

لیکن نواب زادہ اعزاز الدین سابق ڈائریکٹر جنرل پولیس نے گمشدہ وسائل میں سے کچھ ایسی چیزیں نکال لیں کہ اصل قاتلوں کو اپنے چہروں کی عریانی کا خطرہ پیدا ہو گیا اور کھیوڑے کی کانوں میں نوابزادہ ہوائی جہاز کے حادثہ کا شکار بنا دیئے گئے اور مرحوم کے پاس جو اہم ریکارڈ پر مشتمل فائل تھی اس کا ہر کاغذ اور کاغذ کا ہر پرزہ تلپٹ ہو گیا۔ اس حادثے کے کافی عرصے بعد جناب ذوالفقار علی بھٹو کی مساعی جمیلہ کے نتیجے میں مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بنا تو پھر مہاجروں کو عظیم قربانیاں دینی پڑیں۔ مہاجروں نے پاکستان کی فوج کا ساتھ دیا ہماری بے

بھری کے نتیجے میں فوج اور دیگر افسران پولیس گرفتار ہوگئے لیکن مہاجروں کے خون سے ہندوستانی فوج اور مکتی باہنی نے خوب خوب ہولی کھیلی۔

اس صورت حال میں جو مہاجر اپنی جان بچا کر بھاگ نکلے وہ نیپال، برما وغیرہ کے راستے ہزار در ہزار مصیبتیں بھگت کر مغربی پاکستان پہنچ گئے جو، اب پاکستان کہلاتا ہے۔ بنگلادیش سے جو نہ نکل سکے وہ کیمپوں میں پڑے ہوئے سڑ رہے ہیں۔ اور حیران کن بات یہ ہے کہ جو پاکستان تیس (۳۰) لاکھ سے زیادہ افغان بھائیوں کو پناہ دے سکتا ہے وہ کروڑ در کروڑ مصائب کا شکار پاکستان کے ووٹروں کو ابھی تک پاکستان لانے کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ پیپلز پارٹی کی حکومت کو کیا غرض پڑی تھی کہ بنگلہ دیش بنوا کر وہاں سے پاکستانیوں کو یہاں لائے۔ جنرل ضیاء الحق صاحب کی مارشل لاء گورنمنٹ نے بھی کوئی معمولی سی دلچسپی نہیں لی۔ ہاں مسلم لیگ گورنمنٹ کے آنے کے بعد وزیر اعظم پاکستان محمد خان جونیجو صدر پاکستان مسلم لیگ اور وزیر اعلیٰ سندھ سید غوث علی شاہ صدر مسلم لیگ سندھ نے واضح اعلان کیا ہے کہ

''بنگلادیش میں پھنسے ہوئے پاکستانی ہمارے بھائی ہیں۔ ان کی عورتیں ہماری مائیں بہنیں ہیں۔ ہم ان کو پاکستان لانے کے لیے ہر امکانی کوشش کریں گے۔''

لیکن یہ بنگلادیش میں غیر انسانی زندگی گزارنے والے پاکستانیوں کا نصیب ہے کہ مسلم لیگ کی حکومت کو اپوزیشن کے مردان کار مقامی مسائل میں اتنا اُلجھائے جا رہے ہیں کہ وہ اس فریضے کی تکمیل کے لیے فی الحال کوئی اہتمام کرنے کے قابل ہی نہیں چھوڑے گئے اور یہ مہاجروں کی قربانی پاکستان کے استحکام کے لئے ایک بہت بڑی قربانی ہے۔ چند ہفتے ہوئے استحکام پاکستان کے لئے مہاجروں کو پھر قربانی دینی پڑی۔ مہاجروں نے تسلسل کے ساتھ مطالبہ کیا کہ

''سہراب گوٹھ منشیات اور ناجائز اسلحہ کا گڑھ بن چکا ہے، اس کو ختم کیا جائے۔''

یہ ایسی برائی ہے کہ جس کو باقی رہنے دینا پاکستان کی نفی ہے اور مسلم لیگ کے صوبائی صدر سید غوث علی شاہ نے سہراب گوٹھ کو ختم کرنے کا ارادہ کیا اور اس تعلق میں پختہ عزم کے ساتھ اقدام بھی کر دیا۔

یہ اقدام ہوتے ہی وہ طاقتیں جو پاکستان کو اور خصوصاً سندھ کو اخلاقی طور پر دیوالیہ بنانے پر تلی ہوئی تھیں سیخ پا ہو گئیں اور ان بے نوا، اور بے وسائل مہاجروں پر جو ''اورنگی ٹاؤن'' وغیرہ میں آباد تھے اور جو برائی کو بیخ و بن سے اُکھاڑنے کا جرم کر چکے تھے، برائی کے جتوں کے

بچاریوں نے اس طرح سے حملہ کیا جیسے دشمن کی فوج حملہ کرتی ہے۔

بربریت مآب اور حیوانیت مزاج لوگ خوں خوار درندوں کی شکل میں عورت، مرد، بچے کے امتیاز سے بلند ہو کر قتل، لوٹ مار اور ساز پھونک میں لگ گئے اور اس طرح مہاجر نے بنگلہ دیش کے بعد استحکام پاکستان کے لیے یہ عظیم قربانی بھی دے ڈالی۔ ہم اس مرحلے پر اس حادثے کی تفصیلات سے بحث نہیں کریں گے قومی اخبارات میں اس ضمن میں بہت کچھ لکھا جارہا ہے اور لکھا جائے گا اور ہم بھی کسی وقت اظہار رائے کریں گے۔

فی الحال صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ یہ حملہ پٹھانوں نے نہیں کیا تھا۔ بلکہ ان شیطانوں نے کیا تھا جو ہیروئن وغیرہ منشیات اور ناجائز اسلحہ کے کاروبار سے لکھ پتی اور کروڑ پتی بن گئے تھے اور جو ان مہاجروں کی تحریک خیر کے نتیجے میں اپنی ناجائز دولت کے مستقبل کو خطرے میں محسوس کر رہے تھے دن دہاڑے حلہ بول دیا اس موقع پر پولیس اور انتظامیہ کیا کر رہی تھی اس بحث کو بھی ہم کسی دوسرے وقت کے لیے ملتوی کرتے ہیں۔

غرض یہ کہ یہ ظلم اور بربریت کا مظاہرہ جو نہتے بے گناہ مہاجروں کے خلاف کیا گیا اس کے مجرم پٹھان بہر حال نہیں ہیں۔ اس یزیدی اور چنگیز خانی ظلم کو لسانی فساد کہنا حقائق کو مسخ کرنا ہے۔ اس لیے کہ اگر پٹھانوں کو اُردو بولنے والوں سے کوئی نفرت ہوتی تو ہزاروں مہاجر صوبہ سرحد کے ہر ضلع میں اور بلوچستان ضلع ژوب، لورالائی اور چشین وغیرہ میں موجود ہیں ان کو قتل کر دینا اور لوٹ لینا تو ایک معمولی بات تھی۔ لیکن وہ ہزاروں مہاجر پٹھانوں کے ساتھ اور ان کی آغوش محبت میں پُر امن زندگی گزار رہے ہیں۔

اس ظلم عظیم کو لسانی فسادات وہ کہتے ہیں جو، ڈاکوؤں، اسمگلروں اور منشیات فروشوں کو تحفظ دینے کے خواہشمند ہیں اور پٹھانوں کو تشکیل پاکستان کی مساعی میں واضح حصہ لینے کی سزا دینا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے کہ ہر جگہ کے مسلمان نے تشکیل پاکستان میں اپنی حیثیت کے مطابق کوشش کی ہے۔ لیکن پٹھان علاقہ کانگریس کا گڑھ تھا، اور اس نے مطالبہ پاکستان پر ریزولیشن ۱۹۴۰ء کے منظور ہونے سے بہت پہلے صوبہ سرحد اور بلوچستان کے علاقے کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ ظاہر ہے کہ کانگریس کے پاس سرمایہ کی کمی نہیں تھی اور سبز باغ دکھانے میں بھی ان کو مہارت تامہ حاصل تھا۔ اس لیے اس نے ان علاقوں میں دو گاندھی پیدا کر لیے تھے۔ صوبہ سرحد میں عبدالغفار خان سرحدی گاندھی۔ بلوچستان میں سردار عبدالصمد اچکزئی۔ بلوچستانی گاندھی یہ نوٹ کر لیا جائے کہ عبدالصمد اچکزئی پشتون قبیلے سے متعلق تھے۔

گو بعض بلوچ بھی کانگریس میں شامل تھے، لیکن ان کا ضمیر کفر نواز نہیں ہوا تھا کہ وہ اسلام کا نام چھوڑ کر ہندو پرستی میں اتنے آگے بڑھ جاتے کہ اپنا نام گاندھی رکھتے، بہر حال پشتونوں میں ان دونوں گاندھیوں کا اور کانگریسی سرمایہ کے سہارے ان کے ٹگے بندھوں کا اتنا اثر تھا کہ انہوں نے یہ رائے قائم کی "ہم صوبہ سرحد کو انڈین یونین میں شامل کر سکتے ہیں۔" اس لیے کانگریس لیڈروں کی معرفت صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کرانے کے لیے انگریز بہادر کو آمادہ کر لیا اور خود انگریز بھی یہی چاہتا تھا کہ پاکستان نہ بنے اور اگر بنے بھی اتنا لولا لنگڑا ہو کہ ہر قدم پر بھارت کا محتاج رہے۔

یہی وجہ تھی کہ بنگال کو تقسیم کر دیا گیا۔ جب کہ ۱۹۱۱ء میں کانگریس اور ہندو نے بنگال کی تقسیم پر قیامت برپا کر کے انگریزوں کو اس تقسیم پر خط تنسیخ کھینچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ آسام کو پاکستان کا حصہ ہونا چاہیے تھا لیکن وہاں بھی ہندو اکثریت کے اضلاع کو علیحدہ کر کے سلہٹ ڈویژن میں ریفرنڈم کا ڈول ڈالا۔ تاکہ دولت کے زور پر وہاں کے مسلمانوں کو خرید لیا جائے اور سلہٹ بھی پاکستان میں نہ جا سکے لیکن یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا اور کانگریس کے "نیتا" سوائے شرمندگی کے کچھ حاصل نہ کر سکے اور وہاں کے سب مسلمانوں نے صد فیصد پاکستان کے حق میں ووٹ دیا اور چونکہ وہاں کوئی آسامی یا سلہٹی گاندھی نہیں تھا۔ اس لیے کوئی جھگڑا باقی نہ رہا اور پاکستان کے خلاف بھی کسی نے کوئی آواز نہ اٹھائی اگر مغربی پاکستان کے شاطروں نے مجبور نہ کر دیا ہوتا تو وہ تو بانی تھے پاکستان کے، بنگلہ دیش ہرگز نہ بناتے۔ بہر حال خان برادران خاص کر سرحدی گاندھی اور بلوچستانی گاندھی صوبہ سرحد میں اپنے تصوراتی اثر و رسوخ کے بل پر پٹھانوں کے جذبہ اسلام کو اپنی کوششوں کے نتیجے میں کمزور اور مضمحل سمجھ کر ریفرنڈم کے میدان میں آ گئے۔

ادھر سردار عبدالرب نشتر پیر صاحب مانکی شریف، پیر صاحب زکوڑی شریف، پیر آف بلوٹ، ملک الرحمن کیانی، ابراہیم جھگڑا اور ان کے ساتھی ہوتی برادران، خٹک برادران، خان عبدالقیوم خان، نواب نصر اللہ خان بلمین اور سینکڑوں مسلمان اللہ کا نام لے کر میدان میں آ گئے۔۔۔!! ذرا اندازہ کیجئے کیسے سبز باغ نہ دکھائے گئے ہوں گے! لیکن پٹھانوں نے کفر کے نمائندوں کی ایک بات نہ سُنی اور تمام مفادات کو ٹھکرا کر پاکستان کی موعودہ جنت کے لیے تقریباً ۹۸ فیصد ووٹ دے کر پاکستان میں شمولیت کا واضح اعلان کر دیا۔۔۔!!

صوبہ سرحد تو پاکستان میں شامل ہو گیا، لیکن بناسپتی گاندھیوں ان کی آل اولاد اوران

کے ساتھی کانگریسی دستر خوان پر سنہرا روپہلا بھوجن اڑانے والوں نے پاکستان کو نقصان پہنچانے کا دھندا شروع کر دیا اور یقیناً کراچی کے ہنگاموں میں اس گروہ کی حلیہ سازیوں اور روباہ بازیوں کا پورا پورا دخل محسوس ہوتا ہے!

دوسرے چند افراد کے ساتھ چرس، ہیروئن وغیرہ اور ناجائز اسلحہ کا کاروبار بھی اسی گروہ کے گماشتوں کے ہاتھ میں ہے۔ ہیروئین اور کلاشنکوف وغیرہ ان ہی بزرگواروں کے حلقۂ اثر سے پنجاب اور سندھ ہوتی ہوئی کراچی پہنچتی ہے۔ ان اشیاء کے کراچی پہنچنے میں صوبہ سرحد، پنجاب اور سندھ پولیس کی رشوت خوری کو پورا دخل ہے۔ یہ اپنی ذات کے پجاری اور ملک کے دشمن عوام کے خزانے سے تنخواہیں بھی لیتے ہیں اور ان کے حال اور مستقبل کو تباہ کرنے کے لئے ناجائز اسلحہ اور منشیات کو کراچی تک پہنچنے دیتے ہیں۔!

"سہراب گوٹھ" ایک دن یا ایک سال میں نہیں بنا۔ مارشل لاء حکومت کے زیر سایہ یہاں جرم و گناہ کے وسائل مہیا اور جمع ہوتے رہے۔ وزیر اعلیٰ سندھ سید غوث علی شاہ کو اللہ نے یہ حوصلہ عطا فرمایا کہ انہوں نے برائیوں کے اس گڑھ کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا اور جو چھوٹے چھوٹے سہراب گوٹھ بن گئے ہیں وہ بھی انشاء اللہ ختم ہو جائیں گے، اس لئے کہ سندھ کی حکومت باغم آباد، نتھا خان گوٹھ، لیاری اور دیگر مقامات پر چھوٹے چھوٹے منشیات کے اڈوں کو ختم کرنے کی کوشش کر رہی ہے اندرون سندھ بھی جو اڈے تعمیر کئے گئے ہیں ان پر بھی مسلم لیگ کی حکومت کی نگاہ ہے اور انشاء اللہ سندھ سے ان برائیوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ غرض کہ اس تعلق میں پٹھانوں کو گھسیٹنا ناانصافی ہے۔ مہاجروں اور پٹھانوں کے نمائندوں کو اور عوام کو اپوزیشن کی انتشار پسندی سے ہوشیار رہنا چاہیے،

مسلم لیگ کی حکومت ہی ان کے مسائل کو حل کر سکتی ہے۔ پاکستان کی تشکیل کے مخالف جو مصنوعی ہمدردی کا نقاب اوڑھ کر مسلم لیگ کی حکومت کے استعفیٰ مطالبہ کرتے ہیں۔ نہ وہ پٹھانوں کے دوست ہیں، نہ مہاجروں کے، نہ کسی اور کے۔ وہ صرف مسلم لیگ کا اقتدار برداشت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ مسلم لیگ کی حکومت کے ہوتے ہوئے اپنی سازشوں میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ مسلم لیگ کے علاوہ کسی بھی پارٹی کی حکومت قائم ہو جائے تو یہ قبول کر لیں گے۔ اس لئے کہ ان کے مقاصد کی تکمیل میں کوئی رکاوٹ نہیں رہے گی۔ مسلم لیگ کی حکومت ان کے جی کا جنجال ہے اور اس کو تعمیری کاموں سے روکنے کے لئے یہ کراچی میں خصوصاً غریب مہاجروں کے علاقے میں فساد انگیزی کا فریضہ انجام دیتے رہتے ہیں۔ اس لئے

کہ ڈیفنس سوسائٹی، گلشن اقبال، پی۔ای۔سی۔ایچ۔ایس وغیرہ کے باشندوں تک ان کی رسائی ممکن نہیں ہے۔ غریبوں اور کم تعلیم یافتہ طبقوں میں ان کا جادو چل جاتا ہے اس لئے کراچی کے تمام غریب آبادکاروں کو خواہ وہ پٹھان ہو یا مہاجر یا کوئی اور۔۔۔ ان دشمنان پاکستان کی ظاہری محبت اور غمخواری سے دھوکہ نہ کھائیں اور یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اہل کراچی اور تمام پاکستانیوں کی مشکلات کا حل خلوص کے ساتھ وہی جماعت کرسکتی ہے جس نے پاکستان بنایا ہے۔

"ہفت روزہ قیام" کراچی ۲۸ رفروری تا ۱۳ رمارچ ۱۹۸۷ء

از: مولانا شبیر الحسنین محمدی

کیا "جماعت اسلامی" دینی جماعت ہے؟

اس وقت دنیا میں نوع انسانی ارب ہا افراد پر مشتمل ہے۔ اولاد آدم ہونے کے ناطے یہ سب خواہ پہاڑوں پر رہتے ہوں یا میدانوں میں، سمندری جزیروں میں یا طویل و عریض جنگلوں میں، ان کا رنگ و روپ کیسا ہی ہو اور ان کے قد کاٹھ کی کیفیت اور نوعیت کچھ بھی ہو، ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ اگرچہ اس بھائی چارے کو وقتاً فوقتاً فراموش کردیا جاتا ہے تاہم کہلاتے سب انسان اور آدمی ہی ہیں۔ ذہنی طور پر یہ سب انسان دو حصوں میں تقسیم ہیں۔ ایک گروہ خدا کو تسلیم نہیں کرتا، اتفاقاً ان کی تعداد زیادہ ہے، دوسرا طبقہ خدا کو تسلیم کرتا ہے۔۔۔۔ پہلا گروہ "دہریہ یا بے دین کہلاتا ہے اور دوسرا فریق "صاحب دین"!

اہل ادیان مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں اور ان کے مختلف نام ہیں جیسے یہودی، عیسائی، مجوسی، آتش پرست، سناتن دھرم، آریہ سماج، سکھ، چینی، بدھسٹ اور مسلمان وغیرہ۔ یہ سب اہل دنیا خدا کو کسی نہ کسی شکل میں اور حیثیت میں تسلیم کرتے ہیں۔ تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ ان مختلف ادیان میں سے زیادہ تر دین تو خود انسان کے ساختہ پرداختہ ہیں۔ جیسے آریہ سماج، بدھ ازم وغیرہ۔ بعض دین وہ ہیں جو خداوند عالم نے اپنے انبیاء کی معرفت، انسانی برادری کو دیئے تھے لیکن انسانوں نے اپنے جذبہ تحریف و تغیر کی تسکین کے لئے اتنی تبدیلیاں کردیں کہ اب یہ پتا چلانا بھی مشکل ہے کہ اصل خدائی ہدایات کیا تھیں؟ یہ ہیں یہودیت، عیسائیت وغیرہ۔ صرف "اسلام" ایک ایسا دین ہے جو مسلمہ طور پر خداوند عالم نے اپنے آخری نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وسیلے سے نوع انسانی تک پہنچایا، اس کا پہلا ماخذ قرآن ہے اور دوسرا حضور پیغمبر اسلام کی سیرت مبارکہ۔۔۔۔!

دور خلفائے راشدین گزرنے کے بعد دین کے ان دونوں ماخذوں کی تاویل و تشریح میں بعض حضرات نے دماغی جولانیوں کا مظاہرہ کیا جس کے نتیجے میں بہت سے فرقے پیدا ہوگئے! تاہم یہ فرقے ماخذ و منابع دین یعنی قرآن و سنت پر آج تک متحد و متفق ہیں۔ خلیفہ ہو عباس کے دور میں اسلام کی تعبیر و تاویل کے اعتبار سے بہت سے فرقے پیدا ہوگئے تھے اور نت نئے فرقے پیدا ہوتے جارہے تھے کہ ایک عباسی خلیفہ نے فرقہ پرستی کے نقصان رساں نتائج کو

محسوس کرتے ہوئے سب فرقوں کو ممنوع قرار دے دیا اور چار فرقوں کو پھلنے پھولنے کا موقع دیا۔ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی۔ اس دور کے بعد بلا واسطہ اسلام کی جان تو لوگوں نے چھوڑ دی لیکن مذکورہ فرقوں کی تاویل و تفسیر کے سہارے بہت سے نئے فرقے پیدا کر لئے۔

برصغیر ہند میں مالکی، حنبلی اور شافعی نہ ہونے کے برابر تھے اور ہیں۔ حنفی فرقہ اس علاقہ میں پھلتا پھولتا رہا، اور اس فرقے کے ماننے والوں نے کئی فرقے پیدا کر دیئے جو معلوم عوام ہیں۔۔۔۔ اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ چنانچہ۔۔۔۔ ماضی قریب میں ایک نئے فرقے نے پٹھان کوٹ ضلع گورداسپور میں جنم لیا اور اب اس کا مرکز لاہور میں ہے اور سارا پاکستان اس کی گشت کا میدان۔۔۔۔ اس کا سیاسی نام "جماعت اسلامی" ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا ابو الاعلیٰ مودودی نے ایک نئے فرقے کی بنیاد ڈالی اور جماعت اسلامی میں شریک ہونے والے۔۔۔۔ "فرقہ مودودیہ" کے پرچارک اور مبلغ ہیں تاہم طرفہ تماشہ یہ ہے کہ جماعت اسلامی کے ایک ناقوس خصوصی نے اس جماعت کو سیاسی جماعت ظاہر کرنے کے لئے ارشاد فرمایا کہ:

"جماعت اسلامی عمومی نوعیت کی ایک عام سی سیاسی جماعت نہیں ہے، ایک اصولی جماعت ہے۔"

دوسری طرف یہ بار بار اعلان کیا جاتا ہے کہ یہ ایک دینی جماعت ہے۔ اور اس کا آئین و منشور مکمل طور پر دینی ہے اور اس وجہ سے اس کا نام جماعت اسلامی ہے، حالانکہ جماعت کے منشور اور دروبست پر نظر ڈالی جائے تو اس کے نام کا کوئی اثر اس کے کردار میں نہیں ملتا۔ اگر یہ واقعاً جماعت اسلامی ہی ہے تو اس کے دروازے ایک مخصوص گروہ کے علاوہ دوسرے مسلمانوں پر کیوں بند ہیں۔۔۔۔؟

پاکستان میں تقریباً ساڑھے آٹھ کروڑ مسلمان آباد ہیں اتنی بڑی تعداد میں سے صرف چند افراد ہی کو جماعت اسلامی میں بار ملا ہوا ہے، اور یہ شاید اس لئے کہ جب تک کوئی مسلمان جناب مودودی یا اب جناب طفیل محمد کی تعبیر اسلام کو قبول نہ کرے وہ اس جماعت میں شامل نہیں ہو سکتا۔ یہ متفقین، ہمدرد و مخلصین وغیرہ کی درجہ بندی کہاں سے سیکھی گئی ہے؟ لہٰذا جماعت اسلامی کے بجائے "مودودی" یا "طفیلی" جماعت کہی جانی چاہئے۔ غرض کہ جماعت اسلامی نے اسلام کی نئی تعبیر و تاویل کے سہارے ایک نیا فرقہ پیدا کر دیا۔

ہم تفصیلات سے تو کسی دوسرے مرحلے پر بحث کریں گے مختصر طور پر عرض یہ ہے کہ

محسوس کرتے ہوئے سب فرقوں کو منسوخ قرار دے دیا اور چار فرقوں کو پھلنے پھولنے کا موقع دیا۔ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی۔ اس دور کے بعد بلا واسطہ اسلام کی جان تو لوگوں نے چھوڑ دی لیکن مذکورہ فرقوں کی تاویل و تفسیر کے سہارے بہت سے نئے فرقے پیدا کر لئے۔

برصغیر ہند میں مالکی، حنبلی اور شافعی نہ ہونے کے برابر تھے اور ہیں۔ حنفی فرقہ اس علاقے میں پھلتا پھولتا رہا اور اس فرقے کے ماننے والوں نے کئی فرقے پیدا کر دیئے جو معلوم عوام ہیں۔۔۔۔ اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ چنانچہ۔۔۔ ماضی قریب میں ایک نئے فرقے نے پٹھان کوٹ ضلع گورداسپور میں جنم لیا اور اب اس کا مرکز لاہور میں ہے اور سارا پاکستان اس کی گشت کا میدان۔۔۔۔ اس کا سیاسی نام "جماعت اسلامی" ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا ابو الاعلیٰ مودودی نے ایک نئے فرقے کی بنیاد ڈالی اور جماعت اسلامی میں شریک ہونے والے۔۔۔۔ "فرقہ مودودیہ" کے پرچارک اور مبلغ ہیں تاہم طرفہ تماشہ یہ ہے کہ جماعت اسلامی کے ایک ترجمان خصوصی نے اس جماعت کو سیاسی جماعت ظاہر کرنے کے لئے ارشاد فرمایا کہ:

"جماعت اسلامی عمومی نوعیت کی ایک عام سی سیاسی جماعت نہیں ہے، ایک اصولی جماعت ہے۔"

دوسری طرف یہ بار بار اعلان کیا جاتا ہے کہ یہ ایک دینی جماعت ہے۔ اور اس کا آئین و منشور تماماً مذہب پر مبنی ہے اور اس وجہ سے اس کا نام جماعت اسلامی ہے، حالانکہ جماعت کے منشور اور دستور پر نظر ڈالی جائے تو اس کے نام کا کوئی اثر اس کے کردار میں نہیں ملتا۔ اگر یہ واقعاً جماعت اسلامی ہی ہے تو اس کے دروازے ایک مخصوص گروہ کے علاوہ دوسرے مسلمانوں پر کیوں بند ہیں۔۔۔۔؟

پاکستان میں تقریباً ساڑھے آٹھ کروڑ مسلمان آباد ہیں اتنی بڑی تعداد میں سے صرف چند افراد ہی کو جماعت اسلامی میں بار ملا ہوا ہے، اور یہ شاید اس لئے کہ جب تک کوئی مسلمان جناب مودودی یا اب جناب طفیل محمد کی تعبیر اسلام کو قبول نہ کرے وہ اس جماعت میں شامل نہیں ہو سکتا۔ یہ متفقین، صالح و مخلصین وغیرہ کی درجہ بندی کہاں سے سیکھی گئی ہے؟ لہٰذا جماعت اسلامی کے بجائے "مودودی" یا "طفیلی" جماعت کہی جانی چاہئے۔ غرض کہ جماعت اسلامی نے اسلام کی نئی تعبیر و تاویل کے سہارے ایک نیا فرقہ پیدا کر دیا۔

ہم تفصیلات سے تو کسی دوسرے مرحلے پر بحث کریں گے مختصر طور پر عرض یہ ہے کہ

بڑے عظیم المرتبت ہیں اور نام کے بھی اعظم ہیں۔

کراچی کے امیر ہیں فرماتے ہیں کہ:

"سندھ اسمبلی کے ارکان کو کراچی کے باشندوں اور ان کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں"۔

اس بیان میں اس لیڈر نے وزیر اعظم پاکستان کے خلاف بھی انگارے اگلنے کا اہتمام کیا ہے۔ کچی آبادیوں کی تعداد ملک میں سب سے زیادہ کراچی میں ہے۔ لیکن وزیر اعظم امداد دیتے ہیں تو کراچی کے دس کروڑ کے مقابلے میں پنجاب کو سولہ کروڑ امداد دیتے ہیں۔ جہاں کچی آبادیوں کا کوئی بڑا مسئلہ نہیں۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس محترم لیڈر نے ملک بھر کی کچی آبادیوں کا سروے کرالیا ہے جو ظاہر ہے کہ وزیر اعظم کے مقابلے میں ایک واہی قیاس سے زیادہ نہیں ہوسکتا۔ وزیر اعظم نے پنجاب کو سولہ کروڑ روپیہ دیا ہے، پورے صوبہ پنجاب کو۔۔۔ اور کراچی اور صرف کراچی کو دس کروڑ روپیہ دیا ہے، سندھ کو نہیں۔ اس خدمت کو ہوا میں اڑانے کے لئے طنزیہ انداز گفتگو صرف جماعت اسلامی کا لیڈر ہی اختیار کرسکتا ہے اور آپ جانتے ہیں یہ سارا ماتم اور غیظ و غضب کیوں ہے؟ صرف اس لئے کہ سندھ اسمبلی نے جماعت اسلامی کے لاڈلے۔۔۔۔ کراچی میونسپل کارپوریشن کے میئر کو وہیکل ٹیکس کی خطیر رقم کیوں نہیں دی؟ کہ وہ اس رقم کو جماعت اسلامی کے پروپیگنڈے پر بے دریغ خرچ کرتے۔۔۔۔ محترم میئر صاحب کی خدمات بھی اہل کراچی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ ہم نے بھی دسیوں سڑکیں :

"تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم"

کا آئینہ دیکھیں۔۔۔۔ اتفاقاً کراچی کے جن علاقوں میں فساد ہوا ہے وہ زیادہ تر جماعت اسلامی کے کونسلروں کے حلقے ہیں۔۔۔ اور یہ جماعت اسلامی کی کراچی کے لئے ایک بہت بڑی عظیم اور قابل فخر خدمت ہے، کراچی اور اہل کراچی کی محبت کے جوش میں ان حضرات نے سندھ اسمبلی پر جماعت اسلامی کی خواتین کو چڑھا دیا۔ تاکہ۔۔۔۔ جو فساد ختم گیا ہے وہ عورتوں کی بے حرمتی کا ڈھنڈورا پیٹ کر پھر شروع کرا دیا جائے۔۔۔ اور اس تعلق میں کراچی کے در و دیوار پر۔۔۔ اشتہارات کا غلاف چڑھا دیا تاکہ جو ان عاشقان کراچی کی اخباری اشتعال انگیزیوں سے متاثر نہ ہوں۔ وہ ان اشتہاروں سے آگ بگولہ ہو جائیں اور کراچی میں امن وامان کا مسئلہ گھمبیر ہے اور یہ لوگ مصنوعی آنسوے بہا سکیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کراچی کے لوگ اورنگی وغیرہ کے سانحے سے جماعت اسلامی کی فساد پسندی کو سمجھ گئے ہیں۔۔۔ اس لئے عورتوں

کے تعلق میں یہ اشتہار بازی اور اخبار بازی غیر موثر رہی۔۔۔۔اور جماعت اسلامی کا شر انگیزی کا خواب دیوانے کا خواب بن گیا۔۔۔!

ہم یہ بھی جاننا چاہتے ہیں کہ کراچی کے زبانی کلامی ہمدرد ایک عرصے تک خود بھی اقتدار میں رہے ہیں۔ اپنے دور اقتدار میں اپنے لگوں بندھوں کے علاوہ کراچی کے باشندوں کو کون سے اور کتنے تحفے عطا فرمائے ہیں۔۔؟ کم سے کم ان حضرات کو صدر پاکستان مسلم لیگ محمد خان جونیجو اور صدر سندھ مسلم لیگ جناب سید غوث علی شاہ پر چھینٹے نہیں پھینکنا چاہئیں۔ اس لئے کہ یہ دونوں پاکستان اور سندھ کی دن رات خدمت کر رہے ہیں اور جو مادی طور پر نظر بھی آنے لگی ہیں۔۔۔!! جماعت اسلامی کو چاہئے کہ وہ اندرون سندھ اور کراچی کے ترقیاتی کاموں پر نظر ڈالیں تو حیران رہ جائیں گے۔ جگہ جگہ سڑکیں بن رہی ہیں، پل بن رہے ہیں، ہسپتال، اسکول، کالج بن رہے ہیں۔ یونیورسٹیاں تعمیر ہو رہی ہیں۔ بنجر زمینوں کو قابل کاشت بنایا جا رہا ہے۔ تاہم اگر کچھ لوگوں کو سورج نظر نہ آئے تو ہم ان کے لئے دعائے خیر کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں۔ جماعت اسلامی اگر کراچی میں فساد انگیزی سے باز رہے اور اگر اسے پاکستان سے کوئی دلچسپی ہے تو کراچی اور حیدر آباد کے امن کی بحالی کے لئے اپنے طور پر بھی کوشش کرنا چاہئے۔۔۔۔۔!

"غوث علی شاہ کو نکالو!" کے نعرے سے امن بحال نہیں ہوگا۔ سید غوث علی شاہ سندھ کے بہترین خادم ہیں۔ اسی لئے مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی نے اپنے بھرپور اعتماد کا مظاہرہ کیا ہے۔ جمہوری زندگی سے آشنا لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس شخص کو صوبائی اسمبلی کی اکثریت کا واضح اعتماد حاصل ہو اس سے ان جماعتوں یا دوسرے غیر متعلقہ لوگوں کو استعفیٰ طلب کرنے کا کیا حق ہے؟۔۔۔۔! تعجب ہے کہ یہ لوگ ایک طرف جمہوریت پسند بھی کہلاتے ہیں اور دوسری طرف سندھ میں جمہوریت کا گلا گھونٹ کر گورنر راج کا مطالبہ کرتے ہیں اور جہاں تک جماعت اسلامی کا تعلق ہے وہ تو مارشل لاء ہی کے زمانے میں پھلتی پھولتی ہے، جماعت اسلامی جنرل ضیاء الحق کی مارشل لائی حکومت سے پہلے پاکستان میں ان کی کیا قیمت تھی یہ کوئی ڈھکا چھپا راز نہیں۔۔۔!

مطبوعہ: روزنامہ "امن" کراچی۔ ۲ راگست ۱۹۸۷ء

تحریر: مولانا شبیر الحسنین محمدی

جماعت اسلامی کے آداب سیاست

کسی بھی ہیئت اجتماعیہ کے لئے تین امور کا وجود بنیادی عناصر کی حیثیت رکھتا ہے:

۱۔ نصب العین

۲۔ رہنما، لیڈر یا امیر

۳۔ رفقاء کار یعنی نصب العین کی تکمیل کے لئے رہنما یا لیڈر سے فکری اور عملی طور پر اتفاق کرنے والے چند افراد۔

۔۔۔۔۔ کسی جماعت کے لئے نصب العین کی حیثیت بنیادی پتھر کی ہوتی ہے، اگر اچھا یا برا کوئی نصب العین ہی نہ ہو تو اجتماعیت پیدا نہیں ہو سکتی، اور جماعت کی تشکیل ممکن نہیں ہو سکتی۔ نصب العین کے لئے ضروری ہے کہ وہ بالکل واضح اور انسانی ذہن کی گرفت میں آنے کے قابل ہو۔ ضروری نہیں ہے کہ نصب العین جماعت کی پوری زندگی میں ایک ہی رہے، بلکہ اسے ضرورت کے مطابق تبدیل بھی کیا جا سکتا ہے اور ترمیم بھی۔ جیسا کہ ہندوستان کی بڑی جماعتوں آل انڈیا نیشنل کانگریس کمیٹی اور مسلم لیگ کے تاریخی مطالعہ سے ظاہر اور ثابت ہوتا ہے کہ اولاً کانگریس کا نصب العین غیر ملکی حکومت میں اچھے عہدوں کی حد تک ہندوستانیوں کے لئے حصہ حاصل کرنا تھا اور آخر کار غیر ملکی حکومت کا خاتمہ اور مکمل آزادی اس کا نصب العین قرار پایا۔ اسی طرح مسلم لیگ نے ابتداء میں حکومت کے دائرے میں مسلمانوں کے لئے پاکستان کے نام سے ایک آزاد مملکت کا قیام اس کا نصب العین بنا۔

جماعت اسلامی اس ۱۹۴۱ء میں مولانا مودودی کی رہائش گاہ واقع اسلامیہ پارک لاہور میں تشکیل دی گئی۔ تاہم اس ظاہری تشکیل سے کافی پہلے مولانا مودودی اپنے معروف رسالے "ترجمان القرآن" کے ذریعے اپنے اقدامات کی نظری حیثیت اور عملی شکل و شمائل پر بحث کرتے رہے تھے۔ یہ رسالہ مولانا مودودی نے ۱۹۳۳ء میں حیدر آباد دکن سے شائع کرنا شروع کیا اور مختلف مضامین کی شکل میں اپنے مافی الضمیر کی اشاعت میں مصروف رہے۔ جب انہیں یہ محسوس ہوا کہ کچھ لوگ ان کے افکار سے متاثر ہو چکے ہیں تو جیسا کہ عرض کیا گیا تھا ۱۹۴۱ء

میں انہوں نے جماعت اسلامی کی داغ بیل ڈالی!

اس جماعت میں کوئی واضح نصب العین جیسا کہ دوسری جماعتوں کے حوالے سے عرض کیا گیا ہے، پیش نہیں کیا گیا، بلکہ بڑے الجھے ہوئے انداز میں مسلمانوں کو اپنے نقطۂ نظر کے مطابق سچا مسلمان بنانے کا اعلان و اظہار کیا گیا اور اسی لئے اجلاس اول کی کارروائی میں سب شرکاء سے دوبارہ کلمہ پڑھوایا گیا اور عملاً یہ بتلایا گیا کہ اب تک جو کلمہ پڑھا جاتا تھا وہ رسمی تھا۔ مولانا مودودیؒ نے مسلمانوں کی جماعتوں اور تحریکوں پر ایک نظر ڈالتے ہوئے فرمایا کہ "جماعت اسلامی اور ان سب جماعتوں کا اصولی فرق یہ ہے":

اولاً۔۔۔۔۔۔۔ ان میں یا تو اسلام کے کسی جزء کو یا دنیاوی مقاصد میں سے کسی مقصد کو لے کر بنائے تحریک بنایا گیا ہے۔ لیکن ہم عین اسلام اور اصل اسلام کو لے کر اٹھ رہے ہیں اور پورے کا پورا اسلام ہی ہماری تحریک ہے۔

ثانیاً۔۔۔۔۔۔۔ ان میں جماعتی تنظیم دنیا کی مختلف انجمنوں اور پارٹیوں کے ڈھنگ پر کی گئی ہے، مگر ہم ٹھیک وہی نظام جماعت اختیار کر رہے ہیں، جو شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قائم کردہ "جماعت" کا تھا۔

ثالثاً۔۔۔۔۔۔۔ ان میں ہر قسم کے آدمی اس مفروضہ پر بھرتی کر لئے گئے ہیں کہ جب یہ مسلمان قوم میں پیدا ہوئے ہیں تو مسلمان ہی ہوں گے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ارکان سے لے کر کارکنوں اور لیڈروں تک بہ کثرت ایسے آدمی ان جماعتوں کے نظام میں گھس گئے جو اپنی سیرت کے اعتبار سے ناقابل اعتماد تھے اور کسی بار امانت کو سنبھالنے کے لائق نہ تھے، لیکن ہم کسی شخص کو اس مفروضہ پر نہیں لیتے کہ وہ مسلمان ہوگا بلکہ وہ جب کلمہ طیبہ کے معنی و مفہوم اور مقتضیات کو جان کر اس پر ایمان لانے کا اقرار کرتا ہے تب اسے جماعت میں لیتے ہیں اور جماعت میں آنے کے بعد اس کے جماعت میں رہنے کے لئے اس بات کو شرط لازم قرار دیتے ہیں کہ اسلام میں جو کم سے کم مقتضیات ایمان ہیں ان کو پورا کرے۔ اس طرح انشاء اللہ مسلمان قوم میں سے صرف "صالح" عنصر ہی چھٹ کر جماعت میں آئے گا اور جو صالح بنتا جائے گا اس جماعت میں داخل ہوتا جائے گا۔

رابعاً۔۔۔۔۔۔۔ ان تحریکوں کی نظر ہندوستان تک اور ہندوستان تک اور ہندوستان میں بھی صرف مسلم قوم تک رہی ہے۔ کسی نے وسعت اختیار کی تو زیادہ سے زیادہ بس اتنی کہ دنیا کے مسلمانوں تک نظر پھیلا دی۔ مگر بہرحال یہ تحریکیں صرف ان لوگوں تک محدود ہیں

جو پہلے سے "مسلم قوم" میں شامل تھے اور ان کی دلچسپیاں بھی انہی مسائل تک محدود رہیں جن کا تعلق مسلمانوں سے ہے۔ ان کاموں میں کوئی ایسی چیز شامل نہیں رہی ہے جو غیر مسلموں کو اپیل کرنے والی ہو۔ بلکہ بالفعل ان میں اکثر کی سرگرمیاں غیر مسلموں کے اسلام کی طرف آنے میں اُلٹی سدِّ راہ بن گئی ہیں۔ لیکن ہمارے لئے چونکہ خود اسلام ہی تحریک ہے اور اسلام کی دعوت تمام دنیا کے انسانوں کے لئے ہے۔ لہٰذا ہماری نظر کسی خاص قوم یا کسی خاص ملک کے دقیق مسائل میں الجھی ہوئی نہیں ہے، بلکہ پوری نوعِ انسانی اور سارے کرۂ زمین پر وسیع ہے۔ تمام انسانوں کے مسائل زندگی ہمارے مسائل زندگی کا وہ حل پیش کرتے ہیں جس میں سب کی فلاح اور سب کے لئے سعادت ہے۔ اس طرح ہماری جماعت میں نہ صرف پیدائشی مسلمانوں کا صالح عنصر کھینچ کر آئے گا بلکہ نسلی غیر مسلموں میں بھی جو سعید روحیں موجود ہیں، وہ انشاء اللہ اس میں شامل ہوتی چلی جائیں گی (روداد جماعت اسلامی، حصۂ اول ۱۹۴۱ء تا ۱۹۴۲ء، طبع چہارم، منصورہ لاہور، ص ۱۱ تا ۱۳)

مولانا مودودی کے پیچ در پیچ ژولیدہ ارشاداتِ عالیہ سے صرف اتنا سمجھ میں آتا ہے کہ تجدید دین یا دوسرے لفظوں میں احیائے دین جس کا دائرہ کار مسلم اور غیر مسلم سب پر جاری ہونے کا اہتمام کیا جارہا ہے اور اندازِ گفتگو ایسا اختیار کیا گیا ہے کہ اگر کوئی گفتگو کرے تو ہر جملہ کی مناسب تاویل کی جاسکے۔ اس لئے مولانا نے آگے چل کر فرمایا ہے کہ "یہ وہ تحریک ہے جس کی قیادت اولوالعزم پیغمبروں نے کی ہے اور زمانۂ نبوت گزر جانے کے بعد وہ غیر معمولی انسان اس کو لے کر اٹھتے رہے ہیں جو نسلِ انسان کے گُل سرسبد تھے" (ص ۳۲، ۳۳، روداد جماعتِ اسلامی بحوالۂ بالا) ان تمام ارشاد فرمودہ نکات سے بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جماعتِ اسلامی کے ارکان کم از کم اصحاب پیغمبر کے مرتبے کے مالک ہیں اور امیر جماعت اسلامی پیغمبرانہ صفات و کردار کے آئینہ دار۔

تاہم جماعت اسلامی کا نصب العین آج تک پردۂ خفا میں ہے، اور وہ فلسفیانہ موشگافیوں میں پوشیدہ کردیا گیا ہے۔ تاہم کسی جماعت کے مقاصد اور اغراض کا تعین امیر جماعت کے ذہنی رجحانات اور اس کی زندگی کے تدریجی مراحل سے کیا جاسکتا ہے۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی امیر جماعتِ اسلامی مسلّمہ طور پر "تجدیدی فکر" کے نقیب ہیں۔ صرف طریق کار مختلف ہے۔ سیاست میں ان کا نقطۂ نظر ہمیشہ یہ رہا ہے کہ نیشنلسٹ اور کانگریس علماء کی تائید و توثیق کی جائے لیکن وہ انتہائی ذہین آدمی تھے اور انہوں نے یہ محسوس کرلیا تھا کہ نیشنلسٹ اور کانگریسی علماء

کو شکست فاش ہو چکی ہے اور دین داری اور دین پروری کے تمام دعووں اور مظاہروں کے باوجود مسلم معاشرے میں ان کا وقار بحال نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان کے نظریات و افکار کو امیر جماعت اسلامی موت کے گھاٹ اترتا ہوا دیکھنے کے لیے بھی تیار نہیں تھے۔ اس لئے انہوں نے مسلم لیگ کا مقابلہ کرنے کے لئے بالکل انوکھے انداز میں ایک جماعت کی بنیاد ڈالی ان کو محسوس تھا کہ دوسری تمام جماعتیں بے اثر ہو چکی ہیں۔ اور ان میں سے کسی ایک کو بھی اپنا کر مسلمانوں کی توجہات حاصل نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے انہوں نے ایک نئی جماعت کی تشکیل ضروری سمجھی تاکہ نیشلسٹ مسلمانوں اور علماء کے مقاصد کی تکمیل کی جا سکے۔ لہٰذا انہوں نے بڑے خوبصورت طریقے سے ۱۹۳۰ء کے علامہ اقبال کے خطبے میں پاکستان کے تخیل اور ایک اسلامی مملکت کے امکانات کو بے اثر کرنے کے لئے اسی کے ساتھ چودھری برکت علی نے علامہ اقبال کے خیالات کو مناسب وضاحتوں کے ساتھ پاکستان کا نام اور نقشہ بھی شائع کر دیا۔

اس سارے در و بست کو بے معنی قرار دینے کے لئے مولانا نے اپنی طرف سے ہندوستان میں مسلم حکومت کے قیام کے لئے تین فارمولے پیش کئے۔ جن سب کی تان ہندوستانی وفاق پر ٹوٹتی ہے، یعنی امیر جماعت اسلامی نے یہ واضح طور پر سمجھ لیا تھا کہ ہندوستان کا مسلمان متحدہ قومیت کے نظریے کو تو کبھی بھی قبول نہیں کرے گا۔ اس لئے مولانا نے ایسے نظریات مرتب فرمائے اور ایسے فارمولے دیئے کہ متحدہ قومیت کا نتیجہ یعنی متحدہ ملک ہر حالت میں باقی رہے جبکہ علامہ اقبال، قائداعظم محمد علی جناح اور مسلم لیگ کے دوسرے رہنماؤں کے نزدیک مسلم قومیت کا لازمی نتیجہ اور ردعمل یہ تھا کہ متحدہ ہندوستان نہ رہے اور ملک مسلم انڈیا اور غیر مسلم انڈیا میں تقسیم ہو جائے۔ تو آیئے! ذرا مولانا مودودیؒ کے تجویز کردہ نظریات پر نظر ڈالیں:

"پہلا خاکہ" تہذیبی بنیادوں پر بین الاقوامی وفاق کا قیام۔

"دوسرا خاکہ" تہذیبی منطقوں کا تعین، تبادلۂ آبادی اور وفاقی حکومت

"تیسرا خاکہ" مسلم اور ہندو قومی ریاستوں کی تشکیل میں ملک کی تقسیم اور پھر دونوں ریاستوں کا وفاق۔

یہ تجویز یا خاکے پوری تفصیلات کے ساتھ "ماہنامہ ترجمان القرآن" اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۳۸ء کی اشاعت میں شائع ہوئے۔ بہتر یہ ہوگا کہ گورکھ دھندے کی کچھ تفصیل ناظرین کی خدمت میں پیش کریں:

پہلا خاکہ:

دو یا دو سے زائد قوموں کے ملک میں ایک جمہوری ریاست بنانے کے صحیح اور منصفانہ صورت یہ ہے کہ اولاً وہ بین الاقوامی وفاق کے حصول پر مبنی ہو۔ یا دوسرے الفاظ میں وہ ایک قوم کی ریاست میں ہی بلکہ وہ متوافق قوموں کی ریاست ہے۔ دوسرے اس وفاق میں شامل ہونے والی ہر قوم کو تہذیبی خود اختیاری حاصل ہو۔ تیسرے مشترک وطنی معاملات کے لئے اس کا نظام عمل مساویانہ حصہ داری پر تعمیر کیا جائے۔ وضاحت میں مولانا نے فرمایا ہے کہ جس طرح سے مختلف صوبے ایک وفاق میں اکھٹے ہوتے ہیں اسی طرح سے مختلف قومیں تہذیبی خود اختیاری کے اصول پر وفاقی حکومت بنا سکتے ہیں۔ صرف یہ کیا جائے گا کہ تہذیبی خود اختیاری کی بنا پر جو حکومتیں وجود میں آئیں گی ان کا مرکزی وفاق مساویانہ حصہ داری پر ہوتا کہ ایک یونٹ دوسرے یونٹ کے حقوق کو پامال نہ کر سکے۔ یا سلب نہ کر سکے۔ یعنی اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ تہذیبی خود اختیاری کی بنا پر دو حکومتیں آخر کار ایک مرکز بنائیں گی۔ اس ذیل میں مولانا نے انتخابات کے اصول بھی دیئے ہیں کہ انتخابات متناسب نمائندگی کی بنیاد پر کرائی جائے کہ جس کا آج کل جماعت اسلامی کی طرف سے بڑا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے اور مسلم لیگ کے ایک پرانے کارکن مولوی محمد اسماعیل ذبیح نے بھی کچھ دن ہوئے اسے پیش کیا تھا، تاہم یہ چیزیں اس وقت زیر گفتگو نہیں ہے۔

دوسرا خاکہ:

دوسرا خاکہ امیر جماعت اسلامی کا بہت ہی خوبصورت اور دلچسپ ہے۔ اگر بین الاقوامی وفاق کی صورت یعنی (تہذیبی خود اختیاری کی بنیاد پر مملکتوں کا قیام اور مرکز کی تشکیل) قبول نہ کی جائے تو دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ مختلف قوموں کے لئے الگ الگ حدود اراضی مقرر کر دیئے جائیں، جہاں وہ اپنی جمہوری اسٹیٹ بنا سکیں۔ پچیس سال یا اس سے کچھ کم و بیش مدت تبادلہ آبادی کے لئے مقرر کر دی جائے۔ ہر اسٹیٹ کو زیادہ سے زیادہ اندرونی خود مختاری دی جائے اور وفاقی مرکز کے اختیارات کم از کم رکھے جائے۔ اس صورت میں ہم غیر مسلم ریاستوں کے ساتھ مل کر ایک وفاقی اسٹیٹ بنانے پر راضی ہو جائیں گے۔ بلکہ اس کو ترجیح دیں گے۔ اسی ذیل میں مولانا مودودی نے اپنے ایک دوست کے حوالے سے اراضی کی تقسیم کا نقشہ اس طرح پیش کیا کہ مشرقی بنگال، حیدر آباد دکن، بھوپال، جونا گڑھ، جاورا، ٹونک، اجمیر، دہلی، وار دھا، شمالی و مغربی پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان کے علاقے مسلمانوں کے لئے مخصوص

ہوجائیں (اور باقی پورا ملک ہندوؤں کے لئے) اس طرح یہ ممکن ہے کہ پچیس سال کی مدت ہندوستان کے دوسرے خطوں سے مسلمان ہجرت کر کے اپنے حلقوں کے اندر سمٹ جائیں۔اور ہندو قریب کے علاقوں میں چلے جائیں۔باقیہ یعنی غیر مسلم ہندوستان میں اگر اچھوت اپنی الگ قومیت بنانا چاہے تو ان کے لئے بلحاظ ان کی آبادی کے مستقبل رقبے مخصوص کئے جاسکتے ہیں۔اسی طرح سکھوں کو بھی ان کی آبادی کے لحاظ سے رقبہ دیا جاسکتا ہے،اور پھر ان چاروں ریاستوں کی ایک مرکزی اسٹیٹ۔۔۔۔!!مولانا کا یہ خواب کوئی معنی رکھتا ہے یا نہیں۔یہ تو ناظر فیصلہ کرے گا۔لیکن نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ ہر نظریے کی تان متحدہ ہندوستان پر ٹوٹتی ہے۔وہ ہندوستان کی تقسیم گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

تیسرا خاکہ:

اور ملاحظہ کر لیجئے اور داد دیجئے۔۔۔!!یا سر دھنیئے۔۔۔ایا آپ کی مرضی ہے۔۔۔!!!

اگر یہ صورت (تقسیم اراضی) بھی منظور نہ ہو تو بھی بطور آخر ہم یہ مطالبہ کریں گے کہ ہماری قومی ریاستیں الگ بنائی جائیں (کیونکہ اور کس طرح یہ مولانا سے پوچھئے) اور ان کا علیحدہ وفاق ہو۔اس طرح ہندو ریاستوں کا بھی الگ جداگانہ وفاق ہو۔اور پھر ان دو یا زائد وفاقی مملکتوں کے درمیان ایک طرح کی (کنفیڈریشن) ہوجائے۔جس میں مخصوص امور مثلاً دفاع،مواصلات اور تجارتی تعلقات کے لئے مقررہ شرائط پر تعاون ہوسکے۔اس آخری فارمولے میں بھی امیر جماعت اسلامی نے متحدہ ہندوستان کی بقا کی کوشش کر ہی ڈالی۔حقیقت یہ ہے کہ مولانا مودودی اور ان کی جماعت پاکستان اور مسلم لیگ کی تائید کبھی نہ کرسکی،کہ مسلم لیگ نے متحدہ ہندوستان کا نظریہ پہلے ہی دن دفن کر دیا تھا۔اور قیام پاکستان سے اس کا خواب وخیال بھی کتم عدم میں چلا گیا۔یہ حقیقت کسی کو بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ مولانا مودودی نے نیشنلسٹ علماء کے سایے اور رہنمائی میں ذہنی بلوغت حاصل کی تھی اور ان کی بخشی ہوئی ذہنیت سے وہ ہمیشہ وابستہ رہے۔اور اس سے علیحدگی کے لئے کبھی تیار نہ ہوئے۔مولانا صاحب حیدر آباد سے دہلی تشریف لائے تو وہاں بھی قوم پرستوں کے جمگھٹے میں رہے۔

بھوپال میں بھی یہی ماحول ان کو ملا۔ ۱۹۱۸ء میں پندرہ سال کی عمر تھی کہ صحافت کا آغاز فرمایا،اور اخبار "مدینہ بجنور" کے ادارے میں شامل کر لئے گئے۔اخبار مدینہ بجنور پکا کانگریسی پرچہ تھا۔کانگریس کے سرمایے سے اور بڑے نیشنلسٹ مسلمانوں کی نگرانی میں چھپتا تھا۔مسلم لیگ اور اس کے لیڈروں کو گالیاں دینا،اس کا فریضہ تھا۔نام اس کا مدینہ تھا لیکن کاشی یا

متھرا اور ہردوار کو اپنا ملجا و ماویٰ سمجھتا تھا۔ اس اخبار سے وابستگی نے مولانا کو نیشنلسٹ افکار سے جس حد تک مانوس کیا ہوگا وہ کوئی قابل ذکر بات نہیں ہے ۱۹۲۲ء میں جمعیت علمائے ہند کے اخبار "مسلم" کی ادارت مولانا کے حوالے ہوئی۔ یہ اخبار بھی متحدہ ہی کا نقیب تھا، اور جمعیت علمائے ہند کے علمائے کرام کانگریسی تصور سیاست کے کھلے ہوئے مبلغ تھے، اس دائرے میں مولانا جو اثرات قبول کر سکتے تھے ان پر بھی کسی تبصرے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ کچھ عرصے بعد "مسلم" بند ہو گیا اور مولانا مصروف مطالعہ رہے۔ ۱۹۲۴ء میں جمعیت علمائے ہند کے مولانا مفتی احمد سعید صاحب نے "الجمعیت" کی ادارت مولانا کو پیش کی۔ بالکل اسی وقت مولانا محمد علی جوہر مرحوم نے اپنے اخبار "ہمدرد" کی ادارت بھی پیش کی۔ لیکن مولانا مودودی نے ہمدرد کی ادارت مسترد کر دی اور نیشنلسٹ کانگریسیوں کے آرگن "الجمعیت" کی ادارت سنبھال لی۔ یہ سلسلہ چار سال تک چلا اور مولانا مودودی نیشنلسٹ اور کانگریسی علماء سے جو کچھ سیکھ سکتے تھے وہ سیکھا اور جو اخذ کرنا چاہتے تھے کیا۔ (حوالوں کے لئے دیکھئے۔۔۔۔ روزنامہ جسارت کا مودودی نمبر صفحہ ۱۰)

مولانا مودودی کی ذہنی تربیت کے اس پس منظر کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ حقیقت سمجھ لینا دشوار نہیں ہے کہ مولانا مسلمانوں کے عام ذہنی رجحان کے پیش نظر متحدہ قومیت کو تو قبول نہ کر سکے۔ لیکن متحدہ ہندوستان سے جان بھی نہ چھڑا سکے۔ اور اس لئے جماعت اسلامی پاکستان کو بھی حلق سے نیچے نہ اتار سکے۔ ہر قوم پر پاکستان کے لئے مشکلات کا پیدا کرنا اس جماعت کا شیوہ ہے۔ آج کل شریعت بل کا شوشہ چھوڑا ہوا ہے۔ اور ان کی ہمت و جرأت قابل داد ہے کہ یہ اپنے "شریعت بل" کو شریعت کہتے ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ حوصلہ بھی قابل داد ہے کہ اعلان کرتے رہتے ہیں کہ پاکستان کے تمام فرقے اس بل سے اتفاق رکھتے ہیں کوئی اس کا مخالف نہیں ہے۔ حالانکہ ساری دنیا جانتی ہے کہ اہل حدیث، شیعہ، حنفیوں کا بریلوی گروپ، دیوبندیوں میں سے مولانا فضل الرحمن گروپ، تمام مشائخ اور پاکستان کی تمام سیاسی پارٹیاں اس کی شدید مخالف ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ "جماعتی شریعت بل" میں بہت کچھ ہے مگر شریعت نہیں ہے۔ اور وہ بہت کچھ یہ ہے کہ چند جماعتی علماء کو ایوان حکومت میں مسند قضا پر بیٹھنے کا موقع مل جائے گا۔ اور یہ کہنے کا حق کہ دیکھا۔۔۔۔۔۔ ہم نے پاکستان میں شریعت کو نافذ کر دیا ورنہ کوئی شریعت کا نفاذ چاہتا ہی نہیں۔۔۔۔!! حقیقت یہ ہے کہ اگر جماعت اسلامی کی شریعت مراد ہے تو یقیناً یہ بل شریعت بل کہا جا سکتا ہے۔ اور اگر اسلامی شریعت مقصود ہے تو اس کو منسوخ کرنے کے لئے یہ

بل ایک بہترین وسیلہ ہے۔

"منصورہ برانڈ" کے اس شریعت بل کے متعلق جن لوگوں کو اعتراضات ہے، ان کے جواب میں طعن و تشنیع اور دھمکیاں کیا ضرورت ہے۔ دین اسلام کی عمراب چودہ سو سال سے زیادہ ہو چکی ہے۔ جماعت اسلامی کا اسلام ۱۹۴۱ء میں پیدا ہوا تھا۔ بات جماعت اسلامی کے اسلام سے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ حقیقی اسلام سے متعلق ہے۔ اس لئے پہلے بھی ہم نے پوچھا ہے کہ ہمیں یہ بتایا جائے کہ اس صدیوں پر محیط اسلامی دور حیات میں کس کس ملک کس کس زمانے میں اور کس کس کے دور میں نفاذ شریعت کے لئے شریعت بل پیش نہیں کیا گیا۔ کیا خلافت راشدہ کے زمانے میں شریعت بل پیش ہوا۔۔۔؟ بنی امیہ، بنی عباس، آل عثمان، سلجوقیوں، غزنویوں، مغلوں وغیرہ کے دور میں نفاذ شریعت کے لئے شریعت بل پیش کیا گیا۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اس جدت کی ضرورت کیا ہے۔ ہمارے زمانے میں دو حکومتیں اسلامی شریعت کے مطابق زندگی گزارنے کی مدعی ہیں۔ ان دونوں میں سے کسی نے شریعت بل پیش کر کے اسلام نافذ کیا ہے؟ جبکہ پاکستان میں سب سے بڑا مسئلہ معاشی عدم توازن کا ہے اور معاشی اصلاح کے لئے اس بل میں کوئی چیز نہیں رکھی گئی ہے۔ اگر یہ حقیقت قبول کر لی جائے تو کیا گناہ ہے؟ کہ شریعت بل کا نفاذ بلوں سے نہیں ہوتا بلکہ مسلمانوں کے اعتقاد اور عمل سے ہوتا ہے جیسا کہ ہوتا رہا ہے۔ مجھے حیرانی ہے کہ آج کل جماعت اسلامی کے اندر گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جبراً یہ بل نافذ کرنا چاہتے ہیں اس لئے برابر دھمکی دے رہے ہیں کہ ۲۷ رمضان تک بل پاس نہ ہوا تو ہم یہ کر دیں گے اور وہ کر دیں گے۔ یہ دھمکیاں عملی شکل اختیار کر کے سوائے انتشار کے اور کیا نتیجہ پیدا کر سکتی ہیں۔۔۔۔۔۔ اگر یہ شریعت بل اتنا ہی ضروری تھا تو مارشل لاء کے دور حکومت میں کیوں خاموشی اختیار کی گئی۔۔۔ حالانکہ مجلس شوریٰ میں اس نام نہاد شریعت بل کو پیش کرنے والے اس دائرے میں اثر و نفوذ کے مالک تھے۔ یہ صرف مسلم لیگ کی جمہوری حکومت میں پاکستانی کفار کو ڈنڈے کے زور پر مسلمان بنانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔ سوائے اس کے کہ ہنگامہ آرائی کر کے مارشل لاء کے لئے جواز پیدا کیا جائے کہ جماعت اسلامی مارشل لاء کے دور ہی میں پھلتی پھولتی ہے۔ مسلم لیگ کے سایہ اقتدار میں جمہوریت اسے راس نہیں آتی اس لئے کہ مسلم لیگ نے جماعت اسلامی کے متحدہ ہندوستان کا خواب پاش پاش کیا۔ جماعت اسلامی کا مقصد حیات پاکستان میں ہنگامہ آرائی ہے تاکہ اپنے سابق امیر کی خواہش کے مطابق متحدہ ہندوستان کے خواب کی تعبیر دیکھ سکیں، جو انشاء اللہ قیامت تک ممکن نہیں۔

از: مولانا شبیر الحسنین محمدی

آزادیٔ اظہار کا غلط فائدہ نہ اٹھایا جائے

زبان، حیوانی اعضاء میں ایک مفید عضو ہے، جس سے چوپائے، پرندے، بعض کیڑے مکوڑے اور انسان نوازے گئے ہیں۔ جانوروں میں زبان کا استعمال ان کو تغذیہ اور ہضم میں مدد پہنچاتا ہے۔ اپنا مافی الضمیر وہ گوشت کے اس ٹکڑے کے سہارے دوسرے کو نہیں سمجھا سکتے۔ تاہم وہ مختلف قسم کی آوازیں اس زبان کے سہارے نکالتے ہیں، جس سے غم، خوشی اور غصے کا اظہار ہوتا ہے یا کسی خطرے کی طرف متوجہ کرنا مطلوب ہوتا ہے۔ انسانی زبان کو ان تمام حیوانی مفادات کے ساتھ ساتھ آلۂ اظہار خیالات بھی قرار دیا گیا ہے اور انسان اپنے اس دہن کے آغوش میں محفوظ آلہ کو الفاظ سے مرکب زبان کو افہام و تفہیم کے لئے کام میں لاتا ہے۔ اس طرح زبان کے دوسرے معنی یہ ہوئے کہ وہ الفاظ جن کو انسانوں نے اشیاء و مفاہیم کی علامت کے طور پر وضع کر لیا۔

یعنی الفاظ کا مجموعہ بھی زبان کہلاتا ہے انسان دوسرے معنی میں زبان کو کبھی تقریر کی شکل میں استعمال کرتا ہے اور کبھی تحریر کی صورت میں۔ الفاظ کا استعمال دونوں شکلوں میں یکساں ہی ہوتا ہے تاہم گفتگو میں الفاظ دوسروں تک کانوں کے ذریعے سے پہنچتے ہیں اور تحریری شکل میں آنکھوں کے راستے سے۔ اس وقت دنیا میں سات ہزار سے کچھ زیادہ زبانیں موجود ہیں اور عین ممکن ہے کہ کچھ اور زبانیں بن جائیں اس لئے کہ انسانوں کی قوت ایجاد نے کسی ایک جگہ پر ٹھہرنا نہیں سیکھا ہے۔ ہمارے پاکستان میں بھی تینتیس زبانیں بولی جاتی ہیں اور ہمارے صوبہ سندھ میں تقریباً ۱۰، ۲۰ زبانیں رائج ہیں۔ مثلاً سندھی، سرائیکی، بلوچی، براہوی، پشتو، پنجابی، کاٹھیاواڑی، اوڈی، مکرانی اور اردو وغیرہ۔۔۔!

ہر زبان کے استعمال میں یہ اخلاقی ضابطہ ملحوظ رکھنا انتہائی ضروری ہے کہ جو بات کہنا اور سمجھانا ہے اس کے لئے موزوں ترین الفاظ کا انتخاب کیا جائے کہ سامع وہی مفہوم سمجھیں جس کو متکلم سمجھانا چاہتا ہے۔ ایسے الفاظ استعمال کرنا جس سے سننے والا کسی غلط فہمی کا شکار ہو جائے یا اضطراب ذہنی میں مبتلاء ہو جائے یا کسی واقعہ کو اس طرح پیش کیا جائے کہ سچ کا جھوٹ اور جھوٹ کا سچ ہو جائے۔ کسی طرح سے بھی مناسب نہیں۔ ۱۹۶۵ء سے محمد خان جونیجو صدر مسلم

لیگ کے اقتدار میں آنے سے پہلے تک آزادئ اظہار پر پابندی تھی۔ صدر مسلم لیگ نے اس پابندی کو ختم کیا اور سندھ کے وزیر اعلیٰ نے سندھ اسمبلی میں اور اس کے باہر اس کی ہمت افزائی کی ورنہ عوامی دور میں ہم نے دیکھا ہے کہ مولانا مفتی محمود اور چوہدری ظہور الٰہی ایسے افراد کو ڈنڈا ڈولی کر کے سڑک پر پھینک دیا جاتا تھا اور سندھ اسمبلی میں ظہور الحسن بھوپالی وغیرہ سے جو سلوک ہوتا تھا وہ معلوم عوام ہے۔ لہٰذا ہم سب کا فرض ہے کہ آزادئ اظہار سے غلط فائدہ نہ اٹھائیں اور ایسی باتیں نہ کریں جس سے لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو کر مشتعل ہو جائیں اور امن عامہ میں خلل پڑ جائے۔

دو ایک دن ہوئے ضلع دادو میں پیپلز پارٹی کی چیئرمین مس بے نظیر بھٹو کی جیپ کو بقول شخصے غیرت دار اور بقول شخصے مظلوم گروہ یعنی ڈاکوؤں نے گھیر لیا (اگر واقعی سندھ کے ڈاکو مذکورہ فرمائشات کی روشنی میں باغیرت اور مظلوم ہیں تو ان حضرات کو چاہئے کہ یہ ان غیرت داروں سے کہیں کہ عورتوں کے زیورات اور کپڑے لوٹ کر اور ان کا گھریلو ساز و سامان چھین کر بے غیرتی کا مظاہرہ نہ کریں اور مظلوم ہونے کے ناطے لوگوں کو اغوا کر کے اور ان کو لوٹ کر اور انہیں قتل کر کے ظالم نہ بنیں۔ ہم نے تو کسی غیرت دار کو بے غیرتی کے کام کرتے ہوئے نہیں دیکھا اور کسی مظلوم کو ظلم کرنا تو کجا ظلم پسند بھی نہیں پایا) اور خدا کا شکر ہے کہ جیپ کی ایک ہی سیٹ زخمی ہوئی اور گولیوں کی بوچھاڑ کے باوجود دوسرے لوگوں کے تو کیا ڈرائیور کے بھی خراش نہیں آئی جو گولیوں کی زد میں آنے والی سیٹ کے ساتھ ہی بیٹھا ہوا تھا۔ بہر حال یہ جیپ تو نکل کر تھانے پہنچ گئی اس کے پیچھے پیپلز پارٹی کی چیئرمین کے تین ملازم جو ایک کار میں سفر کر رہے تھے ڈاکوؤں کی گرفت میں آ گئے اور وہ ان کو اغوا کر کے لے گئے۔ یہ اطلاع جیسے ہی کراچی پہنچی انتظامیہ میں ایک بھونچال آ گیا، آئی جی سندھ اور ڈی آئی جی حیدر آباد انتظامیہ کے دیگر ضروری افراد کے ساتھ جائے حادثہ پر پہنچ گئے اس سے پہلے دسیوں آدمی جن میں ملازمان حکومت بھی تھے اور کاروباری لوگ بھی اغوا کئے گئے لیکن انتظامیہ کے اتنے بڑے افسروں نے بذات خود کبھی حرکت نہیں کی۔ صرف حکم احکام پر گزارا فرمایا۔ اس صورت حالات کے باوجود بعض سیاستدانوں نے فرمایا کہ اتنا بڑا حادثہ ہو گیا اور صرف آئی جی سندھ جائے حادثہ پر پہنچے، یعنی ان کے نزدیک وزیر اعلیٰ اور گورنر کا فرض تھا کہ وہ فوراً بھاگے ہوئے جاتے اور خود قانون نافذ کرنے والے اداروں کی نگرانی کرتے۔ ہمیں خوشی ہوئی کہ جو لوگ اغوا کی سابقہ وارداتوں پر خاموش رہے اب ان کا عوام دوستی کا جذبہ بیدار ہوا ہے۔ حقیقت ہے کہ جس وقت یہ حادثہ رونما ہوا تو اس

وقت پیپلز پارٹی کی چیئرمین ۷۰ کلفٹن میں موجود تھیں اور رات کو تقریباً ۸ بجے محمد حسین دھانجی کے عشائیہ میں کئی دوسرے لیڈروں کے ساتھ بڑے خوشگوار موڈ میں شریک تھیں۔ یہ عشائیہ اس کی چھوٹی موٹی تفصیلات اور مس بے نظیر بھٹو کی خوشگوار موڈ میں تقریر اخبارات میں آ چکی ہے۔

یعنی جائے واردات سے بے نظیر بھٹو کا کوئی جزوی اور دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ لیکن سندھ اسمبلی کی جو روداد ہمارے سامنے آئی ہے اس میں جناب لیاقت بلوچ اور جناب قیصر صاحب نے ارشاد فرمایا ہے کہ "مس بے نظیر بھٹو پر حملہ ہوا" یہ لفظوں کا انتہائی مکروہ اور غلط استعمال ہے۔ اگر اخبارات میں لوگ صورت واقعہ نہ پڑھ چکے ہوتے تو ان لفظوں سے پورے صوبے میں فساد کے شعلے بھڑک اٹھ سکتے تھے۔ اور لوگوں کی جانیں اور املاک خطرے میں پڑتیں۔ اس لئے میں نے اپنا فرض سمجھا کہ میں عرض کروں، مہربانی کر کے کم سے کم صوبائی ایوان نمائندگان میں تو آزادیٔ اظہار کا غلط فائدہ مت اٹھائیے اور الفاظ کو اس طرح استعمال کیجئے کہ آپ کا صحیح مفہوم ان سے ادا ہو جائے اور عوام میں انتشار اور فساد کی آگ نہ بھڑکے۔ ماضی میں الفاظ کے غلط استعمال سے نادر شاہ اور اس کی فوج کے ہاتھوں دہلی ایک بڑے خونچکاں اور تباہ کن مرحلے سے گزری ہے اور بھی لفظوں کے غلط استعمال کے نتیجے میں تباہیوں کی داستانیں تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں۔ اسمبلی کے علاوہ اخبارات میں بھی مختلف سیاست دانوں کے بیانات میں اسی قسم کی غلطی کی گئی ہے۔ بعض بزرگوں نے تو مس بے نظیر بھٹو کے محفوظ رہنے پر خدا کا شکر ادا کیا ہے اور ان کے اقبال و دولت میں مزید اضافہ کی دعائیں بھی مانگیں۔ اس موقع پر بسمل آغائی کا یہ شعر بڑی خوبصورتی سے حقیقت کی عکاسی کرتا ہے۔

نہ جانے سارے زمانے میں کیسے پھیل گئی
جو بات میں نے کبھی بھی نہ تھی فسانے میں

خود بے نظیر بھٹو نے یہ کہہ کر کہ عوام کی دعاؤں سے بچ گئی ہوں۔ یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ حملہ موصوفہ پر ہوا تھا۔ یہ الفاظ کے استعمال کا بڑا ہی غلط انداز ہے۔

یہ مرحلہ کراچی کے تازہ فسادات کی وجہ سے ایک حساس مرحلہ ہے اس لئے ہم سب کا فریضہ ہے کہ اپنی گفتگو میں اور اپنی تحریروں میں الفاظ کے استعمال میں انتہائی محتاط رویہ اختیار کریں۔ اپوزیشن کے معنی یہ نہیں ہیں کہ صرف انتشار خیزی کے مواقع سے فائدہ اٹھایا جائے۔ بلکہ اپوزیشن کا اصل فرض یہ ہے کہ حزب اقتدار ان کی خدمت کا اہل ہے یا حزب اختلاف والے۔ آئندہ انتخابات میں اس وقت کے طور و طریقوں کا بہت گہرا اثر پڑے

گا۔ حزب اختلاف دیوار کو کج کہنے پر بس نہ کرے بلکہ وہ اس کو سیدھا کرنے کی ترکیب بھی بتائے، اعتراضات ہی کی بارش نہ کرے۔ جو ابھی تک جاری و ساری ہیں، بلکہ اصلاح احوال کی کوشش بھی کرے، اگر ایسا کیا گیا تو آئندہ حزب اختلاف، حزب اقتدار میں ہوگا اور اس وقت کا حزب اقتدار حزب اختلاف میں چلا جائے گا۔ خدا ہم سب کو راہ راست پر قائم رکھے۔

مس بے نظیر بھٹو کے نوکروں کے اغوا کے تعلق میں خود مس بھٹو کا ردعمل بھی حیران کن ہے کہ موصوفہ نے یہ دھمکی دی ہے کہ اگر تین دن میں ان کے نوکر بازیاب نہ کیے گئے تو تمام تر نتائج کی ذمے داری حکومت کی ہوگی۔ اس انداز گفتگو سے صاف ظاہر ہے کہ مس بھٹو اس انتشار زدہ شہر کراچی کو مزید انتشار کے حوالے کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ انہیں فوراً بازیاب کرلیا جائے۔ ڈاکو حسب دستور اپنی پناہ گاہوں تک پہنچ چکے ہیں اور جنگلوں میں ان کو گرفتار کرنا وقت طلب بھی ہے اور کچھ وقت بھی چاہتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان غیرت وار ڈاکوؤں نے مس بھٹو کے نوکروں کو اغوا کر کے موصوفہ کے عوامی اثرات کی لہر دیکھنا چاہی ہو۔ تو وہ مقصد اب پورا ہو چکا ہے۔ مزید شاید کسی کے حق میں بھی نہ ہو۔

کاش مس بھٹو نے اور دیگر سیاستدانوں نے کبھی دوسرے مظلوموں کے اغوا پر بھی کسی ردعمل کا اظہار کیا ہوتا تو یہ نوبت نہ پہنچتی۔ بہر حال سیاست کی دنیا ہے اور اپنی اپنی مصلحت کے مطابق ہر شخص ایک راگ چھیڑتا ہے اور نئے سے نیا افسانہ سناتا ہے۔ جہاں تک حکومت کے رویے کا تعلق ہے، اغوا، ڈاکہ اور قتل کی وارداتوں کے خلاف بھرپور انداز میں اقدامات کئے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ڈاکہ زنی کی واردات تقریباً ختم ہو چکی ہے اور ہم محسوس کرتے ہیں کہ بعض سیاستدان اگر قانون شکنوں کی اپنے غلط لفظوں سے ہمت افزائی نہ کریں تو صوبہ سندھ اس لعنت سے بہت جلد مکمل طور پر محفوظ ہو سکتا ہے۔ اگر برے ردعمل کا خطرہ ہو تو الفاظ میں مناسب تبدیلی عقلی فرض ہے کہ وہ لفظ کو استعمال کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لے کہ اس کا ردعمل کیا ہو سکتا ہے؟ آخر میں ہم بے نظیر بھٹو سلمہا سے درخواست کریں گے کہ وہ اپنے نوکروں کے تعلق میں کسی اقدام کو ضروری سمجھتی ہیں تو اس کی ابتداء لاڑکانہ میں کریں۔ کراچی کو معاف رکھیں کہ ہم اپنے بھائیوں کی جائیدادوں کی تباہی اور ان کی لاشیں مزید دیکھنے کی تاب نہیں ہے۔

شبیہ الحسنین محمدی

۳۱ جنوری ۱۹۸۷ء

از قلم: مولانا شبیہ الحسنین محمدی اعلی اللہ مقامہ (۱۲ مارچ ۱۹۸۲ء)

پروفیسر وارث میر کی محسن کشی

پروفیسر وارث میر نے ”نوائے وقت میگزین“ ۱۲ مارچ ۱۹۸۲ کے صفحہ ۳ پر قرۃ العین حیدر کی خودنوشت سوانح عمری پر تبصرہ اور تنقید کرتے ہوئے جناب محمد امیر خان صاحب راجہ آف محمود آباد کے خلاف محسن کشانہ زہر افشانی فرمائی ہے اور یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ”راجہ صاحب مرحوم کو مسلم لیگ سے نکال دیا گیا تھا“ برصغیر پاک و ہند کا ہر باشندہ جانتا ہے کہ راجہ صاحب محمود آباد جنگ تشکیل پاکستان میں قائداعظم کے دست راست کی حیثیت رکھتے تھے وہ عنوان شباب سے ہی قائداعظم کے قدردان اور حمایتی تھے۔ راجہ محمد امیر احمد خان کے والد ماجد مہاراجہ محمد علی محمد خان کے بھی قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ سے بڑے وسیع تعلقات تھے۔ راجہ محمد امیر احمد خان اپنے خاندانی پس منظر کے اعتبار سے بھی اور ذاتی رجحانات کی وجہ سے بھی بڑے اسلام پرست اور مسلم دوست تھے ان کے دادا راجہ امیر حسن اور ان کے والد راجہ محمد علی محمد خان نے اسلام اور مسلمانوں کی تابناک خدمات انجام دی ہیں کانپور کی مسجد کے حادثے میں راجہ محمد علی محمد خان کا کردار ہر کس و ناکس کو معلوم ہے کہ مذکورہ مسجد کے تنازعے کے سلسلے میں گرفتار ہونے والے مسلمانوں کی ضمانت کے طور پر اپنی پوری ریاست پیش کر دی تھی بعض لوگوں نے کہا بھی تھا کہ آپ بلا امتیاز سب کی ضمانت دے رہے ہیں ان کی اکثریت سے آپ واقف بھی نہیں ہے تو مرحوم محمد علی محمد خان نے کہا کہ ایک مسلمان کے بچانے کے لئے بھی میری ریاست ختم ہو جائے تو میں اسے معمولی خدمت سمجھوں گا۔ اور یہ تو سیکڑوں کی تعداد میں ہے۔ میں ان کے تحفظ کے لئے اپنی جان اور آن کے لئے بھی خطرہ مول لے سکتا ہوں ریاست کیا چیز ہے۔

راجہ محمد امیر احمد خان والی محمود آباد قرار پانے کے پہلے دن سے مسلم لیگ کی دامے درمے قدمے سخنے ہر طرح مدد کرتے رہے خود بیش بہا مالی مدد مہیا کرنے کے ساتھ جناب سید محمد مہدی صاحب راجہ آف پیر پور اور دیگر روساء سے بھی مسلم لیگ کی مدد کرواتے رہے اور یہ بلا شک و ریب کہا جا سکتا ہے کہ راجہ صاحب محمود آباد کی کوشش اور ان کے اپنے ذاتی خزانے کی مدد سے پاکستان کے قیام کے امکانات مہیا ہوئے راجہ صاحب بہادر محمود آباد اگست ۷ ۱۹۴ میں زیارات عتبات عالیہ کے لئے براہ بلوچستان ایران و عراق گئے تھے، بلوچستان پہنچنے پر مسلم

اسٹوڈنٹس فیڈریشن بلوچستان مسلم لیگ اور بلوچستان کے سرداروں اور عوام نے ان کا ہوائی اڈے پر والہانہ استقبال کیا تھا۔ اگر راجہ صاحب مرحوم مسلم لیگ سے الگ کیے جا چکے ہوتے تو یہ تاریخی استقبال نہ کیا جا سکتا تھا۔ مرحوم کا قیام سردار محمد اسحاق خان (جنرل محمد موسیٰ خان کے چھوٹے بھائی) کے زیر اہتمام تھا۔ سردار صاحب نے کونز روڈ کوئٹہ کنٹونمنٹ میں ایک کوٹھی حاصل کر کے راجہ صاحب بہادر کی میزبانی کے فرائض انجام دیئے تھے۔

مرحوم راجہ صاحب ابھی کوئٹہ میں ہی تھے کہ پاکستان کے قیام کا اعلان ہو گیا اور بلوچستان مسلم لیگ نے قاضی محمد عیسیٰ اور سیٹھ محمد اعظم خان کی سربراہی میں ہمند پارک کوئٹہ میں چودہ اگست کو ایک تہنیتی جلسہ کا اہتمام کیا جس میں راقم الحروف، سردار عبدالرب صاحب نشتر، راجہ محمد امیر احمد خان، قاضی محمد عیسیٰ صاحب اور محمد ایوب خان کھوسو وغیرہ نے تقریریں کیں، دو چار دن کے بعد راجہ صاحب ایران چلے گئے اور زیارات سے واپسی پر لاہور نواب مظفر علی خان قزلباش کے ہاں ٹھہرتے ہوئے براہ امرتسر لکھنؤ واپس چلے گئے۔

راجہ محمد امیر احمد خان مرحوم نے قیام پاکستان سے پہلے کراچی میں کلفٹن برج کے ساتھ دو کوٹھیاں خرید لی تھی مرحوم کے دو بھانجے سید محمد امیر امام حر، اور سید حسین مہدی (راجہ سید محمد مہدی آف پیر پور کے بھائی، حسن مہدی کے بیٹے) جو مرحوم راجہ صاحب کے داماد بھی تھے قیام پاکستان کے بعد کراچی آ گئے۔ ان دونوں نے حالانکہ یہ بہت بڑی جائیدادوں کے مالک تھے کسی قسم کا کلیم داخل نہیں کیا اور ملازمت کر کے اپنے معاش کا اہتمام کیا۔ راجہ محمد امیر احمد خان قیام پاکستان کے کافی عرصے بعد تقریباً ۱۹۵۷ء میں پاکستان آئے، مہارانی آف محمود آباد اور ولیعہد آف محمود آباد محمد سلمان احمد پی ایچ ڈی انڈیا منتقل ہی رہے۔ راجہ محمد امیر احمد خان شاید اپنی بیٹیوں کی وجہ سے پاکستان آ گئے تھے ممکن ہے تقسیم ملک کے بعد ہندوستان کی سیاست نے بھی راجہ صاحب کو نقل مکانی پر آمادہ کیا ہو، راجہ محمد امیر احمد خان کلفٹن برج کے اپنے بنگلے میں آ کر مقیم ہو گئے۔ مجھے جب ان کی آمد کا علم ہوا تو میں ان سے ملنے گیا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ راجہ صاحب کے ڈرائنگ روم میں چند نواڑی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔

وہ شخص جس کے محمود آباد کے قلعے میں قیصر باغ لکھنؤ کی کوٹھی اور بٹلر پیلس میں لاکھوں روپے کا فرنیچر نوکروں کے استعمال میں رہتا تھا وہ ایک نواڑی کرسی میں بیٹھا ہوا مسکرا رہا تھا، جنرل اسکندر مرزا اور ابراہیم اسماعیل چندریگر وغیرہ نے راجہ صاحب بہادر سے خواہش کی کہ آپ اپنی ریاست کا کلیم (claim) کر دیں۔

آپ نے پاکستان بنایا ہے ہم آپ کو جتنا بھی ممکن ہوگا ایک نئی ریاست دے دیں گے۔ راجہ صاحب نے مسکرا کر کہا کہ بڑی مشکل سے ریاست سے جان چھوٹی ہے میں اس پھندے میں دوبارہ پھنسنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ اس وقت راجہ صاحب بہادر کے پاس کوئی کار بھی نہیں تھی، کہیں جانا ہوتا تھا تو ٹیکسی منگوایا کرتے تھے، میں نے مسٹر چندریگر اور نواب مظفر علی خان قزلباش وغیرہ کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا تو راجہ صاحب کے بھانجے اور داماد محمد امیر امام حر کے نام کار کا پرمٹ بھیجا گیا اور اس طرح راجہ صاحب کے داماد کے پاس کار ہوگئی۔ راجہ صاحب نے پرمٹ کے لئے کوئی درخواست نہیں دی۔

پاکستان کے قیام سے پہلے ہی راجہ محمد امیر احمد خان نے اصفہانی برادران کے تعاون سے عراق میں ایک جوٹ مل قائم کر دیا تھا جس کی دیکھ بھال کے لئے اور زیارات کے لئے عراق آتے جاتے رہتے تھے، یہ بالکل سفید جھوٹ ہے کہ انہوں نے بعث پارٹی کی رکنیت قبول کر لی تھی وہ انتہائی دین دار آدمی تھے، بے دینوں سے تعاون کر سکتے ہوتے تو ان کے لئے گاندھی اور جواہر لال نہرو وغیرہ ہمیشہ کوشاں رہیں کہ وہ کانگریس سے تعاون کریں۔

لیکن انہوں نے نگاہ غلط انداز سے بھی اس طرف نہ دیکھا اور مسلم لیگ کے لئے تن من دھن سب کچھ قربان کر دیا۔ جب ۱۹۴۷ میں پاکستان وجود میں آیا تو ظاہر ہے کہ پاکستان مسلم لیگ قیام پاکستان کے ساتھ ہی وجود میں آگئی، راجہ صاحب بہادر اس وقت انڈین نیشنل تھے اس لئے وہ پاکستان مسلم لیگ میں کیسے شریک کئے جا سکتے تھے۔ تاہم جب جنرل محمد ایوب خان نے کنونشن مسلم لیگ کی داغ بیل ڈالی تو راجہ صاحب مرحوم سے صدارت قبول کرنے کی درخواست کی گئی جو انہوں نے بوجوہ مسترد کر دی۔ اگر راجہ صاحب بہادر محمود آباد مسلم لیگ سے نکالے گئے ہوتے تو، اس حادثہ سے ہم سب لوگ واقف ہوتے۔ یہ پروفیسر وارث میر صاحب کو کہاں سے القاء ہوا ہے۔ پروفیسر وارث میر کا یہ ارشاد ہے کہ راجہ صاحب کی وفات گمنامی میں ہوئی، دل کے پھپھولے پھوڑنے کا عکاس ہے۔

راجہ صاحب ایک بڑی وسیع، عمیق، علمی شخصیت تھے، عربی، فارسی، اور انگریزی کے علمی ذخائر کے وہ خزینہ دار تھے ہو سکتا ہے کہ کسی علمی صحبت میں راجہ صاحب کی گفتگو سے حاضرین پر پروفیسر وارث میر کا کھوکھلا اور اتھلا پن ظاہر ہو گیا ہو، اور موصوف علمی صلاحیت کو اجاگر کرنے کے بجائے راجہ صاحب مرحوم کی وفات کو گمنامی کی موت کہہ کر دل کی آگ کو ٹھنڈا کرنا چاہتے ہوں۔ اس مرحلے پر پروفیسر موصوف سے پوچھا جا سکتا ہے، کہ آپ کے نزدیک

نام آوری کی وفات کے حدود کیا ہیں؟ راجہ صاحب کی رحلت پر تو پاکستان اور بیرون پاکستان کے اخبارات نے تعزیتی اداریے لکھے۔ مسلم لیگ سمیت ہزاروں جماعتوں نے تعزیت کی قرار دادیں پاس کیں اور اب تک لوگ ان کے احسانات اور خدمات کو یاد کرتے ہیں۔ برصغیر کے مسلمانوں کی تاریخ ان کے تذکرے کو وقیع ترین جگہ دینے پر مجبور ہے۔ اگر وارث میر صاحب اس وفات کو گمنامی کی وفات فرماتے ہیں تو وہ اپنے خاندان یا علاقے کی کسی نام آور کی وفات کا تذکرہ فرمادیں، نوازش ہوگی۔ آدمی کو چاہیے کہ وہ تعصب میں لایعنی باتیں کرکے اپنے پردے خود چاک نہ کرے، راجہ صاحب بہادر کی زندگی اور وفات خدا ہر ایک کو نصیب کرے کہ وہ زندگی بھر نیکی کرتے رہے، نیک نام رہے، اور تاریخ میں ان کا نام، نیک نہاد انسان کی حیثیت سے زندہ رہے گا۔

آگے چل کر فرماتے ہیں کہ: وہ پاکستان کو سیکولر اسٹیٹ دیکھنا چاہتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح" پاکستان کا قیام اسلامی معاشرے کے احیائ کے لئے چاہتے تھے اور راجہ صاحب محمود آباد کو قائداعظم کے ذہن اور خیالات کا قریبی علم تھا، اگر راجہ صاحب محمود آباد کو سیکولر اسٹیٹ بنانا چاہتے ہوتے تو۔۔۔ قائداعظم کو ہر طرح کا تعاون کیوں دیتے؟ حقیقت یہ ہے کہ راجہ صاحب ایک ایسی اسلامی فلاحی ریاست کا قیام چاہتے تھے، جس میں عوام کی زندگیوں میں معاشی خوشحالی کے آثار پیدا ہوجائیں، لیکن قیام پاکستان کے بعد انہوں نے محسوس کرلیا تھا کہ فی الحال ان کا ذہن پاکستانی معاشرے میں منعکس نہیں ہوگا، اس لئے پاکستان مسلم لیگ سے بے تعلقی اختیار کرلی تھی اور اسلام کی تبلیغ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوگئے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ راجہ صاحب اپنے مزاج، اپنی افتاد طبع اور رجحانات کے اعتبار سے برائی کو کسی رنگ میں قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اس وقت انہیں پاکستان میں اپنے ہم ذہن معمولی تعداد میں بھی نظر نہ آئے۔۔۔ اس لئے وہ لندن میں جا بیٹھے اور غیر مسلم اقوام میں تبلیغ اسلام کے وسائل کو مجتمع کرنا شروع کردیا۔ لیکن موت نے تکمیل کی منزل سے پہلے ہی ان کو خلد آشیاں بنادیا۔۔۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!!!

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہوتا جارہا ہے جو بانیان پاکستان کی توہین و تذلیل کو اپنا فریضہ سمجھتا ہے تاکہ تاریخ پاکستان کو مسخ کرکے مقاصد تشکیل پاکستان کو روبہ عمل آنے سے روکا جاسکے۔ چند روز ہوئے سردار شوکت حیات خان صاحب نے قائداعظم محمد علی جناح اور قائد ملت نواب زادہ لیاقت علی خان پر ناروا تنقید کی تھی، پروفیسر وارث میر صاحب

نے راجہ صاحب محمود آباد کے خلاف زہر اگلا ہے اور امید کی جاتی ہے کہ سردار عبدالرب نشتر وغیرہ کے خلاف بھی زبان طنز کھولی جائے گی۔

ایک طرف تو بانیان پاکستان کے خلاف یہ غوغا آرائی ہے اور دوسری طرف ایسے حضرات کو مجاہد پاکستان ظاہر کیا جارہا ہے کہ جن کا جنگ تشکیل پاکستان میں کوئی حصہ نہیں تھا۔ تھا تو وہ مخالفانہ اور معاندانہ تھا، لیکن آج ان کو ہیرو کہا جارہا ہے اور معماران پاکستان کی کردار کشی کی جارہی ہے، اچھا ہوا کہ پروفیسر وارث میر صاحب جلد ہی عریاں ہو گئے۔

ابھی جنگ تشکیل پاکستان کے دو چار سپاہی زندہ ہیں جو حقائق سے پردہ اٹھا سکتے ہیں اور افتراء پردازوں کو بے نقاب کر سکتے ہیں۔ پروفیسر وارث میر کا چاہئے کہ وہ تاریخ پاکستان کو مسخ کرنے کی مذبوحی حرکات سے باز آجائیں۔ اگر کچھ لکھیں تو اپنے جذبات کی ترجمانی کے لئے قیاسی گھوڑے نہ دوڑائے بلکہ تاریخی حقائق سے تمسک کریں۔

شبیہ الحسنین محمدی
سابق نائب صدر مسلم لیگ بریلی،
وسابق رکن انڈیا و پاکستان مسلم لیگ
مہتمم و مدرس مظفر المدارس مدرسۃ الواعظین لاہور

از: مولانا شبیہ الحسنین محمدی اعلیٰ اللہ مقامہ، ۷/دسمبر ۱۹۸۳ء

حضرت علامہ نسیم امروہوی کا ایک مرثیہ

اقوام وملل کے شعراء نے اپنے رجال کار یعنی مشاہیر اور اپنے محبوب وپسندیدہ افراد کے قتل یا موت پر مرثیے کہے اور لکھے ہیں۔ اسی لئے ہر زبان کے خزینۂ ادبیات میں رثائی ادب کا اچھا خاصا ذخیرہ ملتا ہے۔

اُردو، جو دنیا کی ہزاروں زبانوں میں سب سے کم عمر ہے، اس کا دائرۂ اثر ونفوذ سینکڑوں، ہزاروں پرانی اور قدیم زبانوں سے زیادہ وسیع ہے۔ عربی، انگریزی، فرنچ اور چینی کے بعد شاید دنیا میں سب سے زیادہ بولی اور سمجھی جانے والی زبان اُردو ہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اُردو بیچاری کو کسی حکومت نے قرار واقعی سرپرستی نہیں دی، بلکہ بعض قوتوں نے تو اس کے راستے میں دیواریں کھڑی کرنے، گڑھے کھودنے اور کانٹے بچھانے میں کوئی کمی نہیں کی۔ مگر اس کے لئے ہر رکاوٹ وسعت اور ترقی کا سبب بنی، جن لوگوں نے اُردو کو منہ لگانا پسند نہیں کیا ان کے قبیلوں اور خاندانوں نے اس کو گلے لگایا، اور شاید اس کی اس غیر معمولی ترقی اور وسعت میں اس کے رثائی ادب کو بہت بڑا دخل ہے، اور اُردو ادبیات کے سرمائے کا کل سرسبد رثائی ادب ہی ہے۔ حتیٰ کہ اس کی کامیابی اور مایہ ناز غزلوں اور نظموں میں بھی مرثیہ کے آثار واثرات موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ اُردو کے زیادہ تر شعراء اور ادباء مسلمان تھے، اور ہیں۔ اور مسلمان کو حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے خانوادۂ جلیل (علیہم السلام) سے جو عقیدت ومحبت ہے، اس کا فطری تقاضا یہی تھا کہ خانوادۂ رسولؐ کے مصائب سے گفتگو کی جائے۔

حادثۂ کربلا میں امام حسین علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں نے نسل انسانی کے لئے جو کارنامہ انجام دیا ہے اس سے شعری دنیا کو متاثر ہونا ہی تھا کہ شاعر لامحالہ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ حساس ہوتا ہے اس لئے اُردو کی کائنات ادب میں سب سے زیادہ وقیع اور اہم حصہ رثائی ادب کا ہے۔ سوز، سلام، نوحہ اور مرثیہ یہ سب اظہار غم ہی کی مختلف شکلیں ہیں اور ان اصناف سخن نے جہاں اُردو کو وسعت آشنا کیا ہے وہاں ہر صاحب احساس کے دل میں ذرا آنے کی تاثیر بھی بخشی ہے۔

رثائی ادب کی تخلیق میں میر انیسؔ، مرزا دبیر، عشق وتعشق اور ان کے بلند مرتبہ

خاندانوں کے علاوہ جناب شمیم امروہوی شاد عظیم آبادی اور بے شمار دیگر شعراء کا قابل اعتنا حصہ ہے، تاہم میر انیس اور میرزا دبیر اور تعشق و شمیم نے مرثیے کی زمینوں کو آسمانوں تک پہنچایا اور معراج آسا بلندیوں سے آشنا کیا۔

ترتیب و ترکیب مرثیے میں نئی تراش خراش سے کام لیا اور اس کی حدود متعین کی۔ چہرہ یوں لکھا۔۔۔۔۔۔ کہ ہر سننے والے کے چہرے پر حیرانی اور استعجاب کے آثار ہویدا ہو گئے۔۔۔۔۔۔ ساقی نامہ اس طرح مرتب کیا۔۔۔ کہ ہر پڑھنے اور سننے والا مست ہو کر رہ گیا۔۔۔۔۔۔ بہار لکھی تو پھول کھلتے۔۔۔۔۔۔ غنچے چٹکتے اور بلبل چہکتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔۔۔۔۔۔ خزاں کا منظر کھینچا۔۔۔ تو ہرا بھرا چمن ویرانے کا سماں پیش کرنے لگا۔۔۔۔ گرد و غبار کے طوفان گرد و پیش منڈلاتے نظر آئے۔۔۔۔ برسات کی منظر کشی کی۔۔۔۔۔ تو بجلی کڑکتی ہوئی بادل گرجتے ہوئے اور چھاجوں پانی پڑتا ہوا محسوس ہونے لگا۔۔۔۔۔ گرمی کو اس طرح بیان کیا کہ انسان اپنی اور جانوروں کی سانسوں کو لُو کے تھپیڑے سمجھنے لگے۔۔۔۔۔۔ رزم دکھائی تو سر اڑتے ہوئے اور دھڑ گرتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔۔۔۔۔ نیزوں کی انیوں کی چمک تلواروں کی دمک گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور ان کی ٹاپوں کی دھمک صاف نظر آنے اور سنائی دینے لگی۔۔۔۔۔۔ بزم کی تصویر کھینچی تو ہر سامع خود کو شریک محفل سمجھنے لگا۔۔۔۔ بین نبیہ بیان پر آئے تو پتھر دلوں کو پانی بنا دیا۔۔۔۔۔۔ ہوشیاروں کے ہوش گم ہو گئے۔۔۔۔۔۔ سننے والوں کو سر پیر کا ہوش نہ رہا۔۔۔۔۔ آہ و بکا کی آوازوں سے قیامت کا سماں پیدا ہو گیا۔۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ ان بزرگوں نے مرثیے کو اتنی ترقی دی کی بعد میں آنے والوں کے لئے انہیں زاویوں میں نکتہ آفرینیوں کے علاوہ کوئی نیا راستہ چھوڑا ہی نہیں۔

ایک عرصہ تک مرثیہ میر انیس اور میرزا دبیر کی ڈگر پر ہی چلتا رہا، لیکن انگریزی کی معرفت ہندوستان میں جدید علوم کی آمد سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی نے ہمارے ذہین شعراء کو نئے راستوں اور جدید زاویوں کی طرف متوجہ کیا، جوش ملیح آبادی، جمیل مظہری، سید آل رضا، صبا اکبر آبادی، قیصر بارہوی، ڈاکٹر صفدر حسین اور علامہ نسیم امروہوی نے مرثیہ میں نئے رنگ و آہنگ کی بنا ڈالی۔ مرثیہ کے سابقہ موضوعات میں موشگافیوں کے بجائے مرثیے کے لئے نئے موضوع اختیار کئے گئے۔ قومیات، سیاسیات، فلسفہ تہذیب و تمدن اور فلسفہ ارتقاء و اجتماع سے بحث کی گئی۔ جدید مرثیے میں ان سب حضرات کا تھوڑا یا بہت حصہ ہے۔ لیکن جناب نسیم امروہوی اپنے معاصرین میں انفرادیت مطلقہ کے مالک ہیں۔ دوسرے شعراء نے دو چار یا دس بیس مرثیوں

ہی سے رثائی ادب کی خدمت کی ہے جبکہ علامہ موصوف نے ماضی کی شاندار روایت کو زندہ رکھتے ہوئے جدید موضوعات پر سینکڑوں مرثیے کہے ہیں۔ علامہ نسیم امروہوی ایک عظیم شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ مفکر اور علوم متداولہ میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کا ہر مرثیہ ندرت کا شاہکار اور انفرادیت کا آئینہ دار ہے۔

قرآن کریم کی آیات اور احادیث سرور کائناتؐ سے استشہاد پر علامہ موصوف کو کامل دسترس حاصل ہے۔ بعض مقامات پر تو آیات و احادیث کو اس طرح کھپا دیتے ہیں کہ اگر سامع یا قاری صاحب نظر نہ ہو تو ان کو بھی نسیم صاحب ہی کا کلام سمجھے۔

میں نے پہلی بار رجب ۱۹۳۰ء کو امام بارگاہ جناب ناظم صاحب لکھنؤ میں حضرت نسیم امروہوی کو مرثیہ پڑھتے ہوئے دیکھا اور سنا۔ یہ مجلس ناظمیہ عربی کالج اور احمد المدارس مدرسۃ الواعظین کے طلبہ کی طرف سے منعقد کی گئی تھی، میں ناظمیہ عربی کالج میں مبادیات کا طالب علم تھا اور اس رشتے سے میں خود بھی مجلس کے بانیوں میں سے تھا، اس لئے امام بارگاہ جلد از جلد پہنچنے کی کوشش کی، لیکن امام بارگاہ کو کھچا کھچ بھرا ہوا پایا۔ لکھنؤ کے نمایاں علماء دانشور ڈاکٹر اور شعراء بکثرت موجود تھے۔ میں نے علماء کا اتنا بڑا اجتماع اور کہیں نہیں دیکھا۔ ہاں میر باقر سوداگر کے امام باڑے میں مرزا احمد طاہر رفیع کا مرثیہ سننے کے لئے بھی بعض نمایاں علماء جایا کرتے تھے۔ میں اس وقت مبادیات کا طالب علم تھا جبکہ نسیم صاحب جدید علوم کے معروف ادارے جوبلی کالج میں پروفیسر تھے۔ علامہ نسیم امروہوی کی یہ مجلس ہر لحاظ سے اس سال کی کامیاب ترین مجلس سمجھی گئی۔ پھر یہ مجلس سالانہ ہونے لگی، لیکن اس کے بانی جناب فرخ مرزا قرار پائے۔ نسیم صاحب کی تحت خوانی اور مرثیہ کا مجھ پر اتنا اثر ہوا کہ میں دور دراز مقامات پر بھی ان کا مرثیہ سننے کے لئے پہنچ جایا کرتا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ جناب موصوف پاکستان آ گئے اور خیرپور کو اپنا مستقر بنایا۔ اس طرح مجھے پھر نسیم صاحب کو سننے کے مواقع حاصل ہونے لگے۔ کراچی اور لاہور میں بھی میں نے اکثر نسیم صاحب کو سنا ہے اور ان کے ہر مرثیے میں جدت ادا کی کرشمہ سازیاں، تلقین و تبلیغ کی خوبیاں اور قوم وملت کے لئے مناسب اور موزوں پیغام نوٹ کئے۔

اس وقت میرے سامنے حضرت نسیم امروہوی کا جو مرثیہ ہے وہ قرآن کریم اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے تقابلی مطالعے پر مشتمل ہے، جس کا پہلا مصرعہ ہے۔

جامع آیاتِ قرآں شہادت ہے حسینؑ

یہ مصرعہ بجائے خود ایک کتاب کے مضامین پر مشتمل ہے۔ اور اس سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے

کہ علامہ موصوف ایک ایک مصرعے میں کتنے عظیم اور وسیع مطالب کو سمو دینے کی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہیں۔

اس مرثیے کا ہر مصرعہ اس قابل ہے کہ اس پر تفصیلی نظر ڈالی جائے۔ لیکن محض اس لئے کہ شعر سے استفادہ و لطف اندوزی بقدر ظرف سامع و قاری ہوتی ہے اور اس کا کوئی پیمانہ و معیار مقرر نہیں کیا جاسکتا، پسند اپنی اپنی نظر اپنی اپنی۔ اس لئے میں اہل ذوق سے اس مرثیے کے مطالعے کی خواہش کرتے ہوئے پہلے بند کی بیت کی طرف متوجہ کروں گا۔ علامہ نسیم صاحب نے کیا خوب کہا ہے:

مصحفِ باری کا جب آئین خوش آئیں بنا
اس کا قول، ان کا عمل مل کر خدا کا دیں بنا

جن لوگوں کے سامنے حدیث ثقلین ہے وہ اس ارتباط کی لطافت کو محسوس کرسکیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سارا مرثیہ حدیث ثقلین ہی کی تعبیر و تفسیر ہے۔

دوسرے بند کی یہ بیت بھی قابل ملاحظہ ہے، بہتر ہوگا کہ تیسرے مصرعے کو ملا کر پڑھا جائے: دوسرے بند کا تیسرا مصرعہ اور بیت:

ایک ہی جلوے کے دو پرتو ہیں قرآن اور حسینؑ
فرق اتنا ہے وہ جادہ ہے یہ خضرِ راہ ہیں
اُس میں تاویلیں ہیں، یہ محکم کتاب اللہ ہیں

میں سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم اور امام حسینؑ کے درمیان ربط و فرق کی یہ حسین ترین تعبیر ہے۔ اس کے لطف و کیف کو الفاظ میں بیان کرنا کم سے کم میرے لئے ممکن نہیں۔

اور یہ پورا بند ملاحظہ کیجئے!

وہ ہے تنزیلِ ازل، یہ ہے امام لم یزل اس میں شامل فاتحہ، یہ فاتحِ بابِ عمل
وہ ہے مجمل، یہ مفصل، وہ ہے عقدہ اور یہ حل وہ بدل ان کا، یہ اس کے اور دونوں بے بدل
وہ اصولِ حکمرانی ، حاکمِ شرعی حسینؑ
آیۃ الکرسی ہے اُس میں، صاحبِ کرسی حسینؑ

حقیقت یہ ہے کہ حضرت نسیم جیسا قادر الکلام شاعر ہی یہ انداز گفتگو اختیار کرسکتا ہے۔ ایسے مواقع

پر بے راہ ہو جانے کا بھی خطرہ ہوتا ہے لیکن علامہ موصوف دین و مذہب کے نازک حقائق پر بھی نظر رکھتے ہیں۔

غرضکہ یہ پورا مرثیہ، امام حسینؑ اور قرآن مجید کے متناسب اوصاف کے بیان کے ساتھ مناسب تعارف پر مشتمل ہے۔ زیر نظر بند اس حقیقت کا آئینہ ہے:

معجزہ اسلام کا قرآن، یہ معجز نما	وہ صحیفہ ہے تو یہ مصحف نویس کربلا
اس میں ہیں آیات، یہ مشمول آیات خدا	سورتیں اُس میں تو یہ صورت گر نقش وفا

اس میں اک سورہ ہے ایسا بھی، جو ہے ام الکتاب
یہ ہیں اس نقطے کا جزو، مسمی ہے جس میں کل کتاب

امام جعفر صادق علیہ السلام نے کھیعص کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کو بڑے ہی خوبصورت اور موثر انداز میں نظم کیا گیا ہے:

رمز میں اس کا سخن ہے کھیعص	اس سخن کا مرکز و محور حسینؑ خوش نژاد
ک سے ہے کربلا، کلک مشیت کی مراد	ہے ہلاکت ھ سے اور ی سے یزید بدنہاد

ع ہے عین عطش، صابر کا اس میں صاد ہے
صاد ہے اس پر کہ صادق کا یہی ارشاد ہے۔

جناب نسیم نے اس مرثیہ میں قرآن مجید کی بہت سی آیات و سور سے استفادہ اور استشہاد کیا ہے۔ مثلاً والفجر، والعصر وغیرہ اور بہت سی احادیث لولاک لما خلقت الافلاک، حسین منی وانا من الحسین وغیرہ زیر گفتگو آئی ہیں۔ حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امام حسین علیہ السلام کی وصفی وحدت کا ذکر فرماتے ہوئے دونوں کے فرق کو اس عجیب و غریب مصرعہ میں بیان فرمایا ہے:

؎ بعد پیغمبر ہیں سب کچھ، صرف پیغمبر نہیں

تاریخی واقعات پر بھی جناب موصوف نے نظر ڈالی ہے۔ رسول اللہ مسجد سے میں ہیں

اور امام حسین علیہ السلام ان کی پشت مبارک پر آ بیٹھتے ہیں، ایک بڑے جاندار اور خوبصورت بند میں اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے بیت میں کہا ہے:

یہ بنے تو سر اُٹھے اب مالک تقدیر کا
آج سجدہ بھی ہے تابع، مرضی شبیر کا

رب کائنات سے امام حسین علیہ السلام کی والہانہ شیفتگی کی طرف ایک حسین اشارہ:

محو تھا ایسا جمال ایزد غفار پر
سو گیا آرام سے تو خنجروں کی دھار پر

یہ مرثیہ صرف امام حسین علیہ السلام کے اوصاف فاضلہ کا مرقع اور ان کے مصائب کا عکاس ہی نہیں ہے اس میں قوم وملت کو بعض ضروری امور کی انجام دہی کی طرف متوجہ بھی کیا گیا ہے اور ذہنی وفکری انتشار سے بچنے کی تلقین بھی ہے۔

اس وقت منبر جس انتشار فکری کا شاہکار ہے اس طرف ایک لطیف اشارہ:

ہم عمل بھولے ترا، کیا گردش ایام ہے
عصر تو پختہ ہوا، اور فکر منبر خام ہے

ایک انتہائی اہم ملی ضرورت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

جو محمدؐ کی سیاست کے علمبردار ہوں
اوچھی باتوں پہ قناعت کو وہ کیوں تیار ہوں
ہاں سیاسی تربیت چاہو تو پھر اخبار ہوں
مجلسیں لاکھوں ہوں، پرچے بھی مگر دو چار ہوں
حملہ ور قوم پہ ہیں سب بفکر حفاظت کیجئے
یاد قرطاس و قلم کی اب روایت کیجئے

اخبار کی اہمیت کے لئے دو مصرعوں میں کیا کچھ نہیں کہہ دیا ہے:

کاغذی کشتی نہیں ہوتی ہے موجوں پہ گراں
ہے یہ کاغذ کا سپاہی لاکھ فوجوں پہ گراں

بعض لوگوں نے مراسم عزاداری کو اپنا مقصود و مقصد بنا رکھا ہے اور محض رونے رلانے کو جنت کا پروانہ۔ علامہ ممدوح اس مغالطے کو بڑے موثر انداز میں دور کرنے کی سعی مشکور فرماتے ہیں:

مقصدِ شبیریت، ارکانِ ایماں کا قیام
مقصدِ شبیریت، شبیر کے مسلک کا نام
شرط ہے لیکن روایت میں بھی عرفانِ امام
ہے عزاداری میں استحقاقِ جنت لاکلام
ہو عزا بھی اور عمل بھی دین کے ارکان پر
ماتمِ شبیرؑ میں بھی ہو نظر قرآن پر

حدیث معصوم میں فرمایا گیا ہے: من بکیٰ علی الحسین او ابکی او تباکیٰ عالماً بحقه و عارفاً لشانه وجبت له الجنة. جو امام حسین علیہ السلام پر روئے یا رلائے یا اس کے چہرے پر احساس غم نمایاں ہو جائے بشرطیکہ وہ امام مظلوم کے حق کو جانتا اور ان کی شان کو پہچانتا ہو تو ایسے شخص پر جنت واجب ہے۔ آخر میں آلِ مجلس، مصائب جناب زینب کا ذکر ہے اور ہر بند ایک مرثیے کے اثر کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ باقی مرثیہ تو خود پڑھئے گا۔ ایک بند میری طرف سے بھی ملاحظہ کر لیجئے، جس میں الہامی انداز میں وقت کی زبان سے جناب زینبؑ کی ہمت افزائی کو بیان کیا گیا ہے:

مصطفیٰؐ کے باغ کی مرجھا چکی ہے ہر کلی
تم ہو اب جانِ نبیؐ کے گھر کی وارث اور ولی
جس کے تھے شبیرؑ اس گودی کی تم بھی ہو پلی
تم حسینؑ اس وقت ہو تم فاطمہؑ تم ہو علیؑ
زور توڑا ہے تمہی نے ظلم کے طوفان کا
تم سہارا، آسرا ہو آلؑ کا، قرآن کا

اور یہ بیت تو زندگی بھر رونے کے لئے کافی ہے:

فرطِ غم سے تازیانہ سر پٹک کر رہ گیا
خون جو بہنے لگا کرتا چپک کر رہ گیا

غرض کہ اس مرثیے میں استعمالات زبان کی نزاکتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے تفسیر

،حدیث ،علم کلام ،فلسفہ ،منطق ،سیاست ،نفسیات ،اخلاق اور قومیات سے مناسب اور ضروری بحث کی گئی ہے جو حضرت علامہ نسیم امروہوی کی ژرف نگاہی ،بصیرت ،وسعت معلومات ،عمیق مطالعہ اور زبان پر کلی گرفت کی آئینہ دار ہے۔میری اپنی ذاتی رائے تو یہ ہے کہ علامہ موصوف نے جتنا وقت مرثیے کو دیا ہے وہ مثلاً علوم متداولیہ خاص طور پر تفسیر وحدیث کو دے دیتے تو شاید ملت کی بہت بڑی خدمت ہوتی۔تاہم موصوف نے شعر کے سہارے بھی نشر علوم کا گراں بہا اور قابل داد فریضہ انجام دیا ہے۔

میری دعا ہے کہ خداوند عالم جناب ممدوح کو تا دیر سلامت رکھے کہ ایسی جامع شخصیت ہر قوم وملت کے لئے سرمایہ افتخار ہوا کرتی ہے۔

تم سلامت رہو قیامت تک۔۔۔۔۔!
اور قیامت خدا کرے کہ نہ آئے۔۔۔۔۔!

شبیہ الحسنین محمدی

۲۸۔علی مراد، خیر پور میرس۔سندھ، ۱۷دسمبر ۱۹۸۴ء

از: مولانا شبیہ الحسنین محمدی

جناب محمد حسین مزمّل کی خدمت میں

۲۳ اگست ۱۹۸۷ء کو محمد ابن حسین مزمل نے ۱۰ اگست ۸۷ء کے روزنامہ "امن" میں شائع شدہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ سے متعلق میری گزارشات کے متعلق کچھ شاعری فرمائی ہے۔ ہم نے موصوف کا اسم مبارک پہلی دفعہ سنا اور دیکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ مفتی جعفر حسین صاحب مرحوم کے مصاحبوں میں رہے ہیں، ٹھیک ہی فرماتے ہوں گے۔ لیکن مفتی جعفر حسین صاحب مرحوم دس بارہ سال لکھنؤ میں زیر تعلیم رہے اور وہی زمانہ ہماری تعلیم کا ہے۔ یہ صاحب لکھنؤ میں تو نظر نہیں آئے تھے۔ لکھنؤ کی تعلیم کے بعد مفتی جعفر حسین صاحب فقہ اور اصول فقہ کی مزید تعلیم کے لئے عراق چلے گئے، اور یہ ناچیز لدھیانہ میں علامہ سید محمد سبطین مرحوم کے معروف رسالے البرہان میں معاون مدیر اور پھر مدیر کی حیثیت سے خدمات انجام دینے لگا۔ دوران قیام لکھنؤ میں ہی مسلم لیگ سے وابستہ ہو گیا تھا اور شیعہ دینی طلباء میں تنہا کھل کر سیاست میں حصہ لیتا تھا، لدھیانہ میں بھی اور ترک لدھیانہ کے بعد بھی میں مسلم لیگ کی خدمت کرتا رہا۔ ۳۵ء میں مفتی جعفر حسین عراق سے واپس آئے اور گجرانوالہ میں مقیم ہوئے، جو ان کا وطن تھا، چونکہ مفتی صاحب مرحوم سے دور طالب علمی کے تعلقات تھے اس لئے ہم ایک دوسرے سے ملتے جلتے رہتے تھے، اس وقت بھی مضمون نگار صاحب مجھے کہیں نظر نہیں آئے۔

میں تحریک پاکستان میں اپنی بساط کے مطابق ہندوستان کے ہر گوشے میں اپنی خدمات انجام دیتا رہا۔ مفتی جعفر حسین صاحب مرحوم نے تحریک پاکستان میں کسی قسم کا کوئی حصہ نہیں لیا۔ ہاں جب پاکستان بن گیا تو مفتی صاحب نے اس شجرۂ سایہ دار کے خوب خوب پھل کھائے، اور اس کے سائے سے ہر طرح کا استفادہ کیا۔ اسلامی مشاورتی کونسل میں شیخ کرامت علی ایڈووکیٹ کے توسط سے شامل کر لئے گئے اور پھر مسلسل تقریباً بیس سال تک نظریاتی کونسل اور مشاورتی کونسل میں شامل رہے۔ گراں قدر وظیفہ وصول فرماتے رہے۔ جناب ضیاء الحق صاحب کے دور حکومت میں جناب مفتی جعفر حسین صاحب نے محسوس کیا کہ نظریاتی کونسل میں اب شاید کوئی دوسرا لے لیا جائے گا، تو کونسل کی میعاد ختم ہونے سے دو تین مہینے پہلے استعفاء دے دیا اور شہیدوں میں داخل ہو گئے۔ اس بیس سال کے طویل عرصے میں مفتی جعفر صاحب مرحوم

نے شیعوں کے نمائندے کی حیثیت سے دھیلہ بھر کام نہیں کیا، اگر کسی صاحب کو یہ دعوا ہو کہ موصوف نے کوئی خدمت انجام دی تھی تو ان کے خریطۂ خدمات میں سے ایک ورق ہی نکال کر دکھلا دیں، بہر حال ۹ے۹ء میں بھکر تحصیل میں شیعہ کونشن منعقد کیا گیا جس میں مفتی صاحب کو تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کا سربراہ بنایا گیا۔ یہ جلسہ ۱۳، ۱۴ اپریل ۹ے۹ء کو ہوا تھا۔ مفتی صاحب نے پہلے مسجد میں اور بعد کو جلسۂ عام میں واضح اعلان کیا تھا کہ ہم کوئی جماعت نہیں بنا رہے ہیں بلکہ سب جماعتوں کو ساتھ لے کر چلیں گے۔ سیاست سے بھی ہمارا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

جہاں تک اس عاجز کا تعلق ہے تو میں کسی فرقہ پرستانہ اجتماع میں یا تحریک میں کبھی شامل نہیں ہوا۔

اس لئے ۱۳ یا ۱۴ اپریل ۹ے۹ء کے جلسے میں میری شرکت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پاکستان میں یہ پہلی فرقہ پرستانہ تحریک عالم وجود میں آئی بعد میں بعض دوسرے فرقوں نے فرقہ پرستانہ جماعتیں بنا ڈالی اور پاکستان میں فرقہ ورانہ انتشار کی ہوائیں چلنے لگیں۔ مصیبت یہ ہے کہ لوگ فرقہ ورانہ اور فرقہ پرستانہ تحریکوں میں فرق نہیں کرتے۔ فرقہ وارانہ تحریک یا تنظیم اگر احتیاط سے کام لے تو ضرر یا نقصان کا موجب نہیں ہو سکتی۔ فرقوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے فرقے کی فلاح و بہبود کے لئے کوئی تنظیم قائم کریں، تعلیمی، معاشی، معاشرتی اور مذہبی خدمات کے لئے ایسی تنظیمیں ہمیشہ قائم ہوتی رہی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔ لیکن فرقہ پرستانہ تحریک انتشار کا باعث ہوتی ہے اور آخر کار تصادم کا پھل دیتی ہے۔ غرض کہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ مفتی جعفر صاحب کے اعلان کے مطابق ایک عرصے تک دوسری شیعہ جماعتوں کے سہارے یعنی ان جماعتوں کے کارکنوں کو سپریم کونسل میں شامل کر کے کام کرتی رہی، بعد میں اس کو ایک جماعت بنا دیا گیا اور ایک فاسق مطلق کو جو مفتی جعفر حسین صاحب کا ذاتی دوست تھا اس کا جنرل سیکریٹری نامزد کر دیا گیا، جب مفتی صاحب نے اعلان کیا تھا کہ کوئی جماعت نہیں ہوگی تو مولانا نجم الحسن کراروی، مولانا جواد حسین صاحب ہنگو، علامہ مرزا یوسف حسین میانوالی، مولانا مفتی سید عنایت علی شاہ ملتان، مولانا صفدر حسین صاحب، مولانا سید ریاض حسین صاحب، اور المنتظر کے دیگر اساتذہ اور طلباء، اور مولانا محمد حسین ڈھکو سرگودھا وغیرہ موجود تھے۔ جب مولانا مفتی جعفر حسین صاحب نے اس تحریک کو جماعت کی شکل دی تو مولانا مفتی سید عنایت علی شاہ صاحب ملتان، مولانا جواد حسین صاحب ہنگو، مولانا نجم الحسن صاحب پشاور اور مولانا مرزا یوسف حسین صاحب لکھنوی وغیرہ نے احتجاجاً سپریم کونسل سے استعفاء دے دیا۔

غرض کہ مفتی جعفر حسین صاحب کا اعلان ہر چھوٹے بڑے عالم غیر عالم نے سنا اور کافی عرصے کے بعد اپنے اعلان کے خلاف انہوں نے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کو ایک جماعت کے سانچے میں ڈھال دیا، اس تعلق میں مضمون نگار صاحب نے جو داد شاعری دی ہے اور یقیناً قابل داد ہے اور اس سلسلے میں کچھ کہنا فعل عبث ہے۔ جو لوگ زندہ کھمی نگلنے کا حوصلہ رکھ سکتے ہیں وہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ بعض حضرات کا یہ طریقہ ہے کہ اصل موضوع سے فرار کے لئے فوراً امام حسین علیہ السلام کے مثیل بن جاتے ہیں۔ اب ان کو کون سمجھائے کہ آپ نہ امام حسین علیہ السلام کے مثیل ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔ اور نہ حکومت یزیدیوں پر مشتمل ہے نہ ہو سکتی ہے۔ مضمون نگار صاحب نے ہمیں عزاداری کا مفہوم سمجھانے کی کوشش فرمائی ہے، شکریہ۔

انشاء اللہ آپ کے ارشادات عالیہ سے استفادہ کرکے آہستہ آہستہ ہماری سمجھ میں عزاداری کا مفہوم آجائے گا، اب ناظرین امن بتائیں کہ ہم کس کس کی عقل کا ماتم کریں، مضمون نگار صاحب نے ہمارے اس سوال کے جواب میں کہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ والے چاہتے کیا ہیں؟ ایک لمبا چوڑا رجز پڑھ دیا۔ ہم نے لکھ کر زبانی اور کلامی سب کچھ حکومت کو بتلا اور سمجھا دیا ہے۔ لیجئے ہم تو پھر بھی محروم رہے۔

صاحب یہ پردے کی باتیں بھی امن کے صفحات کے حوالے ہی کر دیتے تو کیا برائی تھی۔ تاکہ میں اور دیگر قارئین امن درون پردہ باتوں کو دیکھ اور پرکھ سکتے۔ لاہور کی عظیم الشان کانفرنس شاید چھ جولائی والی کانفرنس مراد ہے، جو قرآن اور سنت کے عنوان سے کی گئی تھی، اس کانفرنس نے ایک بڑے فساد کو ختم کر دیا ہے اور ایک بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔ حدیث ثقلین اہل اسلام کی کتب احادیث میں اکیس طریقوں سے روایت کی گئی ہے جن میں سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اللہ کی کتاب اور اپنی سنت۔ ہمارے اہل سنت بھائیوں نے اسی روایت کو اختیار کیا، شیعہ حضرات چودہ سو سال سے دوسری روایتوں کو کہ "میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں، قرآن اور اہل بیت" مانتے ہیں۔ چلئے ۶ جولائی کی تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کی قرآن و سنت کانفرنس میں یہ جھگڑا تو طے کر دیا کہ قرآن و سنت درست ہے۔ قرآن و اہل بیت کا ڈھنڈورا بلاوجہ پیٹا جا رہا ہے، ہم نے اپنے مضمون میں کہیں نہیں کہا کہ ملت جعفریہ کو سب کچھ مل گیا ہے۔ پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہے، جیسے جیسے ملک ترقی کرتا جائے گا۔ پاکستان کے ہر باشندے کو کچھ نہ کچھ ملتا جائے گا۔ اس میں ملت جعفریہ کی کیا تخصیص ہے۔

اب رہ گیا ملت جعفریہ کی عظیم اکثریت کا تحریک نفاذ فقہ جعفریہ حسینی گروپ کے ساتھ ہونے کا دعویٰ.........! تو اسے صرف دلچسپ دعوا ہی کہا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کا دوسرا گروپ مولانا سید حامد علی صاحب موسوی کی سربراہی میں موجود ہے۔ یہ گروپ بھی دعویٰ کرتا ہے کہ عظیم اکثریت ہمارے ساتھ ہے۔ تیسرا گروپ ایک اور بھی موجود ہے جو نہ حسینی صاحب کے ساتھ ہیں اور نہ موسوی صاحب کے ساتھ ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ شیعوں کی عظیم اکثریت اسی تیسرے گروپ کے ساتھ ہیں، جو فرقہ پرستانہ انتشار اور خلفشار کو پسند نہیں کرتی۔ تیسرے گروپ کے شیعہ ملک کی مختلف سیاسی جماعتوں میں شامل ہے۔ خاص کر مسلم لیگ، پیپلز پارٹی، نیشنل پیپلز پارٹی، نیشنل عوامی پارٹی، بزنجو گروپ وغیرہ وغیرہ میں شامل ہیں۔ ویسے جس کا دل چاہے وہ عظیم اکثریت کا نعرہ مار دے۔

آخر اس میں حرج ہی کیا ہے، کون گننے جا رہا ہے، اس سلسلے میں مضمون نگار صاحب نے کچھ سوالات بھی کئے ہیں، شیعہ طلباء کو شیعہ دینیات پڑھائی جا رہی ہے۔ جی ہاں! بالکل پڑھائی جا رہی ہے ۱۹۷۴ء میں یہ دینیات شیعوں کی چار نمائندہ جماعتوں (پاکستان شیعہ کانفرنس، ادارہ تحفظ حقوق شیعہ، شیعہ مطالبات کمیٹی، اور مجلس عمل شیعہ علمائے پاکستان) کی منشاء کے مطابق شیعوں کی طرف سے مولانا سید مرتضیٰ حسین صاحب مولانا ملک مہدی حسن صاحب علوی، مولانا سید نجم الحسن کراروی، علامہ مرزا یوسف حسین صاحب اور اس ناچیز نے تیسری کلاس سے لے کر دسویں درجے تک مرتب کی تھیں۔ جو ۱۹۷۴ء سے اس وقت تک بلا ترمیم و تنسیخ پورے پاکستان میں پڑھائی جا رہی ہے۔ شیعوں کے مقدمات، شیعوں کی فقہ کے تحت اور حنفیوں کے مقدمات ان کی فقہ کے تحت قیام پاکستان سے اس وقت تک طے کئے جا رہے ہیں۔ سیشن جج سے لے کر سپریم کورٹ تک یہ فیصلے ہوتے رہتے ہیں انگریزی دور حکومت میں بھی ہر فرقے کا فیصلہ اس کی فقہ کے مطابق کیا جاتا تھا۔ آج بھی کیا جاتا ہے۔ موجودہ حکومت نے پہلے بھی عزاداری پر کسی بھی قسم کی پابندی عائد نہیں کی۔ رسم قدیم کے مطابق ہم عزاداری کر رہے ہیں اور حکومت اس کی تکمیل میں ہر امکانی مدد اور آسانی مہیا کر رہی ہے۔ اگر کہیں کوئی فرقہ ورانہ جھگڑا فرقہ پرستوں کی طرف سے کھڑا کر دیا جاتا ہے تو اس کو حکومت کی جھولی میں ڈالنا عقل و انصاف سے بعید ہے۔ دنیا کی کوئی حکومت شرارت کی ہمت افزائی کر کے اپنی پیشانی پر رسوائی کا ٹیکہ نہیں لگا سکتی۔ اس لئے حکومت پر الزام لگانا صرف عناد ہی کا کرشمہ ہو سکتا ہے۔

کرم ایجنسی میں کچھ پاگل افغانیوں نے توریوں پر حملہ کر دیا حکومت نے اسے

انتہائی تیزی سے کنٹرول کرنے کی کوشش کی، اور کامیاب بھی ہوگئی۔ ظاہر ہے کہ اس جھگڑے میں کچھ لوگ مارے گئے جو انتہائی صدمے کی بات ہے لیکن اس جھگڑے کو حکومت کی جھولی میں ڈالنا سفید جھوٹ کے علاوہ کیا کہا جاسکتا ہے۔ بھلا آپ سے کس نے کہا ہے کہ امریکی ایجنٹوں کی شرارتوں کا توڑ نہ کیجئے۔ ضرور کیجئے لیکن پاکستان کی حکومت کو تو امریکہ کا ایجنٹ نہ بنائیے۔ کوئی قوم بھی اپنے آپ کو گالیاں نہیں دیا کرتی۔ رہ گیا حزب اختلاف کی جماعتوں کا شور۔ تو وہ حکومت بتلا دیجئے جس کے خلاف حزب اختلاف کی جماعتوں نے شور وشغب نہ کیا ہو۔ نوابزادہ لیاقت علی خان کی حکومت سے لے کر اس وقت تک ہر حکومت کے خلاف حزب اختلاف کی جماعتیں اپنی اپنی بولی بولتی رہی ہیں، سوال یہ ہے کہ قوم اگر انہیں برحق سمجھتی تو ان کا ساتھ دیتی۔ حزب اختلاف والے ظلم وجور کے پہاڑ گرتے ہوئے بتا رہے ہیں اور قوم کی واضح اکثریت حکومت کے ساتھ ہے، چاروں صوبوں کی اسمبلیاں مرکزی اسمبلی چند افراد کے علاوہ سب حکومت کے ساتھ ہیں۔

بہر حال مضمون نگار صاحب کا یہ بیان مبالغہ اور غلو کا اچھا نمونہ ہے۔ اور نثری شاعری کی اچھی مثال ہے۔ اب رہا مسجد، امام باڑے اور مندر میں جمع ہونے کا مسئلہ تو ہم پورے ملک میں قوم کی رفتار وگفتار دیکھ رہے ہیں۔ فرقہ پرستوں کے علاوہ کوئی بھی موجود حکومت کو مطعون نہیں کر رہا ہے۔ ووٹ کے متعلق ہم نے یہ مختصری گزارش کی تھی کہ پاکستان میں فرقوں کو ووٹ کا حق نہیں ہے، بلکہ قوم کو حق ہے۔ فرقے کی بنیاد پر آپ ووٹ مانگیں گے تو آپ کو دے گا کون؟

ہماری اس مختصری گزارش پر جناب مضمون نگار صاحب نعل در آتش ہو گئے ہیں۔ اور امام مظلوم علیہ السلام کو درمیان میں لے آئے ہیں۔ خدا کے لئے اپنی خوبصورت سیاست میں امام حسین علیہ السلام جیسے پاک وپاکیزہ نفوس کو مت لائیے! دن رات پر امن جلوس نکلتے رہتے ہیں اور حکومت یا پولیس کوئی مداخلت نہیں کرتی۔ لیکن جب پر امن مظاہرے کے نام سے ہنگامہ آرائی کی جائے تو بہر حال حکومت کو نوٹس لینا پڑتا ہے۔ اس میں بھلا فریاد وفغاں کی کیا بات ہے۔!

ہم نے عرض کیا تھا کہ پاکستان اور ایران ایک دوسرے کے دوست ہیں مقالہ نگار صاحب نے امریکہ، روس اور ہندوستان وغیرہ کی مثال دے کر یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ پاکستان اور ایران ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ تو حضور انور اگر میری خطا معاف ہو تو یہ عرض کردوں کہ

جہاں تک ہندوستان اور پاکستان کا تعلق ہے تو پاکستان کی حکومت بھرپور کوشش کر رہی ہے کہ ہندوستان سے پڑوسیوں کے سے مخلصانہ تعلقات قائم ہو جائیں۔اس لئے پاکستان کے صدر صاحب کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر ہندوستان جاتے رہتے ہیں، لیکن بھارت کے دل میں چونکہ چور ہے،اس لئے بھارت کے سربراہ صاحب جناب راجیو گاندھی اعلان کے باوجود پاکستان نہیں آئے۔اس کے معنی یہ ہے کہ سعی محبت یک طرفہ ہی رہی۔اس طرح امریکہ اور روس کے سربراہان بھی واشنگٹن، نیویارک، ماسکو اور لینن گراڈ، نہ ہی آئے نہ ہی گئے۔چھوٹے موٹے افسران آتے جاتے رہے۔اس لئے کہ تعلقات سطحی ہیں مخلصانہ نہیں۔لیکن ایران کے سربراہ حجۃ الاسلام سید علی خامنہ ای جب پہلی دفعہ ایران سے نکلے تو پاکستان آئے۔پاکستان کی حکومت اور عوام نے ان کا جو والہانہ استقبال کیا وہ تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔صدر ایران نے صدر پاکستان، وزیر اعظم پاکستان حکومت پاکستان کا شکریہ ادا کیا اور ایران سے ان کی محبت اور خلوص کی داد دی۔اور ایران کے وزیر خارجہ جناب علی اکبر ولایتی اور دیگر وزراء مختلف وفود کے ساتھ برابر آتے رہتے ہیں اور دونوں کی محبتوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔صدر پاکستان بھی کئی دفعہ ایران جا چکے ہیں۔وزیر خارجہ، وزیر خزانہ اور دیگر وزراء بھی وفود کے ساتھ ایران کا دورہ کرتے رہے ہیں۔اس لئے ہم نے یہ عرض کیا تھا کہ حکومت پاکستان کو گولیاں نہ دیجئے کہ یہ ایران کی دوست ہے اور قانون عقل یہ ہے کہ دوست کا دوست، دوست ہی ہوتا ہے۔مگر کس قدر افسوسناک ہے یہ حقیقت کہ جب حجۃ الاسلام سید علی خامنہ ای تشریف لائے تھے، تب بھی تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے کارکن حکومت پاکستان کے خلاف نعرے بازی میں مصروف تھے۔ایک بات اور عرض کردوں اگر آپ برا نہ مانیں کہ چلئے بقول آپ کے، حکومت پاکستان تو منافقوں پر مشتمل ہے، لیکن کیا حکومت ایران بھی جس میں زیادہ تر دینی علوم کے ماہر اور بعض مجتہد شامل ہیں کیا وہ بھی منافقت پر اترے ہوئے ہیں؟ کہ پاکستان سے تعلقات استوار کرتے جا رہے ہیں۔اور ہر آٹھویں دن پاکستان آجاتے ہیں۔یا پاکستان کے کسی نمائندے کو اپنے یہاں بلاتے ہیں۔جہاں تک اس عاجز کا تعلق ہے تو میری ذات پر آپ جتنی جی چاہے کیچڑ اُچھالیں، حکومت پرست کہیں، خوشامدی کہیں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔

اس لئے کہ میں مسلم لیگی ذہن کا آدمی ہوں سنہ ۴۳ء میں مسلم لیگ میں شامل ہوا تھا اور اب بھی مسلم لیگ میں شامل ہوں اور حکومت اس وقت مسلم لیگ کی ہے، میرا فریضہ ہے کہ میں اپنی حکومت کی اچھی باتوں کی تعریف کروں اور داد دوں۔اور غلط باتوں پر مناسب انداز

میں تنقید کروں اور اپنی صلاحیت کے مطابق نیک مشورہ دوں، میرے مضامین کے پڑھنے والے ان تمام حقائق سے آگاہ ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کے الزام تراشیوں سے نہ تو مسلم لیگ کے کردار پر کوئی اثر ہوگا اور نہ مسلم لیگ کی حکومت پر کوئی آنچ آئے گی۔ ہاں بغض وعناد کے مریض خود اپنی آگ میں جلتے رہیں گے۔ جہاں تک پاکستان میں انتشار پیدا کرنے کا تعلق ہے تو ایسا صرف وہ لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے تحریک پاکستان میں کوئی حصہ نہیں لیا اور استحکام پاکستان کے لئے کوئی قربانی نہیں دی۔ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کا کوئی کارکن نہ پہلے تھا نہ اب، جس نے تحریک پاکستان میں کوئی قربانی دی ہو۔ وہ خود تو کیا، ان کے بزرگوں میں سے بھی کسی نے پاکستان کے لئے کوئی قربانی نہیں دی، موجودہ کارکن تو تحریک پاکستان کے مراحل میں پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ اگر تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے کسی صاحب نے یا ان کے بزرگوں نے تحریک پاکستان میں حصہ لیا ہو تو ہمیں بتایا جائے، ہم شکریہ ادا کریں گے۔ جہاں تک پاکستان میں انتشار پیدا کرنے کی بات ہے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ فریضہ آپ انجام دے ہی رہے ہیں۔ مفت کے یا کرائے کے مکان میں رہنے والے مکان کا جو حشر کرتے ہیں وہ سب کو معلوم ہے۔ درد تو صرف اسے ہوتا ہے جس نے مکان کی تعمیر میں کوئی حصہ لیا ہو۔ خدا حافظ

شبیہ الحسنین محمدی

از: مولانا محمد شبیر الحسنین محمدی

عُشر اور نصف العُشر کسی ''زمین'' پر عائد نہیں ہوتے!

قومی اور سیاسی مسائل کو سمجھنا اور ان کو حل کرنا خاصا مشکل کام ہے۔ ان فرائض سے عہدہ برآ ہونے کے بعد تعلیم کے ساتھ ساتھ عملی زندگی میں بھی کچھ نہ کچھ حصہ لینا ضروری ہے۔ اسی وجہ سے بعض حضرات ان مباحث میں حصہ لیتے ہوئے صرف اپنے جذبات کو مظاہرہ کر پاتے ہیں اور لعن وطعن کے تیر برسا کر اپنے تئیں مطمئن بنالیتے ہیں۔

حکومت پاکستان سے تعاون پر پست ترین زبان میں داد دشنام طرازی دینے سے پہلے ایسے حضرات کو چاہیے کہ وہ خود اپنے رشتہ داروں کو حکومت کی ملازمتوں سے الگ کرلیں، اس لئے کہ وہ اور ان کے افراد خاندان حکومت کے باقاعدہ تنخواہ دار ہیں اور ہم تو جہاں کہیں بھی خدمات انجام دے رہے ہیں بلا معاوضہ اعزازی طور پر تعاون کر رہے ہیں، تا کہ کسی نہ کسی رُخ سے اہل پاکستان کی خواہ وہ کسی فرقے اور ملت کے ہوں خدمت کرسکیں۔ اگر ہمارا یہ طریق کار قابل طنز ہے تو ہم اس کو قبول کرتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ ہم اپنے اس طرز عمل کو جاری رکھیں گے، لیکن ان حضرات میں حکومت پاکستان کی مخالفت کا واقعی جذبہ ہے تو ان کو ملازمتوں سے استعفیٰ دینے اور دلوانے چاہئیں۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ یہ سستی لیڈری کا ایک پست ارمان ہے اور کچھ نہیں۔۔۔۔!!

تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے متعلق میرے بیان کے سلسلے میں اب تک جو کچھ جن حضرات نے کہا سنا ہے وہ ان کے ذاتی جذبات کا آئینہ ہے اور کچھ نہیں! اس لئے میں ان حضرات کی گفتگو کا نوٹس لینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ جناب سید بشیر حسین صاحب بخاری صدر مرکزی تحقیقات اسلامیہ سرگودھا پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے بیان میں کم از کم آداب گفتگو پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے میں ان کی خدمت میں چند لفظ رضا کار کے توسط سے عرض کر رہا ہوں کہ ان کا بیان بھی رضا کار ہی میں چھپا ہے۔

جمہوریت کا یہ عام قانون ہے کہ شریفانہ انداز میں جو کچھ آپ کہنا چاہتے ہیں کہیں، اور دوسروں کو بھی اپنی ہی طرح کہنے سننے کا حق دیں۔ میں جناب سید بشیر حسین صاحب کو توجہ دلاؤں گا کہ وہ میرے بیان کو دوبارہ پڑھیں اور خصوصیت سے ان جملوں پر توجہ مرکوز کریں'' قائداعظم کی سربراہی میں مسلم لیگ نے پاکستان کو ایک مسلم ریاست کی حیثیت سے

تشکیل دیا تھا اور اس کی اس حیثیت کو تبدیل نہیں ہونا چاہیے" اگر فاضل مقالہ نگار میرے مذکورہ جملے پر غور کر لیتے تو کسی لمبی چوڑے تو کیا مختصر تبصرہ کی بھی ضرورت محسوس نہ فرماتے۔ میں درخواست کروں گا کہ اس فقرہ پر دوبارہ غور کیا جائے۔ فاضل تبصرہ نگار کو نفاذ فقہ جعفریہ اور تحریک نفاذ فقہ جعفریہ میں بھی فرق کرنا چاہیے۔ اس مرحلے پر محترم مدیر رضا کار سے بھی میری یہی درخواست ہوگی کہ وہ بھی نفاذ فقہ جعفریہ اور تحریک نفاذ فقہ جعفریہ میں فرق معلوم کرنے کی کوشش کریں اور جب وہ یہ فرق محسوس کر لیں گے تو انہیں علامہ مرزا یوسف حسین صاحب سربراہ مجلس عمل شیعہ علمائے پاکستان سے میرے خلاف داد و فریاد کی ضرورت نہیں رہے گی۔

اسلام آباد کے اجتماع سے افسوس ہے کہ کوئی عملی فائدہ نہیں اٹھایا گیا۔ صرف زکوٰۃ میں استثناء حاصل کیا گیا ہے جو پرسنل لاء میں ہے، نماز روزہ کی طرح۔۔۔۔۔! اور جس کے لئے لاکھوں روپیہ اور قیمتی وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ اگر حکومت پرسنل لاء میں مداخلت کا رویہ اختیار کر رہی تھی تو اس تعلق میں کسی بھی ہائیکورٹ میں ایک رٹ ہو سکتی تھی کہ پاکستان کے دستور اساسی میں ہر فرقہ کے پرسنل لاء کو تحفظ دیا گیا ہے جو حق ہمیں دستوری طور پر حاصل ہے اور جو معمولی چارہ جوئی سے (حکومت کی مداخلت کے بعد) بحال ہو سکتا تھا۔ اس کے لئے جلسے جلوس اور سرمائے اور وقت کا ضیاع صرف جذباتیت کا مظاہرہ ہو سکتے ہیں، عقل کا تقاضا نہیں!!

عشر اور نصف العشر کسی زمین پر عائد نہیں ہوتے۔۔۔۔۔ وہ زمین کی پیداوار پر عائد ہوتے ہیں اور یہ زمینی پیداوار کی زکوٰۃ کا دوسرا نام ہے۔ سرکاری اور غیر سرکاری زمینوں کی تخصیص کچھ اذہان کی تخلیق تو ہو سکتی ہے فقہی مسئلہ نہیں ہے۔!

جمہوریت ہر انسان کا حق ہے۔ بشرطیکہ وہ جائز ذرائع سے حاصل کیا جائے۔ کوئی جائز مقصد بھی ناجائز وسائل سے حاصل کرنا اسلامی تعلیمات میں روا نہیں ہے۔ ورنہ تاریخ کربلا وہ نہ ہوتی جو اب ہے۔۔۔۔۔! اس لئے ہم جمہوریت کو حاصل کرنے کے لئے ایسی جماعتوں کا ساتھ نہیں دے سکتے جو پاکستان اور اسلام میں یقین نہیں رکھتیں۔ ایم۔ آر۔ ڈی میں مسلمہ طور پر ایسی جماعتیں شامل ہیں جنہوں نے خوش دلی سے پاکستان کو قبول نہیں کیا اور جو پاکستان میں نفاذ اسلام کو بھی پسند نہیں کرتیں۔ ایسی جماعتوں کو مدد پہنچانا اور تعاون دینا پاکستان اور اسلام کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ اس لئے ایم۔ آر۔ ڈی سے تعاون کے لئے بے قرار حضرات کو اس حقیقت سے اغماض نہیں کرنا چاہیے۔ ہم صرف ایسی جمہوریت کی تائید کر سکتے ہیں جس میں اسلام کا نور جلوہ فرما ہو اور وہ ایم۔ آر۔ ڈی کے مقابلہ میں جنرل ضیاء الحق جو ایک صاف اور سچے مسلمان

ہیں، زیادہ وہ بہتر طریقہ پر نافذ کر سکتے ہیں جس کا ابتدائی اعلان انہوں نے کر بھی دیا ہے اور جس میں کمی بیشی کے متعلق قوم سے مشورہ طلب کیا گیا ہے۔ اسی لئے ہم ایم۔ آر۔ ڈی کے مقابلہ میں جنرل ضیاء الحق کی تائید کرتے ہیں اور جب تک جنرل صاحب نفاذ اسلام کی مخلصانہ کوشش کرتے رہیں گے ہم ان کو تعاون دیتے رہیں گے۔

جناب مفتی جعفر حسین صاحب رحلت فرما چکے ہیں وہ میرے محترم دوست تھے۔ لکھنؤ کے دور طالب علمی میں، میں اور مفتی جعفر صاحب ہی قریبی ساتھی تھے۔ دینی اور ادبی اجتماعات میں اور لکھنؤ یونیورسٹی نیز ناظمیہ عربی کالج میں حاضری دینے کے لئے ساتھ ہی آتے جاتے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد بھی میرے اور موصوف مغفور کے ذاتی تعلقات میں تلخی نہیں آئی۔ تاہم قومی اور سیاسی مسائل میں مجھے موصوف سے اختلاف کرنا پڑا اور اپنے طویل ترین قومی اور سیاسی تجربات کی روشنی میں مفتی صاحب مرحوم کے خیالات اور اقدامات سے میں تعاون نہ کر سکا۔ ظاہر ہے کہ مفتی صاحب مرحوم ایک لائق عالم دین تھے اور میں دین کا ایک معمولی طالب علم ہوں۔ وہ مرحوم معصوم نہ تھے کہ ان کے کردار اور خیالات سے بحث نہ کی جا سکتی۔ تاہم میں چاہتا ہوں کہ جناب مفتی صاحب مرحوم کی حد تک اس بحث کو ختم کر دیا جائے۔

آخر میں، میں یہ بھی عرض کر دوں کہ زکوٰۃ آرڈی نینس کے صفحہ ۴۲ کو پڑھا جائے۔۔ اس میں واضح طور پر یہ لکھا ہوا ہے کہ جو لوگ اس کٹوتی کو زکوٰۃ نہیں سمجھتے وہ غربائے امت کی مدد کے لئے بطور چندہ ادا کریں۔ چونکہ علمائے شیعہ کے نزدیک نوٹ پر زکوٰۃ نہیں ہے، اس لئے ہم یہ کٹوتی چندے کے طور پر جائز اور مناسب جانتے ہیں، تاکہ امت مسلمہ، غربائے امت کی مدد کی حد تک، یک رنگ رہے۔

میں پھر کہوں گا کہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ اور نفاذ فقہ جعفریہ میں فرق کیجئے۔۔۔! ہنگامی طور پر شیعوں کی ایک تعداد اور اسلام آباد میں جمع ہو گئی تھی، لیکن جب لوگوں کی آنکھیں کھلیں تو قوم کی واضح اکثریت تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے خلاف ہو گئی اور ہے۔۔۔۔!

ہم نے اور ہمارے ساتھیوں نے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کی لیڈر شپ کو ایک دن کے لئے بھی قبول نہیں کیا! کیا یہ ظلم عظیم نہیں ہے کہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کا جنرل سیکریٹری ایک ایسے شخص کو نامزد کرتا ہے جو علماً اور عملاً فقہ جعفریہ کے "الف، ب" سے بھی واقف نہیں ہے اور جو شرفاء کی پگڑیاں اچھالنے ہی کو اپنی عظمت کا منارہ سمجھتا ہے جس میں صرف تفریق، انتشار، الزام تراشی اور بہتان بازی کی صلاحیتیں موجود ہیں، جس کی زندگی کا ریکارڈ شکست اور اختلاف کا آئینہ دار ہے۔!

از: مولانا محمد شبیہ الحسنین محمدی

سات محرم کوڈاکٹر اسرار احمد کے بیٹے کی شادی۔۔!!

یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ "امام حسین علیہ السلام" جو بقول رسول خدا ﷺ "حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنَ الْحُسَیْنِ" (الحدیث) مثیلِ رسولؐ۔۔۔۔۔!اور بقول علامہ شاہ عبد العزیز دہلوی "مُتَمِّمِ کَمَالَاتِ رَسُوْل" ہیں!(بحوالہ سر الشہادتین)

ماہِ محرم ۶۱ ہجری کے پہلے عشرے میں بے پناہ مشکلات و آلام کو برداشت کرنے اور لاتعداد جانکاہ مصائب کا مقابلہ کر کے دس (۱۰) محرم کو۔۔۔۔ انتہائی مظلومانہ حالات میں شہید ہوئے۔

پورا عالمِ اسلام اور دیگر ادیان کے ہزاروں اہلِ دل اس عرصہ میں سوگوار رہتے ہیں اور مختلف طریقوں سے امام حسینؑ کی شہادت کے المناک حادثے کی روداد سننے اور بیان کرنے کے لئے مجالس اور جلسوں کا انعقاد کرتے ہیں۔۔!!

تعجب اور حیرانی ہے کہ جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب جو اپنے آپ کو مفسرِ قرآن کی حیثیت سے عوام کے سامنے پیش کرتے رہتے ہیں اور اسلام کے خدمت گار ہونے کے مدعی ہیں۔۔۔سات محرم کو۔۔۔!!اپنے بیٹے اور بھتیجی کی شادی کی محفل سجا رہے ہیں۔۔!!

سات محرم کو کربلا میں غیر معمولی مصائب کی ابتداء ہوئی۔۔۔۔اس تاریخ سے خانوادہ پیغمبر ﷺ ظلم و جور اور شدائد کے طوفانوں میں مبتلا ہوا۔۔۔!اس غم و الم آلود تاریخ پر تو کیا۔۔۔پورے عشرہ محرم میں شادی کرنا اور شادیانے بجانا مسلمانوں کی روایت کے خلاف ہے۔۔۔۔تاہم اگر ڈاکٹر اسرار احمد کو اپنی یزید پرستی اور حسینؑ دشمنی کے جذبات کی نمائش کرنا ہی تھی تو قومی اخبارات میں نمایاں طور پر اشتہار دینے کی کیا ضرورت تھی۔۔۔یہ اشتہار بازی بلا شک و اشتباہ واضح کرتی ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمد، امام حسین علیہ السلام کے کروڑوں پرستاروں کے غمزدہ دلوں کو مزید زخمی کرنا چاہتے ہیں!!

یعنی امام حسین علیہ السلام کو تکلیف پہنچانے کے ارمان میں بدحواس ہو کر اور امام حسینؑ کو موجود نہ پا کر امام حسینؑ کے عاشقوں کے دل و دماغ کو مجروح کر رہے ہیں اور یزید کا حقِ محبت اس طرح ادا کر کے رسولؐ اور خانوادۂ رسولؐ سے دشمنی کا برملا مظاہرہ کر رہے ہیں، لیکن

ڈاکٹر اسرار احمد کو یاد رکھنا چاہیے کہ اُن ایسے ہزاروں یزیدی، امام حسین علیہ السلام کے حادثۂ شہادت کی اہمیت کو کم کرنے کی ذلیل حرکتوں میں ناکامیابی سے ہمکنار ہوکر موت کے گھاٹ اتر چکے ہیں اور انشاء اللہ ڈاکٹر اسرار احمد کا حشر اُن کے ایسے دیگر یزیدی ہمنواؤں کی طرح ہوگا۔

اگر ڈاکٹر اسرار احمد میں انسانیت اور آدمیت کی کوئی رمق باقی ہے تو اس وحشیانہ اور غیر انسانی طرزِ عمل سے باز آجانا چاہیے۔۔۔!!

یہ کہاں کی شرافت ہے کہ جب سارا عالم سوگوار ہے تو شادیانے ضرور بجائے جائیں؟؟

من آنچہ شرطِ صواب است، با تو می گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر، خواہ ملال!!

❀❀❀❀❀

حصہ سوانح حیات

سوانحی خاکہ

نام: __________ الحاج مولانا محمد شبیہ الحسنین محمدی
والد کا نام: __________ سند العلماء الحاج محمد اعجاز حسن بدایونی
والدہ کا نام: __________ بنت فاطمہ بنت احمد حسن زیدی سرسوی
تاریخ ولادت: __________ ۱۱ صفر المظفر ۱۳۳۶ھ بروز دوشنبہ (پیر)
__________ مطابق ۲۶ نومبر ۱۹۱۷ء
جائے ولادت: __________ محلہ شرقی "سرسی" ضلع مراد آباد ہندوستان
تاریخ وفات: __________ ۹ شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ، بروز دوشنبہ (پیر)
__________ مطابق: ۲۵ فروری ۱۹۹۱ء
مدفن: __________ قبرستان جادو شاہ خیر پور (میرز) سندھ پاکستان
تعلیم ابتدائی: __________ والد محترم مولانا محمد اعجاز حسن بدایونی
مدرسہ ابتدائی: __________ سید المدارس امروہہ، ضلع مراد آباد
مدرسہ درس نظامی: __________ مشارع الشرائع ناظمیہ کالج لکھنؤ
انگریزی تعلیم: __________ پرائیوٹ طور پر، میٹرک پنجاب تعلیمی بورڈ،
__________ الٰہ آباد یونیورسٹی ہندوستان سے السنہ شرقیہ کے امتحانات
__________ مولوی، عالم اور فاضل میں کامیابی حاصل کی۔

سوانحِ محمدی۔۔۔۔ بقلمِ محمدی

از: مولانا محمد شبیہ الحسنین محمدی۔۔۔۔ (بقلمِ خود)

میں ۲۶ نومبر ۱۹۱۷ء کو "سرسی" ضلع مراد آباد میں پیدا ہوا۔۔۔۔ اوالدۂ ماجدہ "بنت فاطمہ" دختر احمد حسن صاحب مرحوم "سرسی" کی تھیں، دادی جعفری بیگم بنت دلاور علی مرحوم بھی سرسی کی تھیں۔ میرا وطن بدایوں تھا۔۔۔۔ سلسلۂ نسب اس طرح سے ہے:

شبیہ الحسنین محمدی ابن سند العلماء، اعجاز الملت علامہ محمد اعجاز حسن ابن مولانا محمد جعفر حسن ابن مولانا محمد علی حسین۔۔۔! (مزید تفصیلات کے لئے شجرہ۔۔ چند صفحوں کے بعد ملاحظہ فرمائیں)

میرا گھرانا۔۔۔۔ قدیم الایام سے "محمدی" کہلاتا اور لکھا جاتا ہے۔ والد علام کی کتابوں پر "محمدی" چھپا ہوا ہے۔ میرے خاندان کے کچھ افراد "صدیقی" بھی کہلاتے ہیں، لیکن وہ بلا واسطہ میری سلسلۂ نسب سے متعلق نہیں ہیں۔ محمد بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کی والدۂ ماجدہ "اسماء بنت عمیس" تھیں جن کا پہلا عقد جناب جعفر طیار ابن ابی طالب یعنی مولائے کائنات حضرت علیؑ کے بڑے بھائی سے ہوا تھا، اور موصوفہ نے جناب جعفر طیار کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ یہ خاتون صحابیات کے پہلے گروہ میں شامل ہیں۔ سنہ ۷ ہجری میں فتح خیبر کے موقع پر اپنے شوہر جناب جعفر طیار کے ساتھ مدینہ واپس آگئیں، حضرت جعفر طیار سے اسماء بنت عمیس کے تین بیٹے ہوئے: عبد اللہ، عون اور محمد۔ بعض تاریخوں میں دو ہی بیٹے بتائے گئے ہیں، عبداللہ اور محمد۔ جناب جعفر اور اسماء کے ان دونوں بیٹوں کی شادی جناب زینب وام کلثوم بنت امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ علی الترتیب ہوئی۔

جنگِ موتہ میں جناب جعفر کی شہادت کے کچھ عرصہ بعد حضرت ابوبکر نے اسماء بنت عمیس سے نکاح کرلیا اور اس عقد کے نتیجے میں دو بچے "محمد" اور کلثوم پیدا ہوئے۔ سنہ ۱۳ ہجری میں حضرت ابوبکر کا انتقال ہوگیا اور کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اسماء سے حضرت علیؑ نے نکاح کرلیا اور آپ کے بطن سے حضرت علیؑ کے دو بیٹے پیدا ہوئے، عون اور یحییٰ۔ عون شہدائے کربلا میں شامل ہیں اور یحییٰ بچپن میں انتقال کر گئے تھے، اور جیسا کہ عرض کیا گیا جناب جعفر طیار کے بیٹوں عبد اللہ اور محمد سے جناب زینب وام کلثوم سلام اللہ علیہما بیاہی گئی تھیں۔ اس طرح جناب اسماء ان دونوں شہزادیوں کی ماں بھی ہیں اور ساس بھی۔

سنہ ۳۶ ہجری میں ایران کی شہزادیاں شہربانو اور مہربانو ایران سے حضرت علیؑ کی خدمت میں بھیجی گئیں۔ حضرت نے جناب شہربانو کا نکاح امام حسین علیہ السلام سے اور مہربانو کا عقد جناب محمدؒ سے کیا۔ اس طرح امام حسینؑ اور محمدؒ ہم زلف قرار پائے۔ امام حسینؑ کے جناب شہربانو سے امام زین العابدین علیہ السلام پیدا ہوئے اور جناب مہربانو سے محمد رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کے قاسم ہوئے۔ امام زین العابدینؑ کے پسر محمد باقر علیہ السلام پیدا ہوئے اور قاسم کے ایک لڑکا محمد اور لڑکی فروہ پیدا

ہوئے۔فروہ کا اصل نام فاطمہ تھا۔فروہ کی شادی امام محمد باقر علیہ السلام کے ساتھ ہوئی اور اُن سے امام جعفر صادق علیہ السلام پیدا ہوئے۔اور اس طرح محمد بن ابی بکر رضوان اللہ تعالیٰ علیہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے نانا ہیں اور فروہ یعنی فاطمہ سات معصوم اماموں کی ماں اور دادی ہیں۔۔۔!

یہ حقیقت مسلّمہ ہے کہ امام معصوم کسی ایسے بطن سے ظاہر نہیں ہو سکتے جو کسی مرحلۂ نسب میں بھی قدح یعنی حرام کا شکار رہا ہو۔اس لئے بجا طور پر یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ انساب عرب میں میرا نسب کبھی محلِ قدح نہیں ہوا۔۔۔۔۔!!! جہاں تک جناب محمد رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ہے، اُن کی پرورش اور تربیت حضرت علی علیہ السلام نے فرمائی تھی اور امام حسن اور امام حسین علیہما السلام نے فرمائی تھی اور امام حسین علیہ السلام کی انتہائی نزدیکی اور صحبت سے بھی ان کو فیض پہنچا تھا۔اور میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ محمد رحمۃ اللہ علیہ نے تین معصوموں سے اخذِ فیض کیا تھا۔۔۔!! محمدؒ کے لئے ان کی شہادت کی خبر سن کر مولائے کائنات نے جو گراں قدر الفاظ کہے ہیں۔۔۔!! جہاں تک میرا علم ہے۔۔۔کسی دوسرے معصوم نے کسی غیر معصوم کے لئے نہیں کہے۔حضرتؑ نے فرمایا: كَانَ لِي وَلَدًا صَالِحًا مُشْفِقًا نَاصِحًا ۔۔۔محمد میرا صالح بیٹا اور میرا مہربان خیر خواہ تھا۔۔۔۔۔!!! اور اسی نزدیکی کی وجہ سے ''ثالث الحسنین'' بن گئے۔یہ لقب بھی مولائے کائنات کا عطا کردہ ہے۔آپ نے محمدؒ کے اوصاف فاضلہ کے پیش نظر کئی بار فرمایا: مُحَمَّدٌ اِبْنِيْ مِنْ صُلْبِ اَبِيْ بَكْرٍ ۔۔۔!! میرے خاندان میں محمدؒ سے لے کر اس وقت تک مسلسل علمائے دین رہے ہیں، کسی نسل میں بھی جہل نہیں آیا۔۔۔۔۔!!

ابتدائی تعلیم سید المدارس ''امروہہ'' میں ہوئی۔مولانا سید محمد امروہوی مرحوم، مولوی باقر حسین صاحب مرحوم اور منشی مبارک علی مرحوم میرے اساتذہ تھے۔سید محمد مہدی رئیس امروہوی، سید محمد تقی سابق مدیر جنگ، سید حیدر حسن کمال امروہوی وغیرہ سید المدارس میں میرے ساتھیوں میں سے تھے۔

میرے والد ماجد کا انتقال ۲۳ مارچ ۱۹۳۲ء کو فضائل جناب امیرؑ بیان کرتے ہوئے ڈیرہ اسماعیل خان میں بالائے منبر ہوا، اور وہیں دفن ہوئے۔میرے دادا جعفر حسن جلالی ضلع ''علی گڑھ'' میں مدفون ہیں اور پر دادا مولانا علی حسین روضۂ امام حسینؑ کربلائے معلیٰ میں دفن ہیں۔باقی بزرگ زیادہ ہندوستان میں آنے کے بعد ''بدایوں'' میں مدفون ہیں۔

کچھ عرصہ امروہہ میں حصول تعلیم کے بعد لکھنؤ چلا گیا، ناظمیہ عربی کالج اور مدرسۃ الواعظین میں والد ماجد مدرس تھے، اس لئے میں ناظمیہ عربی کالج میں ہی داخل ہوا۔میں دورِ طالب علمی میں زیادہ تر تکمیل خود میں مصروف رہتا تھا، تعلیم کی طرف کوئی خاص توجہ نہ تھی، لیکن انتہائی قوی الحافظہ تھا، اس لئے جو کچھ پڑھ لیتا تھا، نوک زبان ہو جاتا تھا۔والد مرحوم کی حیات میں، میں نے فارسی کے امتحانات سے امتیاز کے ساتھ ''مولوی عالم'' اور ''فاضل'' میں کامیابی حاصل کیا، آں جناب نے

"السوانح الاعجازیہ" میں میرے بارے میں جو تبصرہ فرمایا وہ میرے لئے اعزاز ہے۔ "درس نظامی" باقاعدہ پڑھنا میرے لئے ممکن نہ رہا تھا۔ اس لئے ضروری کتابیں مختلف علماء سے پڑھیں۔ لکھنؤ میں میرے اساتذہ بالترتیب حسب ذیل تھے:

مولانا سید محمد قاسم صاحب زیدی مدظلہ، سابق پرنسپل منصبیہ کالج میرٹھ ہندوستان، سابق پرنسپل مشارع العلوم حیدرآباد، پرنسپل سلطان المدارس خیرپور۔

والد ماجد علامہ محمد اعجاز حسن محمدی۔

سید العلماء مولانا علی نقی نقن صاحب مدظلہ،

ان کے والد زبدۃ العلماء مولانا سید ابوالحسن صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ۔

ڈاکٹر علامہ سید مجتبیٰ حسن صاحب کامون پوری۔

سرکار حجۃ الاسلام مفتی سید احمد علی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ، پرنسپل ناظمیہ عربی کالج۔

حجۃ الاسلام مفتی محمد علی صاحب رئیس شعبۂ ادبیات، شیعہ عربی کالج۔

۳۶ء میں، میں سرکار علامہ روزگار علامہ سید محمد سبطین سرسوی کی خدمت میں لدھیانہ حاضر ہوگیا اور ایک طویل عرصہ تک فلسفہ، منطق، تفسیر و حدیث ان مرحوم سے پڑھتا رہا۔ علامہ مرحوم نے "البرہان" کی ادارت بھی میرے حوالے فرمادی اور میں نے تحریر و تقریر کی اپنی فطری صلاحیتوں پر علامہ سرسوی کی نگرانی میں صیقل کی۔

"البرہان" میں سیاسی اور قومی نوعیت کے مضامین شائع کرنا ہم مناسب نہ سمجھتے تھے۔ اس لئے ایک ہفتہ وار پیپر "صداقت" کے نام سے شروع کیا۔ جس کا ایڈیٹر مجھے ہی مقرر کیا گیا۔

دین و مذہب کے ساتھ ساتھ سیاست سے مجھے چونکہ بڑی دلچسپی تھی، اس لئے ۳۵ء ہی میں مسلم لیگ میں شامل ہوگیا تھا۔ علامہ محمد سبطین کے حکم سے میں نے انگریزی پڑھنا بھی شروع کی اور انگریزی کا صرف زبان میں امتحان دینے کے لئے پنجاب یونیورسٹی سے پہلے مولوی فاضل کا امتحان دیا اور پھر میٹرک کا۔ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے تقریروں میں، میں اتنا مصروف ہوگیا کہ اب دوسرے کام کے لئے وقت نکالنا مشکل ہوگیا۔ ملک کا شاید ہی کوئی گوشہ ہو کہ جہاں میں نے مسلم لیگ کے لئے تقریریں نہ کی ہوں۔ مسلم لیگ ہی کی وجہ سے مجھے لدھیانہ چھوڑنا پڑا اور مولوی عزیز احمد خان نے مجھے بریلی میں قیام پر آمادہ کرلیا اور ۴۶ء تک وہیں رہا۔ تشکیل پاکستان کی مساعی میں، میں نے امکانی حصہ لیا۔ پنڈت جواہر لال نہرو کی سوانح عمری کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے افکار و خیالات پر تنقید کی اور اس سلسلہ میں "پنڈت جواہر لال نہرو کا مذہب" نامی کتاب لکھی جو جناب راجہ امیر احمد خان صاحب آف محمود آباد مرحوم نے نظامی پریس لکھنؤ سے شائع کی۔

شیعہ علماء میں سیاست کو اس زمانے میں شجر ممنوعہ سمجھا جاتا تھا، لیکن میں اور علامہ سید ابن حسن

صاحب رضوی جارچوی مرحوم عملی سیاست میں شامل و داخل رہے۔ سیاسی امور میں دلچسپی اور انہماک میں شدت۔۔۔۔ علامہ سید محمد سبطین اعلی اللہ مقامہ کی تشویق اور رہنمائی سے پیدا ہوئی۔ وہ مرحوم گورنمنٹ ملازم یعنی گورنمنٹ کالج لدھیانہ کے عربی و فارسی ڈپارٹمنٹ کے ہیڈ تھے۔ اس لئے عملی سیاست میں حصہ نہیں لے سکتے تھے، لیکن سیاسی مسائل پر ان کی بڑی گہری نظر تھی اور وہ پاکستان کے قیام کی مساعی کو ضروری اور لازمی جانتے تھے۔ میں چونکہ آزاد تھا اس لئے مجھے مسلم لیگ میں کھل کر حصہ لینے کی ہدایت فرمایا کرتے تھے۔ خدا سلامت رکھے جناب آیۃ اللہ روح اللہ خمینی مدظلہ کو۔۔ کہ ان کی وجہ سے شیعہ علماء بھی سیاست میں حصہ لینے کو مباح سمجھنے لگے ہیں۔۔۔۔!!!

جہاں تک میرا تعلق ہے۔۔۔ میں عنفوان شباب ہی سے سیاست کو جزو دین اور عین دین سمجھتا رہا ہوں۔ تشکیل پاکستان میں میری خدمات نا قابل انکار ہیں، لیکن میں پچھلی صفوں میں صرف اس لئے پڑا رہا کہ میرے پاس جائیداد، جاگیر اور دولت کی ریل پیل نہ تھی۔ پاکستان میں تو صرف وہ لوگ آگے بڑھ سکتے ہیں جن کے پاس دولت ہو اور اپنی پارٹی بنانے کی صلاحیت سے بھی بہرہ ور ہوں۔ میں خاندانی طور پر بھی اور علامہ محمد سبطین کی نزدیکی کے اثر سے بھی حق اور کھری بات کہنے میں بڑا بے باک ہوں، جس کے نتیجے میں میرے اچھے خاصے دوست بھی مجھے چھوڑ جاتے ہیں۔۔۔۔۔!!! اجنبی اور تازہ واردوں کا کیا ذکر ہے۔۔۔! پاکستان میں آنے کے بعد بھی میں مسلم لیگ سے ہی وابستہ رہا ہوں اور آج تک ذہنی طور پر مسلم لیگ میں ہی ہوں۔ بھٹو صاحب کے سوشلزم کی بھی میں نے کھل کر مخالفت کی تھی۔ فرقہ پرستی سے میں سخت بیزار ہوں، کسی ایسی تحریک اور جماعت میں حصہ نہیں لے سکتا جس سے فرقہ پرستی کے جذبات اُبھرتے ہوں۔ میرا نظریہ یہ ہے کہ اگر مسلمان محفوظ رہے گا تو شیعہ سنی دونوں محفوظ رہیں گے۔۔۔! اسی طرح پاکستان کے تعلق میں، میرا عقیدہ یہ ہے کہ اگر پاکستان مستحکم ہوگا تو بلوچستان، سندھ، سرحد اور پنجاب بھی محفوظ رہیں گے۔ اس لئے اسلام اور پاکستان کو جن اقدامات اور تحریکوں سے خراش اور زخم کا خطرہ ہو، میں اُن کی تائید اور حمایت حرام جانتا ہوں۔

"جامعہ امامیہ کراچی" کی تشکیل میں، میں نے مقدور بھر حصہ لیا ہے۔ سلطان المدارس خیر پور کی تاسیس میں بھی میرا ابھرپور حصہ ہے۔ میں نے اس کی تاسیس کا اعلان کرتے ہوئے "دس ہزار روپے" نقد اور اپنا رہائشی مکان پیش کر دیا تھا۔ سلطان المدارس آج بھی اسی بلڈنگ میں ہے۔ یہ خیر پور کی سب سے بڑی عمارت تھی جو مجھے الاٹ ہوئی تھی، چونکہ میں مدرسہ کی تاسیس کا محرک تھا اور مدرسہ کی عمارت کی تعمیر کے انتظار میں مدرسہ کا تصور ہی ختم ہو جانے کا خطرہ تھا، اس لئے میں نے اپنا مکان پیش کر دیا۔ اب میرے پاس خیر پور میں ایک کچا مکان ہے اور پاکستان کے کسی گوشے میں کوئی پلاٹ یا مکان وغیرہ نہیں ہے۔ بھٹو گردی کے نتیجے میں مجھے لاہور آنا پڑا اور نواب مظفر علی خان صاحب مرحوم کو آمادہ کیا کہ وہ مدرسۃ الواعظین قائم کریں۔ مرحوم نے بڑی فراخ حوصلگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مظفر المدارس مدرسۃ الواعظین کا قیام منظور کر لیا اور اس کے

ساتھ ہی ایک کتب خانے کا بندوبست بھی کردیا گیا۔ (یہ ذکر بے جانہ ہوگا کہ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کے کتب خانے کا اکثر و بیشتر حصہ میرے والد علام اعلی اللہ مقامہ کا ہی مہیا کیا ہوا ہے)۔

۱۷؍ اپریل ۱۹۷۲ء بروز چہارشنبہ مظفر المدارس مدرسۃ الواعظین کی ابتدا ہوگئی۔ اس مدرسہ میں علامہ مرزا یوسف حسین صاحب پرنسپل ہیں اور مولانا سید محمد عارف صاحب نقوی، مولانا سید مرتضیٰ حسین صاحب لکھنوی اور یہ ہیچ مداں مدرس ہیں۔ قائد ملت جعفریہ خطیب اعظم مولانا سید محمد دہلوی نے مجلس عمل شیعہ علمائے پاکستان کی تشکیل فرمائی۔ اس تعلق میں، میں نے قائد ملت کی ہر امکانی مدد کی۔ پھر عوام سے مربوط ہونے کے لئے مطالبات کمیٹی کا قیام ضروری سمجھا گیا۔ قائد ملت جعفریہ اعلی اللہ مقامہ کو اس سلسلے میں ہر طرح کی ذہنی مدد دیتا رہا۔ قائد ملت کی وفات حسرت آیات کے کچھ عرصہ بعد مطالبات کمیٹی مجلس عمل سے الگ ہوگئی۔ جسٹس سید جمیل حسین صاحب رضوی مرحوم اس کے صدر رہے۔ مجلس عمل کے سربراہ قائد ملت مرحوم کی ہدایت کے مطابق علامہ مرزا یوسف حسین صاحب قرار پائے۔ میں مجلس عمل شیعہ علمائے پاکستان کا جنرل سیکریٹری ہوں اور اس تنظیم کے سہارے ملت جعفریہ کی کچھ نہ کچھ خدمت کرتا رہتا ہوں۔ سابقہ حکومت (ذوالفقار علی بھٹو) کے دور میں شیعہ زعماء نے نصاب دینیات کی تدوین کے لئے میرا نام بھی دیا تھا، اور میں ''تیسری'' سے لے کر ''دسویں'' تک دینیات کی کتب کی ترتیب و تدوین میں شریک رہا ہوں۔ جنرل ضیاء الحق صاحب صدر مملکت نے اقتدار میں آنے کے بعد موصوف کے حکم سے نواب زادہ افتخار احمد انصاری سابق وزیر امور مذہبی حکومت پاکستان نے نیشنل کمیٹی برائے دینی مدارس کا اہتمام کیا۔ میں نے اس کمیٹی کے ممبر کی حیثیت سے تنہا اپنے فرائض کی ادائیگی میں دشواریاں محسوس کیں، تو پہلی ہی نشست میں مولانا سید صفدر حسین صاحب پرنسپل جامعۃ المنتظر لاہور کو نامزد کرالیا۔ موصوف نے اس کمیٹی میں قابل مدح خدمات انجام دیں۔ آج کل میں مرکزی ''رویت ہلال کمیٹی'' اور پنجاب زکوٰۃ کونسل وغیرہ کا ممبر ہوں اور اس حیثیت میں پاکستان کی خدمت انجام دے رہا ہوں۔ مضامین تو میں نے سینکڑوں لکھے ہیں، لیکن کتابوں کی تالیف و تصنیف کی طرف توجہ نہ کرسکا۔ کچھ عرصہ سے تحریر کتب کی طرف متوجہ ہوا ہوں۔ ''اسلامی قانون سزا'' نامی ایک کتاب زیر تالیف ہے۔ اس کا بہت سا حصہ ''المنتظر'' لاہور میں بالاقساط شائع ہو چکا ہے۔

اللہ نے مجھے دو بیٹے عطا فرمائے ہیں۔ مولانا نذر الحسنین محمدی اور مولانا فخر الحسنین محمدی۔ بحمد اللہ دونوں عالم دین ہیں۔ مولانا نذر الحسنین سلمہٗ بی۔ اے کر چکے ہیں، مولانا فخر الحسنین بی۔ اے کی تیاری کر رہے ہیں۔ لیکن یہ انگریزی خوانی برائے ملازمت نہیں ہے، برائے مطالعہ ہے۔

میں جب پنجاب میں آیا تو خالصیوں اور شیخیوں کا نزاع عروج پر تھا۔۔۔۔ منابر و اخبارات میں خوب ایک دوسرے کے خلاف لے دے ہو رہی تھی، میں نے کوشش اور اپنے اثرات استعمال کر کے جھنگ میں دونوں گروہوں میں صلح کرادی۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب مرحوم اور مولانا محمد حسین صاحب ڈھکو از رہ نوازش اپنے رفقاء کے ساتھ شریک جلسہ ہوئے تھے اور یہ طے ہوگیا تھا کہ منبر اور اخبارات میں ایک

دوسرے کے خلاف تنقید نہیں کی جائے گی۔ میں بڑے افسوس کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ مولانا محمد بشیر انصاری نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور اخبارات میں بیان بازی شروع کر دی۔ مولانا محمد حسین ڈھکو اور مولانا سید صادق علی شاہ صاحب نے مجھے متوجہ کیا، میں نے مولانا محمد بشیر انصاری کو تحریراً توجہ دلائی تو وہ معذرت کے لئے تیار نہ ہوئے اور خود میرے خلاف محاذ قائم کر لیا۔ مولانا محمد حسین ڈھکو اور علامہ سرفراز یوسف حسین صاحب آج تک اس معاہدے کے پابند ہیں۔ خدا ان کو جزائے خیر دے

الحاج مولانا محمد شبیہ الحسنین محمدی اعلیٰ اللہ مقامہ کی زندگی کے کچھ دوسرے پہلو اور زاویوں کا مختصر جائزہ

بہ طور ہومیو ڈاکٹر:

مولانا موصوف ہومیو پیتھی طریق علاج کو بہت پسند فرماتے تھے اور اس سلسلے میں انہوں نے ڈاکٹر پیارے لال اور کاشی رام جیسے ہومیو پیتھی کے نامور ڈاکٹروں سے استفادہ کیا۔

بہ طور پیشہ ور ہومیو ڈاکٹر آپ نے قیام پاکستان سے قبل اپنے بریلی قیام کے دور میں باقاعدہ مطب کیا۔ اہالیان بریلی مولانا کو "ڈاکٹر شبیہ الحسنین" کے نام سے ہی پہچانتے تھے!

بریلی کے بعد آپ نے باقاعدہ پریکٹس تو نہ کی مگر کوئٹہ کے قیام کے دوران بھی آپ نے بہت سے لاعلاج یا خطرناک مریضوں کا شافی علاج کیا اور......!

قیام پاکستان کے بعد: خیرپور شہر میں اور اپنی زرعی زمین واقع پیر کیہر اعجاز نگر میں ہزاروں مریضوں کا مفت علاج کیا اور اس سلسلے میں انہوں نے بھی کسی سے کوئی پائی پیسہ وصول نہیں کیا! ہومیو پیتھک معالج کے طور پر آپ کو مورخہ ۲۹/اپریل ۱۹۶۷ء کو حکومت پاکستان کی جانب سے سند عطا کی گئی!

قیام پاکستان کے بعد:

ریاست خیرپور کے دور میں "صحافتی خدمات، مہاجرین کے آبادکاری" اور ریاست کی معاشی و صنعتی ترقی کے لئے اُن کا مثبت کردار!

اس سلسلے میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "تاریخ خیرپور" (مصنف: (مولانا) نسیم امروہوی شائع شدہ ۱۵ مارچ ۱۹۵۸ء) میں جو کچھ تحریر ہے! عین من وعن پیش کر دیا جائے:

صفحہ ۱۲۲ پر آپ کی صحافیانہ خدمات کے سلسلے میں مولانا نسیم امروہوی رقم طراز ہیں:

"خیرپور کا پہلا اخبار: عین اس وقت جب کہ ترقی اور اصلاح کی یہ رو بڑی تیزی و سرعت کے ساتھ پوری ریاست کے دل و عرض میں دوڑ رہی تھی۔ راقم الحروف نے اس رو بہ ترقی ذہنیت کو استوار کرنے کی غرض سے ایک "ہفت روزہ" "اخبار" "مراد" کے نام سے ریاست میں جاری کر دیا۔ جس وقت یہ اخبار نکلا ہے اس وقت تک گزشتہ روز کے ایسوسی ایشن ایجی ٹیشن کی پھیلی ہوئی غلامانہ ذہنیت کے اثرات اس قدر باقی تھے کہ عوام اس اخبار کے کارکنوں کو حکومت کا مجرم سمجھ کر ان سے دور بھاگتے تھے اور کئی مہینے تک عام لوگوں کو مفت بھی "مراد" کا مطالعہ منظر عام پر کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ اگر اس موقع پر مولانا شبیہ الحسنین، سید افتخار حسین ایڈووکیٹ اور سید امیر عباس زیدی اس ادارہ کے ساتھ تعاون نہ کرتے، اور ریاست کے با اثر لوگوں میں چند مردان کار کو اس پالیسی میں شریک نہ کیا جاتا تو یہ اخبار بھی کا قوطیت آمیز ذہنیت کے ہاتھوں گمنامی اور

بے اثر کی قبر میں مدفون ہو کر رہ جاتا۔"

اور ریاست خیر پور میں ہندوستان سے آئے ہوئے تو وارد مہاجرین کی آباد کاری اور ریاست خیر پور صنعتی و معاشی ترقیاتی کاموں میں ان کی مشاورت اور سعی وکوشش!

"تاریخ خیر پور" میں صفحہ ۱۶ پر نسیم امروہوی مرحوم "معاونین مراد" کی سرخی کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں:

"معاونین مراد"

مولانا شبیہ الحسنین محمدی:

"مراد" کو ترقی دینے میں سب سے پہلی پر خلوص خدمت مولانا شبیہ الحسنین محمدی نے انجام دی اور ملکی و قومی مسائل پر پے در پے کار آمد اور ٹھوس مقالے لکھ کر اخبار کا معیار بلند کرنے میں قابل لحاظ حصہ لیا۔ نیز ان موانع کو دور کرنے میں بھی بڑی پامردی اور دلیری کے ساتھ راقم الحروف کے شریک کار رہے۔ جن کا تذکرہ "خیر پور" کا پہلا اخبار" کے عنوان کے تحت کیا جا چکا ہے۔

آپ ۱۱ مئی ۱۹۱۱ء کو سرسی ضلع مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ آبائی وطن بدایوں تھا۔ بعد تقسیم خیر پور میں آباد ہوئے اور یہاں ہر قسم کی بے سروسامانی کے باوجود مہاجرین کی آباد کاری میں غیر معمولی طور پر حصہ لیا۔ خیر پور کی شہری زندگی میں آپ کی خدمات ایک نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔ زیر نظر کتاب میں "ریاست کا عہد زریں" (صفحہ نمبر ۱۱۳) کے عنوان سے جن ترقیات و اصلاحات کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں ریاستی حکومت کی کامیابی کے لئے مولانا نے جس خلوص سے حکومت کے ساتھ تعاون کیا ہے، اسے ارتقائے خیر پور کی تاریخ میں ایک ممتاز مقام حاصل رہے گا۔

آپ عصر حاضر کے ایک سحر بیاں مقرر ہیں۔ اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں ایسی ساحرانہ تقریر کرتے ہیں کہ مجمع آپ کا دم بھرنے لگتا ہے۔ تقریر کے علاوہ تحریر پر بھی آپ کو کافی اقتدار حاصل ہے۔

مولانا علوم مشرقیہ کے فاضل ہیں اور درس نظامی کی تکمیل لکھنؤ میں ہوئی۔ تقریر اور تحریر کا جوہر آپ میں فطری طور پر موجود تھا۔ لڑکپن میں جب آپ اپنے کالج کے علمی مباحثوں میں تقریر کرتے تھے تو بسا اوقات آپ کی ترتیب خیالات کے سلیقہ پر شمس العلماء مولانا سبط حسن صاحب مرحوم اعلیٰ اللہ مقامہ کی زبان سے بے ساختہ داد نکل جاتی تھی۔ یہی وہ وصف تھا جس کی بنا پر علامہ مولوی محمد سبطین صاحب مرحوم سرسوی مقیم لدھیانہ کی نگاہ انتخاب آپ پر پڑی۔ چنانچہ موصوف اپنے علمی ماہنامہ "البرہان" کی ادارت اور کتب علمیہ کی تصنیف و تالیف میں امداد کے لئے آپ کو اپنے ہمراہ لکھنؤ سے لدھیانہ لے گئے، جہاں مولانا نے علامہ کی خدمت میں رہ کر تقریباً دس گیارہ سال حدیث، تفسیر اور کلام کا خصوصی طور پر مطالعہ کیا۔

علامہ موصوف کی ہدایت سے آپ نے سیاسیات میں حصہ لینا شروع کیا اور اپنی سیاسی سوجھ بوجھ کی بنا پر بہت جلد آل انڈیا مسلم لیگ کے رکن بنائے گئے۔ اسی زمانے میں مولوی عزیز احمد خان صاحب

ایڈوکیٹ ممبر مجلس دستور ساز متحدہ ہند سے آپ کی ملاقات ہوگئی، جو الیکشن پالیٹکس کے ماہر تھے۔ موصوف ملکی مسائل میں مولانا کی قابلیت سے بہت متاثر ہوئے اور آپ کو مشورہ دیا کہ مسلمانوں کی خدمت اور مفاد کے پیش نظر آپ کچھ عرصہ بریلی میں قیام کریں۔ جہاں مسلمان تو کافی تعداد میں تھے مگر انہیں تنظیم کی ضرورت تھی۔ چنانچہ آپ مولوی عزیز احمد خان صاحب کی دعوت پر بریلی چلے گئے اور وہاں مولوی صاحب کی مدد سے سیاست حاضرہ کے مسائل پر غور کرنے کا کافی موقع ملا۔ اس کے بعد آپ نے قائد اعظم، مولانا حسرت موہانی، مولانا شبیر احمد عثمانی، نواب زادہ لیاقت علی خان اور نواب محمد اسماعیل خان وغیرہ کے ساتھ تاسیس پاکستان کی سیاسی جدوجہد میں کام کر کے ان حضرات کی نگاہوں میں کافی اعتبار و اعتماد پیدا کر لیا۔

آپ کے اخلاق شخصی میں سب سے نمایاں وصف "حق گوئی کی جرأت" ہے جو آپ میں تا بحدِ دیوانگی پائی جاتی ہے۔ اور اپنی چہل سالہ زندگی میں اکثر اس وصف کی بنا پر آپ کو سخت مشکلات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ مگر آپ اس خصوصیت میں متنبّی کے اس شعر کا مصداق بن کر رہ گئے ہیں:

عَجِبَ الْوُشَاۃُ مِنَ اللُّحَاۃِ وَقَوْلِهِمْ　　دَعْ مَا نَرَاكَ ضَعُفْتَ عَنْ اِخْفَائِهِ

آپ کا شجرۂ نسب ثالث حسنین حضرت محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔ آپ کے اجداد ہر عرصہ میں مسندِ علوم کے وارث رہے ہیں اور ہر پشت میں آپ کا خاندان ایک نہ ایک عالم کے وجود سے مرجع خلائق رہتا چلا آیا ہے۔ آپ کے والد بزرگوار سند العلماء، مولانا محمد اعجاز حسن بدایونی ایک سو سے زیادہ کتب علمیہ کے مصنف تھے اور علوم مناظرہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔

مولانا محمدی صاحب ۔۔۔ بحیثیت سیاست دان!

مولانا محمدی کے سیاسی سفر سے متعلق خود آپ ہی کے ارشادات انہی کے تصنیف کردہ کتاب "پنڈت جواہر لال نہرو کا مذہب" سے نقل کر دینا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ یہ تبصرہ صفحہ نمبر ۳ پر موجود ہے اور ۷ فروری ۱۹۸۳ تک کا ہے!

نوٹ: صوبہ سندھ میں جناب سید غوث علی شاہ صاحب بالقابہ کے وزیر اعلیٰ منتخب ہو جانے کے بعد مولانا شبیہ الحسنین محمدی کی سیاسی و سماجی خدمات ایک مستقل باب کی تحریر چاہتی ہیں، جس پر آئندہ جلد ہی تفصیلی سوانح حیات کی اشاعت میں تبصرہ ممکن ہو گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

"اور اس ذیل میں چند جملے اپنے سیاسی سفر کے متعلق"

(ماخوذ از کتاب "پنڈت جواہر لال نہرو کا مذہب" صفحہ ۳)

مسلم لیگ ۱۹۰۶ء میں وجود پذیر ہوئی، لیکن ۱۹۳۷ء سے اس کا کردار عوامی ہونا شروع ہو گیا تھا اور یہ عام مسلمانوں کے دل و دماغ میں جگہ پانے لگی تھی۔

علامہ محمد اقبال کی زیر صدارت اجلاس الہ آباد نے عام مسلمانوں کو مسلم لیگ کی طرف متوجہ

کردیا۔ یہ علامہ مرحوم کی محبوبیت اور عظمت کا ردِ عمل تھا، مسلمانوں نے یہ محسوس کیا کہ اگر مسلم لیگ مسلمانوں کے لئے اہم اور مفید جماعت نہ ہوتی تو وہ اس کی صدارت نہ فرماتے۔

۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ کا شباب شروع ہوا اور اجلاس لکھنؤ اکتوبر ۱۹۳۷ء (اس جلسے کے ہر طرح کے اخراجات راجہ صاحب نے برداشت کئے تھے اور تمام شرکاء راجہ صاحب محمود آباد کے ذاتی مہمان تھے اور جب تک کوئی شخص لکھنؤ میں رہا راجہ صاحب کی فیاضانہ میزبانی سے لطف اندوز ہوتا رہا) میں مسلم لیگ کی محبت ہر کرومہ کے دل میں پیدا ہونے لگی۔ صرف وہ مسلمان برسر عناد یا کھنچے رہے جو متحدہ قومیت کے نشے میں چور یا کانگریس سے بوجوہ وابستہ تھے۔ میں ۱۹۳۵ء میں مسلم لیگ میں شامل ہوا اور مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے تقریروں کا سلسلہ شروع کر دیا، ہندوستان کے شیعہ علماء معلوم نہیں کیوں عملی سیاست سے دور رہتے تھے، تاہم اپنی پسندیدہ جماعت کے حق میں اظہار رائے میں بھی تکلف نہیں کیا کرتے تھے، (آج کل حضرت آیۃ اللہ خمینی مدظلہ سے متاثر ہو کر شیعہ علماء میدان سیاست میں کود پڑے ہیں۔ لیکن اکثر و بیشتر تقلیدی کردار کے ساتھ) اس رسم کہن کے خلاف علامہ سید ابن حسن صاحب جارچوی نے مجھ سے بہت پہلے عملی سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا، میں ۱۹۴۳ء میں رسمی تعلیم سے فارغ ہو کر لکھنؤ سے لدھیانہ آچکا تھا۔ تاکہ علامہ سید محمد سبطین صاحب سے تفسیر و حدیث اور علوم عقلیہ میں خصوصی استفادہ کروں۔ علامہ سید محمد سبطین صاحب سرسوی اعلی اللہ مقامہ گورنمنٹ کالج لدھیانہ میں عربی فارسی شعبہ کے سربراہ تھے، اور حکومتی ملازمت کے باوجود کانگریس سے انتہائی بیزار اور مسلم لیگ سے بے حد انس رکھتے تھے۔ میں ان کی صحبت اور تربیت کے نتیجے میں اور ایک حد تک ان کی خواہش کے مطابق شیعہ علماء کے روایات کے خلاف عمل سیاست میں داخل ہو گیا۔ علامہ سید محمد سبطین صاحب مرحوم اگر آزاد ہوتے تو یقیناً عملی سیاست میں حصہ لیتے۔ تاہم انہوں نے اس تعلق میں اپنے رسالہ "البرہان" میں بڑے مفید اور قیمتی مضامین لکھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ علامہ سید محمد سبطین صاحب مرحوم کا سیاست سے یہ شغف سرکار علامہ شیخ عبد العلی ہروی تہرانی کی صحبت کا فیضان تھا۔ علامہ ہروی قاچاری دور میں ایران کے وزیر خارجہ تھے۔ انگریزوں سے اختلاف کے نتیجے میں جلاوطن کر دیئے گئے۔ عراق، ترکی، مصر وغیرہ میں کچھ عرصہ گزار کر ہندوستان آگئے، اور لاہور میں اقامت پذیر ہو گئے۔ نواب مظفر علی خان قزلباش مرحوم کا خاندان ان کا میزبان تھا۔ خاص طور پر نواب محمد علی خان مرحوم قزلباش، علامہ ہروی مرحوم علوم متداول کا بحر ذخار تھے۔ لاہور کے اہل علم ان کے ارد گرد جمع رہتے تھے اور قرآن و سنت کے بعض مسائل اور معاملات کے تعلق میں استفادہ کرتے رہتے تھے۔ حکیم شجاع الدین اور علامہ محمد اقبال مرحوم وغیرہ ایسے صاحبان علم و فضل بھی سرکار شیخ کے فیوض و برکات سے متمتع ہوتے رہتے تھے۔ نجی ملاقاتوں کے علاوہ علامہ اقبال سرکار شیخ علامہ ہروی کے تقریباً ہر تقریر میں پہنچنے اور سننے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

میں مقرر کی حیثیت سے جہاں بھی گیا، پسند کیا گیا اور مسلم لیگ میں اس وقت کے بزرگوں اور

نمایاں کارکنوں کی خاصی تعداد سے میرے تعلقات کم وبیش استوار ہوتے چلے گئے۔ نواب زادہ لیاقت علی خان، سردار عبدالرب نشتر، راجہ غضنفر علی خان، سید حسین شہید سہروردی، نواب محمد اسماعیل خان میرٹھ، نواب صدیق علی خان، راجہ محمد امیر احمد خان آف محمود آباد، راجہ سید محمد مہدی صاحب پیر پور، راجہ سید احمد صاحب سلیم پور، سید ذاکر علی صاحب آگرہ، راجہ سید اقبال مہدی نہٹور، مولانا شوکت علی خان صاحب (مولانا محمد علی جوہر کے بڑے بھائی)، نواب نوازش علی خان صاحب قزلباش، راجہ اعزاز رسول سندیلہ، چودھری خلیق الزمان لکھنؤ، سید ظہیر الحسنین لاری گورکھ پور، مولوی محمد اکرام عالم ایڈوکیٹ بدایوں، سید علی جان سرسی، کرنل سید عابد حسین جھنگ، علامہ سید ابن حسن صاحب رضوی جارچوی، سید بشیر احمد رضوی ایڈوکیٹ اناؤ، سید کلب مصطفی ایڈوکیٹ رائے بریلی (ان دونوں کی رفاقت میں حسین بھائی لالجی کو لکھنؤ سے بے نیل مرام بمبئی جانے پر مجبور کر دیا، جب کہ وہ قائد اعظم مرحوم کے مقابلہ میں نامزدگی کر کے لکھنؤ کے شیعہ زعماء اور علماء کی تائید حاصل کرنے آئے تھے۔ سید علی ظہیر اور خان بہادر مولوی کلب عباس نے کانگریس کے اشارے پر بڑا زور لگایا۔ مگر ہم نے ان حضرات کو شکست فاش دی۔ سید معز حسین نقوی ایڈوکیٹ امروہوی کراچی۔ نوابزادہ ولایت علی خان لاہور، سید اطہر یوسف ایڈوکیٹ حیدر آباد (عزیزی سید احمد یوسف ایڈوکیٹ وزیر اطلاعات وصحت صوبہ سندھ وچیئرمین حیدر آباد میونسپل کارپوریشن کے والد ماجد) شیخ صادق حسن امرتسر، شیخ مسعود صادق لاہور، سید علی کوثر لیاقت آباد کراچی، اللہ بخش چغتائی ضلع ڈیرہ اسماعیل خاں، سید شاہ سید میاں پاراچنار، مولانا نجم الحسن کراروی پشاور، مولانا محمد بشیر انصاری ٹیکسلا راولپنڈی، صوفی عبدالمجید روہتک، مولوی سید ابو طاہر ایڈوکیٹ، مولوی عزیز احمد خاں وکیل وغیرہ سے خاصی راہ ورسم پیدا ہوگئی۔ میں نے ان میں سے کئی بزرگوں سے بہت کچھ حاصل کیا۔

مولانا شوکت علی مرحوم کے زیر ہدایت کئی انتخابات میں حصہ لیا۔ مولوی عزیز احمد خان ایڈوکیٹ بریلی میری تقریریں سن کر مجھ سے اتنے مانوس ہوگئے کہ مجھے بریلی کے قیام پر مجبور کر دیا۔ مولوی عزیز احمد خان انتخابی سیاست کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ مرحوم سے میں نے انتخابی میدانوں کے پیچ وخم میں خاصا استفادہ کیا۔ قائد اعظم محمد علی جناح سے میرا کمانڈر اور سپاہی کا تعلق تھا۔ قبل از تشکیل پاکستان میں نے ان کو کئی بار نزدیک سے دیکھا مگر سلام کے علاوہ کوئی بات کرنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ یہ سعادت اور عزت مجھے تشکیل پاکستان کے بعد ہی حاصل ہوئی اور میں نے قائد اعظم محمد علی جناح سے کچھ امور پر گفتگو اور بعض مسائل کو سمجھنے کا شرف حاصل کیا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی جب بتوفیق الٰہی مسلم لیگ کی حمایت پر کمربستہ ہوئے تو ان سے بھی میرے وسیع تعلقات قائم ہوگئے۔ مولانا حسرت موہانی اور مولانا ظفر علی خان کا تو میں عاشق تھا اور وہ مجھ پر غیر معمولی نوازش فرماتے تھے۔ بہت سے جلسوں میں دونوں بزرگوں کا ساتھ رہا۔ افسوس ہے کہ سب لوگ اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ خان عبدالقیوم خان سے میرے تعلقات ۱۹۳۶ء سے شروع ہوئے اور ان کی وفات تک قائم رہے۔ لیکن میں ان کی مسلم لیگ میں شامل ہونے کے لئے تیار نہ ہو سکا کہ تقسیم جماعت کا

عمل نہ مجھے کل پسند تھا اور نہ آج پسند ہے۔ اس طرز کار سے جماعت کے وقار کو غیر معمولی دھچکا لگتا ہے، جو لوگ بفضل خدا حیات ہیں اُن میں سے مولانا جمال میاں فرنگی محلی کراچی، محترم محمد یوسف خان خٹک بیرسٹر پشاور، خواجہ محمد صفدر ایڈوکیٹ سیالکوٹ (فی الحال چیئرمین مجلس شوریٰ) سید مرید حسین شاہ صاحب سابق ایم این اے سیالکوٹ، سردار سید غلام عباس شاہ رجوعہ سادات ضلع جھنگ، مولانا محمد اسماعیل ذبیح صاحب کانپوری کراچی، عبدالوحید خان صاحب سابق وزیر اطلاعات لاہور، مہاراج کمار محمد امیر حیدر خان محمود آباد لکھنؤ، علامہ مرزا یوسف حسین لاہور، مولانا بادشاہ حسین پاراچنار، مولانا قاضی جواد حسین صاحب ہنگو، نواب نصر اللہ خان یاسین کرم، سید محمد حامد زیدی صاحب پشاور، سید حسن میاں ایڈوکیٹ مظفر نگری سکھر، سید اخلاق الحسن زیدی انبالوی جھنگ، منگھیانہ مہر محمد عارف رجبانہ ضلع جھنگ، مفتی محمد اطہر نعیمی کراچی وغیرہ۔ خدا ان سب کو تادیر سلامت رکھے۔ یہ سب تشکیل پاکستان کے سلسلہ میں میری خدمات سے کم وبیش آگاہ ہیں۔ جنرل محمد موسیٰ خان صاحب اگرچہ فوج میں ملازم تھے۔ تاہم میرا ان کا تعلق اور واسطہ ۱۹۳۰ء سے شروع ہوتا ہے اور بلوچستان کی حد تک مسلم لیگ اور تشکیل پاکستان سے متعلق میری خدمات سے آگاہی رکھتے ہیں۔ اُن کے چھوٹے بھائی سردار محمد اسحاق خان مرحوم تو جنگ تشکیل پاکستان کے بڑے پُر جوش مجاہد تھے۔ طالب علمی کے دور اور سرکاری ملازمت میں ہونے کے باوجود تحریک پاکستان کو ہر رنگ میں آگے بڑھانے کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ بیرون بلوچستان سے آنے والے مسلم لیگی لیڈروں کی خصوصی ضیافت کا انتظام انہی کے والد سردار یزدان خان کے مکان پر ہوا کرتا تھا۔ آج کل میں یہ دیکھ کر بڑا حیران ہوتا ہوں کہ بہت سے کانگریسی اور مسلم لیگ کی مخالف دیگر جماعتوں کے ارکان اور ممبر جنگ تشکیل پاکستان کے مجاہد ظاہر کئے جارہے ہیں اور تاریخ تشکیل پاکستان کو مسخ کرنے کی یہ کوشش مسلسل جاری ہے۔ بہتر ہوگا اگر میں یہ عرض کروں کہ جماعت اسلامی، جمعیت علمائے ہند، انصار کانفرنس، مسلم مجلس احرار اسلام اور آل انڈیا یا شیعہ پولیٹیکل کانفرنس لکھنؤ کے وابستگان میں سے کوئی شخص بھی قیام پاکستان کا حامی اور حمایتی نہیں تھا۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ میں نے یا کسی بھی مسلم لیگ کے ممبر نے تحریک پاکستان میں شیعہ سنی، دیوبندی، بریلوی، پنجابی، بنگالی، یا اردو پشتو بولنے والے کی حیثیت سے حصہ نہیں لیا تھا۔ ہم سب نے صرف اور صرف مسلمان کی حیثیت سے تشکیل پاکستان کی جنگ لڑی تھی، اس سلسلہ میں علامہ شبیر احمد عثمانی مرحوم کے ارشادات عالیہ دہرانے کی عزت حاصل کر رہا ہوں۔

خان بہادر سید محمد زکی تعلقدار نے سرائے میر ضلع اعظم گڑھ میں مسلم لیگ کانفرنس کے انعقاد کا اہتمام کیا۔ علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نے اس کی صدارت فرمائی تھی۔ مفتی فخر الاسلام صاحب ایڈوکیٹ جون پور، مولانا جمال میاں فرنگی محلی، مولانا حسرت موہانی اور یہ ناچیز اس کانفرنس کے خصوصی مقرر تھے۔ اعظم گڑھ، جون پور، بنارس، غازی پور، بلیا، الہ آباد، فیض آباد، پرتاب گڑھ، رائے بریلی وغیرہ کے مسلمان بڑی کثیر تعداد میں اس میں شریک ہوئے تھے۔ کانفرنس کی کارروائی بڑے پُرسکون ماحول میں جاری تھی۔ مفتی

فخر الاسلام کی تقریر ابھی ختم ہوئی تھی کہ دارالمصنفین اعظم گڑھ کے ایک عالم نے صدر کانفرنس علامہ شبیر احمد عثمانی سے سوال کرنے کی اجازت چاہی۔ علامہ صاحب نے بڑی فراخ دلی سے اجازت دے دی۔ مذکورہ بزرگ نے فرمایا کہ آپ کے قائد اعظم محمد علی جناح شیعہ ہیں اور داڑھی منڈے بھی آپ ان کی قیادت کو کیسے تسلیم کئے ہوئے ہیں۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے نہایت نرمی سے جواب عطا کرتے ہوئے فرمایا: عزیز م! قائد اعظم محمد علی جناح کو قوم نے نکاح اور نماز جنازہ پڑھانے کے لئے نہیں چنا ہے، بلکہ قرآن وسنت کے مطابق آزادانہ زندگی گزارنے کے لئے ایک مملکت کی تاسیس کے واسطے منتخب کیا ہے۔ قائد اعظم کی لیڈر شپ شیعہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ مسلمان کی حیثیت سے قبول کی گئی ہے اور جتنے لوگ یہاں موجود ہیں وہ شیعہ سنی، دیوبندی، فرنگی محلی کی حیثیت سے اس تحریک میں شریک نہیں ہیں بلکہ مسلمان کی حیثیت سے شریک ہیں اور ہم سب پہلے مسلمان ہیں۔ بعد میں شیعہ یا سنی، بریلوی یا دیوبندی۔ جواب کافی اور شافی تھا اور سائل نے اپنی تنی ہوئی گردن جھکالی تھی۔ اس مرحلہ پر میں نے علامہ عثمانی سے درخواست کی کہ فاضل معترض کے جواب میں مجھے بھی دو جملے کہنے کی اجازت دے دی جائے اور بعد از اجازت میں نے عرض کیا حاضرین! سائل کا جواب تو مسکت ہو چکا ہے لیکن میں آپ کے تفنن طبع کے لئے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ان بزرگوار سے یہ پوچھئے کہ قائد اعظم محمد علی جناح کا تشیع تو آپ کو بڑا گراں گزر رہا ہے، حالانکہ وہ مسلمان کی حیثیت سے ہمارے لیڈر ہیں، تاہم مسٹر گاندھی، جواہر لال نہرو اور مسٹر راجندر پرشاد وغیرہ کی سنیت کا آپ نے تعین تو حاصل کرلیا ہوگا۔ تبھی تو آپ ان کی لیڈری دل وجان سے تسلیم کرتے ہیں اور آپ کو ان کی داڑھی بھی نظر آ گئی ہوگی۔ واقعی آپ کی نظر ٹھیک ہی کام کر رہی ہے تاہم داڑھی ان کے چہروں پر تو نہیں، سر پر چٹیا کی شکل میں لگی ہوئی ہے۔ میرے اس طرز خطاب پر جلسہ زعفران زار بن گیا اور مجمع ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہو گیا اور میں اپنی کرسی پر واپس جا بیٹھا۔ حضرت مولانا جمال میاں بحمد اللہ ابھی حیات ہیں وہ اس واقعہ کے شاہد عادل ہیں۔ خدا ان کو تادیر سلامت رکھے۔

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان صرف مسلمان نے بنایا تھا۔ اگر ہم فرقوں کو اولیت دیتے تو پاکستان وجود میں نہیں آسکتا تھا۔ پاکستان کے استحکام کے لئے بھی مسلمان کی حیثیت سے ہی ہمیں اپنی توانائیاں صرف کرنا ہوں گی۔ پاکستان میں فرقے، نسل، صوبے اور زبان کا مسئلہ کھڑا کرنے والے یا تو وہ لوگ ہیں جو خود اور ان کے خانوادے پاکستان کی تشکیل کے سخت مخالف تھے اور اب تک ان کے حلق کے نیچے پاکستان نہیں اُترا ہے، یا وہ حضرات ہیں، جنہوں نے تشکیل پاکستان کی مساعی میں کوئی حصہ نہیں لیا، اور اپنی اغراض فاسدہ کی تکمیل کے لئے صوبائی اور فرقہ وارانہ نعرے لگاتے رہتے ہیں۔ یہ طے شدہ ہے کہ نااہل اور خود غرض لوگ قوم اور ملک گیر تحریکوں میں حصہ نہیں لے سکتے، ان میں صلاحیت ہی نہیں ہوتی کہ وہ پوری قوم کو مخاطب کرسکیں۔ اس لئے اپنی نااہلی کو چھپانے کے لئے صوبہ پرستی یا فرقہ پرستی کی نقاب اوڑھنے پر مجبور ہوتے ہیں اور آج کل تو فرقہ پرست اور صوبہ پرست اس حد تک دین وایمان سے برگشتہ ہو چکے ہیں کہ وہ علی الاعلان

کہتے ہیں کہ وہ شیعہ یا سنی سندھی یا بلوچی پہلے ہیں اور مسلمان بعد میں۔۔۔!! ظاہر ہے کہ یہ فکر و عمل کفر محض ہونے کے علاوہ پاکستان کے حال اور مستقبل کے ساتھ ایک انتہائی مکروہ اور خطرناک مذاق بھی ہے۔

میرے نزدیک سیاسی جماعتوں کی کثرت بھی نااہلی کا شاخسانہ ہے۔ جو لوگ قومی مرتبہ کی قد آور شخصیتوں کے مقابلے میں اپنی سیاسی کوتاہ قامتی محسوس کرتے ہیں تو فوراً ایک نئی جماعت بنا کر صدر اور سیکریٹری بن بیٹھتے ہیں اور قوم کو انتشار اور افتراق کے حوالے کر دیتے ہیں۔ خدا ہمیں ہر انتشار اور افتراق سے محفوظ رکھے۔ پاکستاب کے جغرافیائی محل و وقوع کے پیش نظر ہمارا فرض ہے کہ تشکیل پاکستان کے جذبے کو بیدار کریں اور صرف مسلمان کی حیثیت سے اپنے فکر و عمل کے قافلوں کو آگے بڑھائیں اور تشکیل پاکستان سے بھی زیادہ استحکام پاکستان کے لئے ہمیں اتحاد اور اتفاق کی ضرورت ہے۔ مسلم لیگ ان مقاصد کی تکمیل کا بہترین اور آزمودہ ذریعہ اور وسیلہ ہے اور اس کی صدارت کے لئے محترم جناب سید سکندر علی شاہ صاحب پیر پگارا مفید ترین اور موزوں ترین ہستی ہیں۔ وہ حالات کے لگائے ہوئے زخموں کو چاٹ چاٹ کے روتے نہیں بلکہ طنز و مزاح کے سہارے ان کی کسک اور چبک کو بے اثر کر دیتے ہیں۔

شبیہ الحسنین محمدی

۲۷ فروری ۱۹۸۳ء لاہور۔

مولانا محمدی ــ بحیثیت ادیب!

اس سلسلے میں فی الوقت کینا ڈا کے اردو مجلّے کا ایک عکس شامل کتاب کر رہے ہیں (جب کہ تفصیلی تذکرہ آئندہ مستقل بالذات سوانح حیات میں کیا جائے گا)

جناب اختر آصف کا بیان ہے (حضرت شبیر حسن خان) جوش ملیح آبادی کا مولانا شبیہ الحسنین صاحب محمدی کے متعلق یہ تبصرہ کہ

"وہ مجھے ٹوک سکتے ہیں" ـــــ!

مجلّے کا عکس ملاحظہ فرمائیں


ترتیب

سرورق

نعت

غزلیں

مرتبہ: اختر آصف

مولانا محمدی۔۔۔ بحیثیت سیاسی و مذہبی مقرر و خطیب!

اس بارے میں کچھ سیاسی تقریروں کے حوالے سے مولانا کی یادیں۔۔۔ ان کی تحریروں میں خصوصاً "تاریخ خیرپور" میں نسیم امروہوی صاحب کا تبصرہ آپ کو نظر آہی جائے گا اور مجالس و مذہبی تقاریر سے متعلق ایک کتاب "مجالسِ محمدی" کے عنوان سے عنقریب اشاعت پذیر ہو رہی ہے اور بہت کچھ تفصیلی سوانح حیات میں آ رہا ہے۔

مولانا محمدی۔۔۔ بہ طور زمیندار و کاشت کار!

۱۹۶۰ء کے لگ بھگ، اخوند امام بخش فضل اللہ سابق ممبر قانون ساز اسمبلی ریاست خیرپور نے مولانا محمدی کے نام تقریباً ۹۰ ایکڑ زرعی زمین بڑے ہی عجیب انداز میں منتقل کروادی تھی: وہ اس طرح کہ اخوند امام بخش صاحب نے مولانا محمدی سے مبلغ دس ہزار روپے بہ طور قرض منگوائے اور چند ہی روز بعد مذکورہ زرعی زمین کی رجسٹری، رجسٹرار کو مولانا صاحب کے گھر پر بھجوا کر اُن کے نام منتقل کروادی۔ یہ اس لئے کرنا پڑا کہ مولانا کی خود دار شخصیت کسی کا ممنونِ کرم ہونا گوارا ہی نہ کرتی اور اخوند صاحب کو مولانا کے اقتصادی حالات کے مستقبل کا بخوبی اندازہ ہو گیا تھا۔ ون یونٹ کے نفاذ کے بعد موجودہ حکومت کی جانب سے جو مسائل ریاست خیرپور کے شرفاء کے لئے پیدا ہوئے اور ذلیلوں کو عزت ملی وہ تفصیلی تبصرے کی محتاج ہے اور مولانا محمدی کی تفصیلی سوانح میں "عدالتی مقدمات محمدی" کے عنوان سے بہ اجازت محکمہ قانون صوبہ سندھ شائع کی جائے گی!

یہ زرعی زمین دیہہ فتح پور نزد دھوپ واری گوٹھ بیر کپٹر ریلوے اسٹیشن سے تقریباً سوا میل کے فاصلے پر واقع تھی، اور اس کا نام مولانا نے "اعجاز نگر" رکھ دیا تھا۔ جب مولانا صاحب کے کپڑے، سوت اور ٹھیکہ داری سے متعلق تمام کاروبار زوال پذیر ہو گئے تو مولانا نے اس زمین کو (جو ریتی کے ٹیلوں، بھٹوں پر مشتمل اور محبت واہ کے آخر میں واقع تھی) بیلوں والے ہل اور بین وغیرہ سے آباد کرنا شروع کیا اور ۱۹۷۰ء تک ٹیوب ویل اور ٹریکٹر کے ذریعے کاشت کاری کے دور تک پہنچا دیا۔ اس زمین پر مولانا صاحب نے ہر واٹر کورس پر شیشم کے درختوں کی قلمیں اپنے ہاتھوں سے لگائیں جو تقریباً ۱۰۰۰ کی تعداد میں تناور درخت بن گئے تھے۔

امرود، کینو، فروٹر، مالٹے وغیرہ کا تقریباً پانچ ایکڑ کا باغ تیار کر دیا۔ ریاست خیرپور کی تاریخ میں مولانا وہ پہلے زمین دار تھے کہ جنہوں نے فروٹر اور مالٹے وغیرہ کا باغ لگایا۔ فصلوں میں گندم، جو، باجرہ، جوار، گوار، مانگ پھلی، گنا، کمندی فصلیں کاشت کی گئیں۔

یہ تمام کام مولانا نے لاہور جانے تک ہمیشہ خود کئے یا اپنی نگرانی میں کروائے! بعد میں مولانا

کے بڑے صاحب زادے "مولانا نذر الحسنین محمدی نے مولانا کے کاشت کاری کے نظام کو سنبھالا اور وہ بھی کاشت کار کے طور پر کامیاب رہے۔

مویشی اور جانور پالنے کے حوالے سے ایک جائزہ:

آپ نے بھیڑ بکریاں، گھوڑے، بھینس، گائیں، گدھے اور کتے بھی پالے اور مولانا صاحب کی دلچسپی کو دیکھتے ہوئے اعلیٰ حضرت سید سکندر علی شاہ مرحوم (پیر پگارا سائیں) نے آپ کو "بے پوری" نسل کی گائے تحفے میں بھجوائیں۔

شاہ جیونہ ضلع جھنگ کے مشہور زمیندار کرنل عابد حسین اور ان کے عم زاد آپ کی بہت عزت کرتے تھے۔ انہیں میں سے پیر سید نوازش حسین شاہ اور ان کے بیٹے میاں سید سلطان علی شاہ جو آپ سے بہت محبت کرتے تھے نے آپ کو "ساہی وال لیاری" نسل کی بھینس اور آسٹریلین نسل کی گائے تحفے میں "اعجاز نگر" پہنچوائیں!

کراچی سے چوہدری جنید یار خان مرحوم ریٹائرڈ ڈی ایس پی سندھ پولیس نے آپ کو برطانوی نسل کا آلیشن کتا جس کا نام Nikki تھا بھجوایا۔

خود مولانا صاحب کو گھوڑے پالنے اور گھڑ سواری کا خصوصی شوق بھی تھا۔

ہاریوں کسانوں سے آپ کا سلوک! انتہائی شفقت آمیز پدرانہ محبت بھرا ہوتا تھا۔

"اعجاز نگر" میں آپ نے اُن کے لئے رہائشی مکانات بھی بنوا کر دیئے۔ خیر پور اوپن جیل سے پے رول پر قیدیوں کو رہا کروا کے بطور بیلدار اپنی زمین پر کام کروایا اور اُن قیدیوں کی "اصلاح" ہوگئی۔

"اعجاز نگر" میں آپ ہومیو پیتھک طریق علاج سے تمام علاقے کے ہر قسم کے مریضوں کو مفت دوائیں دے کر ان کا شفا بخش علاج کردیا کرتے تھے!

"اعجاز نگر" کے آس پاس کے تمام زمینداروں اور باشندوں سے اُن کے تعلقات ہمیشہ برادرانہ مخلصانہ اور مشفقانہ رہے۔ آج بھی اس علاقے کے اچھے لوگ آپ کو اچھے الفاظ میں یاد کرتے ہیں۔

خصوصاً دھوپ واری کے لاشاری، چھوڑا ہو کے بالے پوٹے اور "سوٹا" اور گوٹھ "مراد" کے گوپانگ اور مریدان حضرت پیر پگارہ مرحوم، مولانا صاحب بہت یاد کرتے ہیں!!

مولانا محمدی کی یہ زرعی زمین مسٹر ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کی زرعی اصلاحات اور سندھ کے کسانی حالات کے نتیجے میں بالآخر فروخت کردی گئی!

شکر کا مقام یہ ہے کہ یہ زمین خیر پوری کے ایک نیک نہاد، متقی و پرہیزگار ڈاکٹر غلام قادر صاحب شیخ نے مبلغ ایک لاکھ پچاس ہزار روپے میں خرید لی! (اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کو تادیر سلامت رکھے۔ آمین)

مولانا محمدی۔۔۔اور اسلحہ

آپ کے پاس برطانیہ کی بنی ہوئی دو نالی بندوق "مڈلینڈ" تھی، جس کو وہ بھی کبھی شکار کے لئے بھی استعمال کر لیا کرتے تھے۔۔۔۔ان کی بیگم محترمہ رئیس فاطمہ کے پاس بھی پاکستان، سیالکوٹ کی بنی ہوئی، ایک نالی بندوق تھی، اور موصوف نے اپنی اولاد ذکور واناث سب کو اسلحہ آشنا کر دیا تھا۔ مولانا صاحب کے پاس ایک ریوالور بھی تھا جو انہوں نے امیر عباس زیدی صاحب (جو ان کے بہت ہی قریبی دوست تھے) کو اور ایک رائفل 2-2-12 اپنے بھتیجے مولانا مفتی سید عنایت علی شاہ نقوی البخاری مرحوم کو دے دی تھی جو آج بھی ان کے ورثاء کے پاس موجود ہوگی۔

مولانا محمدی کی تالیفات وتصنیفات

مطبوعہ تصانیف وتالیفات

۱۔ اسوۂ حسنہ ________ مطبوعہ
۲۔ دختر رسول ﷺ کی شادی ________ زیر طبع
۳۔ پنڈت جواہر لال نہرو کا مذہب ________ مطبوعہ
۴۔ اسلامی قانون سزا ________ مطبوعہ
۵۔ مضامین محمدی (مختلف مضامین جو آپ کے زیر نظر ہیں) ________ مطبوعہ
۶۔ مجالس محمدی (مختلف مجالس) ________ مطبوعہ

مختلف سرکاری وغیر سرکاری اعزازی عہدے:

سابق سیکریٹری جنرل مجلس عمل شیعہ علمائے پاکستان
سابق مشیر وفاقی شرعی عدالت اسلام آباد
سابق رکن مرکزی رویت ہلال کمیٹی پاکستان
سابق رکن قومی کمیٹی برائے دینی مدارس پاکستان
سابق رکن پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور
سابق رکن پراونشل ایجوکیشنل کونسل سندھ
سابق رکن زکوۃ کونسل پنجاب
سابق رکن سیرت کمیٹی و امن کمیٹی لاہور
ناظم و مدرس مظفر المدارس مدرسۃ الواعظین لاہور
موسس مدرسۃ سلطان المدارس خیر پور سندھ

شجرۂ نسب

حضرت مولانا محمد شبیہ الحسنین محمدی اعلی اللہ مقامہ



تاثرات۔۔۔۔۔!!

ایک بے مثال خطیب۔۔۔۔۔،ایک عظیم مدبّر و رہنما۔۔۔!

تحریر: حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ سیّد رضی جعفر صاحب نقوی مدظلہ

ہندوستان کے علم پرور شہر "بدایوں" سے جن نابغۂ روزگار ہستیوں نے اپنی دینی وعلمی خدمات کے ذریعہ دنیا بھر میں شہرت پائی، اُن میں گرامی مرتبت حجۃ الاسلام مولانا اعجاز حسن صاحب بدایونی ایک درخشندہ ستارے کی حیثیت رکھتے تھے۔

مسندِ علم پر، آپ علم و معرفت کا ایک خزانہ۔۔۔!

مسندِ درس پر، ایک انتہائی شفیق استاد۔۔۔!

محرابِ عبادت میں، بے مثال عبادت گزار۔۔۔!

منبر پر، "خطیب منبر سلونی" کے علوم کے ورثہ دار۔۔۔!

تبلیغِ دین میں، اخلاص وللّٰہیت سے سرشار۔۔۔!

اور میدانِ عمل میں، پیرانہ سالی میں بھی جوانوں سے آگے نظر آنے والے!

جن بزرگوں نے اُن کی مجالس ومحافل اور تقریریں سننے کی سعادت حاصل کی ہے، اُن کا بیان ہے کہ:

جب مولانا اعجاز حسن بدایونی صاحب منبر پر فصاحت و بلاغت کے جوہر دکھاتے تھے، لوگ بے ساختہ کہہ اٹھتے تھے کہ:

"اعجاز حسن پر واقعاً امام حسینؑ کا اعجاز ہے۔۔۔۔!"

گرامی مرتبت و عالی وقار، مجاہد بے مثال عالی جناب مولانا شبیہ الحسنین محمدی صاحب اعلی اللہ مقامہ، اُن ہی مولانا محمد اعجاز حسن بدایونی صاحب طاب ثراہ کے فرزندارجمند، اور اُن کی مسندِ علم کے ورثہ دار تھے۔

آپ نے اپنے عہدِ شباب میں متعدد قومی و سماجی تحریکوں میں بھی حصہ لیا، بڑے بڑے اجتماعات میں آپ کی ولولہ انگیز تقریریں آج بھی لوگوں کی رگوں میں خون کی حرارت تیز کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔۔۔!!

ہزاروں کے مجمع میں۔۔۔ جہاں اُس وقت کے ممتاز علمائے کرام وخطبائے ذوی الاحترام موجود ہوتے تھے، پورے مجمع کو اشتیاق رہتا تھا کہ:

"محمدی صاحب" کب خطاب فرمائیں گے!

آپ کو فطرت نے جو جرأت رندانہ عطا کی تھی۔۔۔ وہ منفرد تھی، اور یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے جابر حکمراں کے سامنے بھی کلمۂ حق بلند کرنے میں آپ نے کبھی جھجک محسوس نہیں کی۔

سرکار ختمی مرتبت، احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشہور فرمان ہے کہ:

"اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ الْحَقِّ اَمَامَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ"

(ظالم حکمراں کے منہ مقابل حق کی آواز بلند کرنا سب سے افضل جہاد ہے!)

اور ہمارے بلند مرتبہ علمائے مجاہدین نے ہر دور میں ظالم حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کا شرف حاصل کیا، اور اس سلسلہ میں یہ حضرات کسی کے اثر ورسوخ کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

آج سے ۶۰۔۶۲ برس پہلے کی بات ہے:

ملک کی ایک نہایت بااثر شخصیت نے ایک دینی درس گاہ کی بنیاد رکھنے کے موقع پر ایک عالی شان اجتماع کا اہتمام کیا، جس میں کراچی کے علاوہ لاہور اور دوسرے شہروں کی ممتاز شخصیات بھی شریک تھیں۔

افتتاحی تقریر میں اُن "بااثر شخصیت" نے علم دین کے فضائل اور دینی درس گاہوں کی اہمیت کے موضوع پر نہایت مفصل گفتگو کی، اور لوگوں کو توجہ دلائی کہ اپنے نونہالوں کو ان درس گاہوں میں داخل کر کے ثواب دارین حاصل کریں۔۔۔۔۔وغیرہ۔

اس جلسے میں جب مولانا محمد شبیر الحسنین محمدی صاحب کے خطاب کی باری آئی تو آپ نے اُن "بااثر شخصیت" کی اچھی خاصی خبر لی اور فرمایا کہ:

جناب!۔۔۔آپ نے جو کچھ بیان کیا ہے اگر اُسے صحیح اور درست سمجھتے ہیں تو آپ کو تو اللہ نے ۷، ۸ بیٹے دیے ہیں، آپ نے اپنے کسی بیٹے کو آج تک کسی دینی درس گاہ میں داخل کرنے کا ثواب کیوں نہیں حاصل کیا، اور آپ جو سعادت دوسروں کو عطا کرنا چاہتے ہیں اُس سے اپنی اولاد کو کیوں محروم رکھا؟

یہ واقعہ صرف نمونے کے طور پر قلمبند کیا گیا ہے۔ مولانا مرحوم کی پوری زندگی ایسی ہی جرأت رندانہ کا نمونہ تھی۔

میں جب نجف اشرف سے تحصیل علم کے بعد واپس آیا تو اُس زمانہ میں مولانا مرحوم کا قیام زیادہ تر لاہور میں رہتا تھا، اور پورا شہر بھی آپ کے علمی فیوض وبرکات سے مالا مال ہوتا تھا، اور پنجاب کے دوسرے شہروں اور علاقوں کے لوگ بھی اور آپ جہاں تشریف لے جاتے تھے، ایک سماں باندھ دیتے تھے۔ میں جب بھی لاہور جاتا، یا کہیں جاتے ہوئے لاہور سے گزرتا تو مولانائے مرحوم کی خدمت میں حاضری کی سعادت ضرور حاصل کرتا تھا۔

اُس زمانہ میں آپ کے فرزند اصغر مولانا فخر الحسنین محمدی صاحب اپنے والد علام کے پاس ہی مقیم تھے اور لاہور میں دینی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔

میں جب بھی مولانا مرحوم کے پاس پہونچا، انہیں کسی نہ کسی موضوع پر تحقیق کرتے ہوئے پایا، اور ساتھ میں اپنے فرزند ارجمند کی علمی تربیت بھی کرتے جاتے تھے۔ بیٹے سے فرماتے کہ: فلاں کتاب اٹھاؤ، اسی کا فلاں صفحہ کھولو اور یہ عبارت نکالو۔۔۔!

پھر عبارت پڑھواتے، ترجمہ کراتے۔۔۔ اور پھر دوسری کتاب نکلواتے۔۔۔ اور اسی طرح روز و شب یہی سلسلہ جاری رہتا۔

خصوصاً ضیاء الحق کے حدود "آرڈیننس" کے بعد مولانا مرحوم نے "حدود و تعزیرات" کے موضوع پر گراں قدر کاوش فرمائی، اور آپ کی نگارشات ملک کے نہایت موثر جرائد میں اور "اسلامی قانون سزا" نامی کتاب کی شکل میں اشاعت پذیر ہوئیں۔۔۔۔!!

جن لوگوں کو مولائے مرحوم کی نگارشات پڑھنے کا موقع ملا وہ گواہی دیں گے کہ جس طرح آپ کی تقریر "جراَتِ رندانہ" کا شکار ہوتی تھی، اسی طرح آپ کی تحریر میں بھی آپ کے کردار کی جھلکیاں نمایاں رہتی تھیں۔

قرآن مجید میں خالق دو جہاں کا ارشاد ہے کہ:

والباقیات الصالحات خیر عند ربک......

(اور باقی رہ جانے والی نیکیاں، تمہارے پروردگار کے نزدیک بہتر ہیں)

اور حضرات ائمۂ طاہرین علیہم السلام نے نیک اولاد کو بھی باقیات الصالحات میں قرار دیا ہے۔

ہمارے واجب الاحترام جلیل القدر عالم دین، مولانا محمد شبیہ الحسنین محمدی صاحب کو پروردگار عالم نے دو فرزند ارجمند عطا فرمائے، اور مولانائے مرحوم نے دونوں ہی فرزندوں کو علم دین کی راہ پر گامزن فرمایا۔

آپ کے چھوٹے صاحبزادے (جن کا تذکرہ، لاہور کے ذکر کے درمیان آچکا ہے) خیر پور میں مقیم ہیں اور تقریر و تدریس اور تبلیغ دین میں شب و روز مصروف رہتے ہیں۔

اور مولانائے مرحوم کے فرزند اکبر، گرامی مرتبت جناب مولانا نذر الحسنین محمدی صاحب نے تصنیف و تالیف اور ترجمہ و نشر و اشاعت کے شعبے کو سنبھالا ہوا ہے اور اب تک درجنوں کتابوں کی اشاعت فرما چکے ہیں۔

جن میں "تحف العقول" جیسی عظیم الشان کتاب کا ترجمہ بھی شامل ہے۔

یہ کتاب اسم با مسمّٰی ہے، اور اپنے نام کی طرح تمام صاحبانِ فہم و دانش کے لئے حضرات اہل بیت علیہم السلام کے دربار سے عطا ہونے والا گراں بہا اور بیش قیمت تحفہ ہے۔

اس عہد زبوں میں، جب کتابوں کی طرف لوگوں کی توجہ بہت کم ہو چکی ہے، اس شعبے کو کامیابی سے چلانا اور ایک کے بعد ایک، گراں قدر علمی سرمایے کو اردو میں منتقل کرنے کے بعد اسے

خوبصورت کتابت وطباعت کے ساتھ زیور طبع سے آراستہ کرنا۔۔۔۔ کس قدر دشوار گزار عمل ہے؛ اس کا اندازہ صحیح طور سے وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے اس وادی میں قدم رکھا ہو۔

قابل تحسین ہیں عالی جناب مولانا نذر الحسنین محمدی صاحب جو نہایت اور استقلال کے ساتھ اس خدمت میں مصروف ہیں۔

پاک پروردگار، آپ کو صحت وعافیت سے رکھے، اس عہد فتن میں ہر قسم کی آفات ارضی و سماوی سے محفوظ رکھے، مقاصد جلیلہ میں بہتر سے بہتر کامیابی عطا فرمائے۔

اور آپ کے والد علام مجاہد بے مثال مولانا شبیر الحسنین محمدی صاحب اعلی اللہ مقامہ کو جنت الفردوس کی بہترین نعمتوں سے سرفراز فرمائے۔ آمین

والسلام
خیر اندیش
سید رضی جعفر نقوی

تاثرات۔۔۔!

عالی جناب جسٹس (ریٹائرڈ) سید غوث علی شاہ صاحب ایڈووکیٹ،
سابق وزیر اعلیٰ صوبہ سندھ و سابق وفاقی وزیر دفاع پاکستان

میں آج اپنے بہترین دوست۔۔۔بہترین پڑوسی اور بہترین انسان دوست عالم دین۔۔۔اور اُن علامہ کا ذکر کروں گا۔۔۔جن کا گھر میرے گھر کے بالکل آمنے سامنے واقع ہے۔۔۔میری مراد ہے۔۔۔"حضرت الحاج علامہ محمد شبیہ الحسنین محمدی"۔۔۔!

خیر پور میں وکالت کے زمانے سے میرا اُن کے ساتھ ایک ایسا واسطہ تھا، جس میں کبھی ایک مرتبہ بھی کوئی لرزش نہیں آئی۔۔۔میں پیپلز پارٹی کے مقابلے میں پاکستان مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے دو الیکشنز لڑے۔۔۔ایک ۱۹۷۰ء میں اور دوسرا ۱۹۷۷ء میں۔۔۔! مولانا محمدی اعلیٰ اللہ مقامہ چونکہ اپنے وقت کے ایک عظیم اور مایہ ناز مقرر تھے۔۔۔اُنھوں نے ہر طرح میرا ساتھ دیا اور اپنی تقریروں سے لوگوں کے دل جیتنے لگے۔۔۔!

میں اپنی طالب علمی کے زمانے کا مختصر تعارف کراتا چلوں۔۔۔۱۹۵۱ء کی بات ہے کہ میں میٹرک کے امتحانات کی تیاری میں مصروف تھا۔۔۔کوئی سلسلہ ایسا بنا کہ مرحوم خان لیاقت علی خان صاحب خیر پور آگئے۔۔۔اور اُن کے اعزاز میں مسلم لیگ کا ایک بڑا جلسہ منعقد ہوا۔۔۔اور اس جلسے میں جتنے بھی مقررین تھے۔۔۔سب نے اپنے انداز میں تقریریں کیں۔۔۔اور جب مولانا شبیہ الحسنین محمدی کی باری آئی تو انھوں نے اپنے منفرد انداز میں خطاب کیا۔۔۔پورا مجمع جو ہزاروں کی تعداد میں تھا اُن کا دم بھرنے لگا۔۔۔اور تمام لوگ بہت متاثر ہوئے۔۔۔مگر اُن میں جو سب سے زیادہ متاثر ہوئے تھے، وہ خان لیاقت علی خان صاحب وزیر اعظم پاکستان تھے۔۔۔!یہاں سے مولانا محمدی صاحب کے ساتھ خان لیاقت علی خان نے ایک ایسا رشتہ جوڑ لیا اور ایک ایسا واسطہ بنالیا۔۔۔کہ پورے پاکستان میں جہاں کہیں بھی پاکستان مسلم لیگ کا کوئی بھی جلسہ ہوتا تھا تو خان لیاقت علی خان مولانا محمدی کو بلا لیتے تھے۔۔۔!!

یہ واقعہ تو میری طالب علمی کے زمانے کا ہے۔۔۔! مگر جب ۱۹۷۰ء اور ۱۹۷۷ء میں ،میں خود بحیثیت امیدوار تھا۔۔۔تو میرے ساتھ مولانا محمدی نہایت خلوص کے ساتھ جلسوں میں چلتے اور خطابت سے لوگوں کا دل جیت لیتے تھے۔۔۔!

مولانا محمد شبیہ الحسنین محمدی کے امتیازات میں سے ایک عظیم امتیاز یہ بھی تھا کہ آپ ایک سچے ،دیانت دار، مخلص اور ہمدرد مسلم لیگی تھے۔۔۔پاکستان کے ساتھ آپ کی محبت، ناقابلِ فراموش خدمات اور نظریۂ پاکستان کی اشاعت و تبلیغ وغیرہ قابلِ قدر خدمات ہیں۔ پاکستان کے خلاف کسی بھی

ایسی بات یا تنظیم یا پارٹی یا نظریے کو تسلیم اور پسند نہیں کرتے تھے۔۔۔۔جس سے پاکستان کی سالمیت، استحکام، اتحاد اور یکجہتی پر آنچ آجائے۔۔۔۔میرے الیکشن ۱۹۷۷ء میں تین سے چار تحصیل میرے حدود میں آتے تھے۔۔۔۔مولانا محمدی نے ہر جگہ ایک نیک دل مسلم لیگی کی حیثیت سے بھرپور میرا ساتھ دیا، جب میں دوسرا الیکشن لڑ رہا تھا تو اس وقت جناب پیر صاحب پگارو۔۔۔۔جو مسلم لیگ کے صدر تھے، میں ان مرحوم کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے بھی میرے دونوں الیکشنز میں بھرپور تعاون فرمایا۔ حضرت شاہ مرداں شاہ ثانی پیر صاحب پگارو اور مولانا محمد شبیہ الحسنین محمدی اعلیٰ اللہ مقامہ دونوں نے مل کر اتحاد کی فضا قائم کرنے کے لئے شیعہ سُنّی اتحاد کے لئے بڑا کردار ادا کیا۔۔۔۔خاص کر ۱۹۶۳ء کے سانحے میں دونوں بزرگواروں نے مل کر شیعہ سُنّی اتحاد کی فضا قائم کردی۔۔۔جس کے نتیجے میں باقی تمام شیعہ علماء اور اہل سنت علماء بھی متفق ہو گئے اور تمام اختلافات ختم ہوئے۔ اُس دوران دونوں بزرگوں نے یہ فضا قائم کی کہ۔۔۔"دوسروں کا عقیدہ چھیڑو مت! اپنا عقیدہ چھوڑو مت!"

مولانا محمد شبیہ الحسنین محمدی کے امتیازات میں سے ایک۔۔۔قناعت شعاری اور رزق حلال کا حصول تھا۔۔۔!! آپ نے ہمیشہ حلال رزق سے اپنی اولاد کی پرورش کی۔۔۔۔اور سادہ زندگی گزاری اور ساتھ ساتھ اپنے احباب کو بھی سادہ زندگی گزارنے کی تلقین فرماتے تھے۔۔۔آپ نے بھی جاہ و منصب اور عیش و عشرت کی زندگی کے لئے کوئی اقدام نہیں کیا۔۔۔!

آپ عقیدے کے لحاظ سے مذہب "اہل تشیع" سے تعلق رکھتے تھے۔۔۔مذہبی مجالس میں آپ کو ایک باعمل عالم دین۔۔۔اور توانا خطیب کے طور پر پہچانے جاتے تھے۔۔۔آپ کی مجلسیں نہایت علمی، تبلیغی اور درس اتحاد و یکجہتی پر مبنی ہوتی تھیں۔۔۔! آپ پاکستان کے مختلف مقامات لاہور، پاراچنار، جھنگ، کوئٹہ، کراچی، ملتان وغیرہ میں بھی مجالس پڑھتے تھے۔۔۔لوگ آپ کو ایک مخلص مسلم لیگی اور عظیم خطیب دونوں حوالے سے جانتے تھے۔۔۔!!

میں نہایت مسرت و افتخار کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ مرحوم محمدی کا اخلاص، رزق حلال اور اچھی تربیت کا نتیجہ ہے کہ آج اُن کی اولاد بھی عالم ہیں۔۔۔!! اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے۔۔۔میرے خاص حامیوں میں شمار ہوتے ہیں۔

مولانا محمد شبیہ الحسنین محمدی کے فرزند اکبر جناب مولانا محمد نذر الحسنین محمدی آج میرے پاس اپنے والد گرامی یعنی میرے شفیق دوست حضرت علامہ محمد شبیہ الحسنین محمدی سے متعلق تاثرات ریکارڈ کروانے آئے ہوئے ہیں۔۔۔تاکہ یہ تاثرات قلمبند کر کے "مضامین محمدی" میں شائع کر سکیں۔۔۔!

مولانا محمدی نے بہت سے مضامین لکھے ہیں۔۔۔اچھے شاعر بھی تھے۔۔۔بہت ہی اچھے اشعار بھی کہے ہیں۔۔۔مگر ان تمام آثار کو جمع کرنا، سنبھالنا، اور پھر کتاب کے قالب میں ڈھالنا۔۔۔یقیناً نہایت تھکا دینے والا کام ہے۔۔۔۔میں داد دیتا ہوں جناب مولانا محمد نذر الحسنین

محمدی صاحب کو۔۔۔ کہ وہ ان تمام مضامین اور اشعار کو جو مولانا مرحوم سے تعلق رکھتے ہیں، جمع کر کے آج کتاب کی شکل میں ترتیب دے کر لوگوں تک پہنچانے کی سعی کر رہے ہیں۔۔۔ یہ عمل قابلِ تحسین اور لائق صد آفرین عمل ہے۔۔۔!!

خداوند عالم مولانا مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے اور اُن کے دونوں صاحبزادوں کو صحت کاملہ کے ساتھ قوم و ملت کی خدمت کرنے کی توفیق سے نوازے (آمین)

پاکستان زندہ باد
مسلم لیگ پائندہ باد

تاثرات۔۔۔!

(تحریر: سید علی غضنفر کراروی۔ ماخوذ از تعارف نامہ کتاب ''اسلامی قانون سزا'')

تاریخ و جائے پیدائش:

مولانا الحاج محمد شبیہ الحسنین محمدی قبل قیام پاکستان ۱۲ مئی ۱۹۱۷ء میں بدایوں میں پیدا ہوئے۔ تشکیل ملک کے بعد ۱۹۴۸ء سے خیر پور میں قیام پذیر ہیں اور بدایونی کی جگہ خیر پوری کہلاتے ہیں۔

آباء و اجداد:

آپ کے آباء و اجداد عرب سے ایران اور ایران سے ہندوستان آکر دہلی ہوتے ہوئے بدایوں میں آباد ہو گئے تھے۔ یہ خانوادۂ جلیل حضرت محمد بن ابی بکر رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے علمی عزت کا مالک رہا ہے، اور ہر پشت میں جلیل القدر علماء پیدا ہوتے رہے ہیں۔ جناب ممدوح کے والد ماجد سند العلماء اعجاز الملت حضرت علامہ محمد اعجاز حسن طاب ثراہ، ناظمیہ عربی کالج اور مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کے تاحیات پروفیسر رہے۔

۱۹۴۳ء میں ڈیرہ اسماعیل خان میں بر سر منبر انتقال ہوا اور وہیں ''کوٹلی امام'' میں دفن ہیں۔ آپ تقریباً ڈیڑھ سو کتابوں کے مصنف تھے۔ آپ کے دادا مولانا محمد جعفر حسینؒ صاحب کرامت عالمِ دین تھے۔ ان کا مزار سادات کے معروف قصبے ''جلالی ضلع گڑھ'' میں ہے۔ پردادا علامہ محمد علی حسین مجتہد بحکم امام مظلوم علیہ السلام، صحن مقدس حسینی میں مدفون ہیں۔ مولانا موصوف کے کئی بزرگ مغل دور حکومت میں قاضی القضاۃ کے درجے پر بھی فائز رہے۔

سیاسی، سماجی اور دینی خدمات:

❁ مولانا محمدی صاحب تحریر و تقریر دونوں میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ شخص واحد میں ان دونوں صفتوں کا اجتماع و استعمال بہت کم دیکھا گیا ہے۔ مولانا عنفوان شباب ہی سے قومیات اور سیاسیات میں عملی حصہ لیتے رہے ہیں۔ آل انڈیا شیعہ کانفرنس اور آل انڈیا مسلم لیگ کے موثر کارکن رہے ہیں اور قیام پاکستان سے رحلت تک پاکستان مسلم لیگ سے وابستہ رہے۔

❁ آپ اتحاد بین المسلمین کے بہت بڑے داعی ہیں اور فرقہ پرستی، صوبہ پرستی اور لسان پرستی وغیرہ سے سخت نفرت کرتے ہیں۔ اسی لئے فرقہ پرستوں کی نازیبا تنقید کا نشانہ اکثر بنتے رہتے ہیں۔ آپ بڑے ہی اصول پرست عالم ہیں، حق گوئی میں بھی تذبذب کا شکار نہیں رہتے اور بڑے سے بڑے نقصان کی پرواہ نہیں کرتے نوابزادہ لیاقت علی خان آپ کی صلاحیتوں پر بڑا اعتماد کرتے تھے، پنجاب کے انتخاب ۱۹۵۱ء میں آپ کو اپنے نمائندے کی حیثیت میں انتخابی معرکے میں حصہ لینے کے لئے بھیجا تھا۔ چنانچہ جس حلقہ میں بھی آپ گئے کامیابی مسلم لیگ کے حصہ میں آئی۔

❁ وزیر اعظم پاکستان جناب ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں یعنی ۱۹۷۳ء میں دینیات تیسرے درجہ سے دسویں درجہ تک کا نصاب لکھنے کے لئے پانچ شیعہ علماء اور پانچ سنی علماء مقرر کئے گئے۔ مولانا محمدی صاحب کا نام اس وقت کی تمام شیعہ جماعتوں (پاکستان شیعہ کانفرنس، ادارہ تحفظ حقوق شیعہ، پاکستان شیعہ مطالبات کمیٹی، مجلس عمل شیعہ علمائے پاکستان) نے بالاتفاق پیش کیا۔ دیگر چار علماء کے اسماء گرامی زیر نظر ہیں:

۱۔ علامہ مرزا یوسف حسین پرنسپل مظفر المدارس، مدرسۃ الواعظین لاہور۔

۲۔ مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی، پروفیسر مظفر المدارس مدرسۃ الواعظین لاہور۔

۳۔ مولانا سید نجم الحسن کراروی مرحوم۔

۴۔ مولانا ملک مہدی حسن علوی مرحوم۔

جناب موصوف نے اس سلسلۂ نصاب کی ترتیب و تدوین میں بھرپور حصہ لیا اور یہ کتابیں آج کل بھی تمام سرکاری مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں۔ وقت تالیف سے اس وقت تک ان کتابوں میں کسی قسم کی تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔

❁ ۱۹۷۹ء میں صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے نیشنل کمیٹی برائے دینی مدارس کی تشکیل کی اور اس میں علامہ محمدی کو شامل کیا، یہ کمیٹی بڑی اہم، وقیع اور موثر تھی۔ اس کی عظمت کا اندازہ بآسانی اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ اس میں پاکستان کی پانچ یونیورسٹیوں کے وائس چانسلر ممبر کی حیثیت سے شامل کئے گئے تھے۔ پشاور یونیورسٹی، اسلام آباد یونیورسٹی، سندھ یونیورسٹی، بلوچستان یونیورسٹی اور بہاول پور یونیورسٹی۔ معروف ماہر تعلیم ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتہ اس کمیٹی کے چیئرمین تھے۔ مولانا محمدی صاحب کی کوشش اور توجہ دہانی کے بعد مولانا سید صفدر حسین نجفی پرنسپل جامع المنتظر ماڈل ٹاؤن لاہور کو بھی اس کمیٹی میں شامل کر لیا گیا تھا۔ نیشنل کمیٹی برائے دینی مدارس نے تمام دینی مدارس کے لئے یکساں اور ہموار نصاب تیار کیا اور ایک جامع رپورٹ جناب صدر کو پیش کی۔ جناب صدر پاکستان نے یہ اعلان فرمایا کہ آج تک کسی موضوع پر اتنی جامع رپورٹ تیار نہیں کی گئی۔

❁ حکومت پاکستان نے جناب ممدوح کو وفاقی رویت ہلال کمیٹی میں شامل کیا، اور یہ خدمت آپ پوری ذمہ داری کے ساتھ انجام دے رہے ہیں، حکومت پنجاب کے سربراہ لیفٹیننٹ جنرل غلام جیلانی خاں نے مولانا کو صوبائی زکوٰۃ کونسل میں دوبارہ نامزد کیا۔ مولانا محمدی واحد ہستی ہیں جن کو دوبارہ نامزد کیا گیا ہے، اور اس تعلق میں آپ کی خدمات یقیناً بہت وقیع ہیں۔ حکومت پنجاب نے آپ کو مساجد کمیٹی، امن کمیٹی اور سیرت کمیٹی میں بھی نامزد کیا ہوا تھا۔ آپ وفاقی شرعی عدالت کے مشیر بھی رہے۔ یہ تمام عہدے اعزازی تھے اور ان دائروں میں بھی آپ قابل اعتناء خدمات انجام دیتے رہے۔

❀ دینی مدارس کی تشکیل آپ کا خاندانی شوق ہے۔ خیر پور میں آپ نے ایک دینی مدرسے کے قیام کی کوشش کی جو کامیابی سے ہمکنار ہوئی اور "سلطان المدارس" کے نام سے ایک مدرسہ قائم ہوگیا۔ اس مدرسے کے قیام کے سلسلے میں آپ نے اپنا رہائشی مکان جو لاکھوں روپے کی ملکیت ہے، مدرسہ کو دے دیا اور خاصی مقدار میں نقد مدد بھی دی۔ حجۃ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید محمد قاسم زیدی رحمۃ اللہ علیہ کو اس مدرسہ کی پرنسپل شپ کے لئے ہندوستان سے طلب فرمایا۔ لہٰذا ایک طویل مدت حضرت علامہ نے اپنے فرائض مدیریت کو بطریق احسن انجام دیئے۔

❀ ۱۹۷۳ء میں مولانا موصوف نے نواب مظفر علی خان قزلباش مرحوم و مغفور کو مظفر المدارس مدرسۃ الواعظین کی تاسیس کی طرف متوجہ کیا۔ یہ مدرسہ لاہور میں مسلسل روشن خدمات انجام دے رہا ہے۔ اس مدرسہ سے تربیت پا کر اب تک تقریباً دسیوں واعظین پاکستان کے مختلف حصوں میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مولانا اس کے ناظم اور پروفیسر بھی تھے، آپ نے اپنے دوران قیام لاہور میں کسی قسم کی کوئی تنخواہ نواب مظفر علی قزلباش مرحوم سے قبول نہیں کی بلکہ صرف نواب صاحب مرحوم کے مہمان کی حیثیت سے زندگی گزارتے رہے۔

اولاد ذریت کا تذکرہ:

❀ مولانا محمدی صاحب کے دونوں صاحبزادوں مولانا نذر الحسنین محمدی اور مولانا فخر الحسنین محمدی نے علامہ سید محمد قاسم زیدی دامت برکاتہ سے بھرپور استفادہ کیا۔ الحمدللہ مولانا کے دونوں صاحبزادے مسلّم عالم دین ہیں۔

تحریری خدمات:

مولانا محمدی زمانۂ تحصیل علم سے ہی تحریری خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ آپ کے کثیر مضامین سیاسی، قومی اور مذہبی مباحث پر ملک کے مختلف جرائد میں شائع ہو کر داد تحسین حاصل کرتے رہے۔ زیر نظر کتاب "اسلامی قانون سزا" کے علاوہ بعض دیگر کتابیں بھی منتظر اشاعت ہیں۔ مثلاً "دختر رسولؐ کی شادی"، سیرت جناب فاطمہ علیہا السلام کے متعلق ایک بالکل منفرد کتاب ہے۔ اس کے بعض مضامین ۴۳-۱۹۴۲ء کے "البرہان" میں شائع ہو چکے ہیں۔

مولانا ایک پختہ کار صاحب قلم ہیں، ایک طویل عرصہ تک ادارہ "البرہان" لدھیانہ سے منسلک رہے۔ ہفت روزہ صداقت سیاسی مجلّہ کی ادارت بھی آپ ہی کے سپرد تھی۔ قیام پاکستان کے بعد "الاسلام" کوئٹہ کے مدیر رہے۔ کوئٹہ کی سردی کی شدت کا مقابلہ نہ کر سکے اور خیر پور منتقل ہوگئے۔ وہاں آنے کے بعد تعلیمی، ثقافتی، صنعتی، سماجی تقریباً ہر محاذ پر عوام کی تابناک خدمات انجام دیں۔ تاریخ خیر پور میں حضرت مولانا کی خدمات کو وقیع انداز میں سراہا گیا ہے۔ سہ روزہ اخبار "مراد خیر پور" میں بھی آپ مضامین لکھتے رہے۔ آج کل ضلع خیر پور اور کراچی میں کچھ دینی مدارس قائم کرنے

کی کوشش کر رہے ہیں۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ممدوح کو ہر میدان میں کامیابی عطا کرے بحق محمد وآل محمد علیہم السلام آپ اور آپ کے صاحبزادگان کو تادیر سلامت رکھے اور ان کو قومی وملی اور علمی خدمات سے موفق کرے۔

گنہگار:
سید علی غضنفر کراروی
مئی ۱۹۸۶ء

تاثرات۔۔۔۔۔!

از: مولانا محمد سبطین جعفری خطیب شیخوپورہ

بعض اوقات ایسی ایسی پیچیدہ شخصیات اس جہانِ آب و گِل میں آتی ہیں جنہیں سمجھنا بچوں کا کھیل نہیں ہوتا۔۔۔ متعدد پہلودار یہ شخصیتیں بظاہر اعضائے جسم کے لحاظ سے عام لوگوں کی ہی طرح ہوتی ہیں۔۔۔ جبکہ ذہنی لحاظ سے وہ اپنے اندر ماضی، حال، مستقبل کی وہ وہ باتیں۔۔۔ ایسے ایسے راز چھپائے پھرتی ہیں کہ عام آدمی کی چشم نظارہ جنہیں دیکھنے، سمجھنے اور پرکھنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتی۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات ایسے لوگوں کی کہی بات عامیانہ ذہن کے مالک کو کھلنے لگتی ہے۔ ایسی ہی ایک شخصیت اس وقت میرے پیش نظر ہے۔۔۔ جنہیں نئی روشنی کی پیداوار شاید کم جانتی ہو۔۔۔ مگر بزرگ حضرات بالخصوص علماء ان سے اچھی طرح سے واقف ہیں۔ ابھی چند روز ہوئے اس بزرگ شخصیت نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپردگی میں دے دی۔۔۔۔ یہ تھے "مفکر اسلام علامہ شبیہ الحسنین محمدی، فاضل مشرقیات"۔۔۔۔ اگر میں ان کی دینی و مذہبی اور قومی خدمات لکھنا شروع کردوں تو شاید طوالت کی وجہ سے آخر میں والسلام۔۔۔ یا خدا حافظ کی نوبت آ جائے۔۔۔ اس لیے ان متعدد خدمات کو کسی اور موقع کے لیے اُٹھا رکھتے ہیں۔۔۔ فی الوقت تو مجھے کچھ اور عرض کرنا ہے۔

اس حقیر کو مختلف دینی مدارس کی تقریباً دس سال تک خاک چھاننے کا شرف حاصل رہا ہے اور تقریباً درجن بھر علماء کو میرے اساتذہ ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔۔۔ بدقسمتی یا خوش قسمتی سے ان اساتذہ میں تین چار اساتذہ کا تعلق بھی سرحد پار ہندوستان سے تھا۔ اگرچہ بعد میں وہ بھی یہیں کے ہو کے رہ گئے۔۔۔ جتنے بھی اساتذہ یہاں کے یا وہاں کے۔۔۔ مجھے میسر آئے۔۔۔ بحمد اللہ۔۔۔ سبھی اپنے اپنے مقام پر اپنی مثال آپ تھے۔۔۔ یا ہیں۔۔۔ میں نے اپنی مختصر سی تعلیمی زندگی میں بہت کچھ سیکھا۔۔۔ اگرچہ ابھی تک نالائقوں کی صف میں شمار ہوتا ہے جس کا مجھے اعتراف ہے۔ اور قریب قریب حقیقت بھی یہی ہے کہ میں نے پڑھنے سے زیادہ سنا اور دیکھا ہے۔۔ میرے ذاتی تجربات اور مشاہدات میں اس سفر کے دوران ایسے ایسے مراحل بھی آئے۔۔۔ کہ بظاہر ان مقدس اور پاکیزہ شہرت کی حامل درسگاہوں سے "میرا بھاگ جانے کو جی چاہتا ہے"۔۔۔ والی صورت حال پیدا ہوگئی۔۔۔۔!

یہ امر واقعہ اور حقیقت ہے کہ دنیا میں کوئی بھی مائی کا لال اپنے گریبان میں جھانکنے کے بعد یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ "میں" پارسا ہوں۔۔۔ یا مجھ سے کبھی کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا۔۔۔ سوائے محمد و آلِ محمد۔۔۔ یا حقیقی معنوں میں خانوادۂ اہل بیت کے افراد۔۔۔ یا اصحاب کے۔۔۔ ہر آدمی اپنے ماحول، اپنے علاقہ، اپنی تہذیب و تمدن اور اپنی اپنی فطرت کے مطابق کسی نہ کسی لحاظ سے ننگا ضرور ہے۔۔۔ اور خزانہ ہائے کبائر و صغائر سے حصہ وصول کر چکا ہے۔۔۔ اور کرتا رہے گا۔ انسانی مجبوری یہ

ہے کہ وہ غیب دان نہیں ہے۔۔۔ لہٰذا پہلے پہل جب کوئی شخص پارسائی اور تقدس کا میک اپ کرکے کسی کے سامنے آتا ہے۔۔۔ تو انسان نہ جانے کیا کیا خیال اس ہستی کے بارے میں باندھتا ہے اور وہ حضرت بھی۔۔۔ چونکہ ایسے ماحول میں اجنبی ہوتے ہیں۔۔۔ لہٰذا خود کو "گامن ہیپار" ثابت کرنے کے لیے ایسے ایسے پند و نصائح کا چھڑکاؤ کرتے ہیں۔۔۔ کہ سننے والا اپنے آپ سے شرمندہ ہونے کی کوشش میں لگ جاتا ہے۔۔۔ یہ الگ بات ہے کہ اندھے ماضی کی حال اس شخصیت کا روشن مستقبل ان کے چہرے سے پاکیزگی کی تمام پتیاں ایک ایک کرکے الگ کر دیتا ہے اور پہلے پہل دوسروں کی شرمندگی سے محظوظ ہونے والا اب کے اپنی گندآلود بغلیں جھانکنے کی سعی لاحاصل میں لگ جاتا ہے۔۔۔ قلم شاید بن بیے بہک گیا ہے۔۔۔ کہ کہیں کی بات کہیں جانکلی۔۔۔۔۔!!

مذکورہ شخصیت زندگی بھر پیچیدہ رہی ہے اور انہیں سمجھنے کی کسی نے زحمت گوارا بھی نہیں فرمائی۔۔۔ چونکہ مدرسۃ الواعظین لاہور میں عرصہ تین سال تک میں زیر تعلیم رہا ہوں اور "علامہ شبیہ الحسنین محمدی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ" اسی درس گاہ کے بیس پچیس سال تک منتظم رہے۔۔۔ اور حقیقت میں اس مدرسہ کی بنیاد رکھنے میں بھی ان کی کاوشوں کا بہت حد تک دخل ہے۔۔۔ لہٰذا۔۔۔ بدیہی طور پر تین سال میں سرکار علامہ کے خیالات و نظریات پڑھنے اور سننے کا موقع ملا اور مزے کی بات یہ ہے کہ اس مدرسہ میں چار اساتذہ تھے اور چاروں لکھنؤ کے پڑھے ہوئے۔۔۔ اور وہیں کی تہذیب کے خوگر۔۔۔ اور علمبردار۔۔۔ اب یہ چیز کہ ہمارا یہاں کا کوئی علامہ اس مدرسہ میں کیوں نہیں تھا۔۔۔ یہ الگ قصۂ درد ہے۔۔۔ جسے دہرانا شاید یہاں مناسب نہ ہو۔۔۔ بعض نہ جاننے والے قارئین کے لیے ضروری سمجھتا ہوں کہ ان چاروں بزرگوں کے نام لکھ دوں۔۔۔!

۱۔ علامہ مرزا یوسف حسین، لکھنوی

۲۔ علامہ سید محمد عارف، واعظ لکھنؤ

۳۔ علامہ سید مرتضیٰ حسین، فاضل لکھنوی

۴۔ علامہ شبیہ الحسنین محمدی، فاضل مشرقیات

آخر الذکر شخصیت کا زیادہ تر وقت کسب فیض کے سلسلے میں "علامہ سید محمد سبطین سرسوی اعلیٰ اللہ مقامہ" کے پاس گزرا۔۔۔ ان کے علاوہ بھی دیگر کئی ایک بزرگ علماء سے استفادہ فرمایا۔۔۔ (یہ بات یاد رہے کہ اس وقت ہم پاکستانی بالخصوص پنجاب کے شیعہ اپنی ہی تہذیب و ثقافت کے علمبردار علماء کے رحم و کرم پر ہیں۔)

ہمارا ذہنی رجحان یہ ہے کہ ہم نے ہندوستان سے ہجرت کرکے آنے والے علماء کو ہمیشہ نمبر ۲ سمجھا ہے۔۔۔ !جب بھی ان مہاجر علماء کا نام آیا ہمارے پیٹ میں گڑبڑ شروع ہوگئی۔۔۔ اور یہ گڑبڑ یہاں کے علماء اسلام کے شکمہائے مبارک میں عامۃ الناس کی نسبت کہیں بڑھ کے رہی ہے۔۔۔

حالانکہ لکھنؤ کے علماء نے اس وقت یہاں آ کر دینی و مذہبی خدمات سرانجام دیں۔۔۔۔ جب پاکستان نام کی کوئی شے ابھی خوابوں کی دنیا سے بھی کوسوں دور تھی۔۔۔اور سوائے ''علامہ سید محمد باقر صاحب قبلہ چکڑالوی اعلیٰ اللہ مقامہ'' کے بھی موجودہ اور مرحومین علماء شاید اس دور میں انگوٹھے چوستے ہوں گے۔۔۔اور یہ بھی وہ لوگ جو پانچ دہائیوں سے اوپر کے تھے۔۔۔یا ہیں۔۔۔ورنہ بچارے تو شاید اس وقت آباؤ اجداد کی پشتوں میں غوطہ زن ہوں گے۔۔۔۔وہاں سے آنے والے علماء نے یہاں آ کر لاکھوں کی تعداد میں لوگوں کو مذہب حقہ سے روشناس کرایا، اور ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کو علی ولی اللہ پڑھایا۔۔۔۔۔ان لوگوں نے مناظرے کیے، مجالس پڑھیں۔ مذاکرے کیے، پیدل چل کر۔۔۔، بچارہ پہ نہیں۔۔۔ بلکہ خچروں پر بیٹھ کر سینکڑوں میل سفر کر کے، پہاڑوں میں، گنجان علاقوں میں۔۔۔ درسہائے مذہب امامیہ کو لوگوں کے گوش گزار کیا۔۔۔۔اور اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ''صاحب تین ہزار دو گے تو آؤں گا''۔۔۔۔بلکہ فی سبیل اللہ، خلوص نیت سے، خوشنودی محمد ﷺ کی خاطر یہ کارہائے نمایاں انجام دیئے۔۔۔۔اس خلوص نیت ہی کا فیض تھا کہ سامعین ان کے مواعظ حسنہ کو سنتے ہی نہیں بلکہ سمجھتے بھی تھے۔۔۔اور جب کوئی بات سمجھ لی جائے تو پھر اس کے بارے میں چوں و چراں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔۔۔ویسے بھی خلوص دل سے کہی بات اثر کرتی ہے۔۔۔لہٰذا علی ولی اللہ پڑھنے والوں کی قطاریں لگ جاتیں۔۔۔مصیبت یہ رہی ہے کہ ہم نے ہر ایسے آدمی کو عالم سمجھنا شروع کر دیا ہے۔۔۔جس نے بیس گز کا عمامہ سر پر جما رکھا ہو۔۔۔اب اس سے بڑا اندھیر کیا ہوگا کہ بعض عمامہ پوشوں نے آج تک ''مناظر اسلام مولانا محمد اسماعیل اعلیٰ اللہ مقامہ'' کو عالم نہیں سمجھا۔۔۔جب کہا کہ۔۔۔ارے وہ تو مناظر تھے۔۔۔۔اب اللہ جانے مناظر تھے تو کیا جھنجنی گاتے تھے؟۔۔۔حالانکہ اس مرحوم کی شبانہ روز محنت سے یہاں خاندانوں کے خاندان۔۔۔در حیدر کے بھکاری بن گئے۔۔۔۔ باوجود اس کے پھر بھی۔۔۔عالم نہیں مناظر تھے۔۔۔تو ہو سکتا ہے کہ عالم کسی خاص قسم کے جانور کو کہتے ہوں۔۔۔اس لحاظ سے تو یقیناً مولانا اسماعیل مرحوم مناظر تھے، عالم نہیں تھے۔۔۔۔''مجنوں نظر آتی ہے، لیلیٰ نظر آتا ہے''۔۔۔ہر آدمی کا اپنے طرز زندگی کے مطابق لباس کا طریق کار ہوتا ہے۔۔۔دیکھنا تو علم چاہیے۔۔۔اور علم کا اظہار طرز تحریر و طرز بیان سے ہوتا ہے۔۔۔۔نہ یہ کہ جو عمامہ اچھا باندھ لیتا ہو۔۔۔یا ہر وقت عبا و قبا سے لدا پھندا پھر رہا ہو۔۔۔۔وہ بڑا عالم کہے جانے کا مستحق ہوتا ہے۔۔۔۔

استادی۔۔۔مکرم و محترم۔۔۔ مفکر اسلام۔۔۔علامہ شبیر الحسنین صاحب قبلہ محمدی اعلیٰ اللہ مقامہ، و نور اللہ مرقدہ،۔۔۔ ہمیشہ شیروانی اور کیپ استعمال کرتے تھے۔۔۔طرز تحریر و انداز بیان میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔۔۔۔دنیا کا کوئی موضوع مذہبی ہو یا سیاسی، ادبی ہو یا سماجی، ان کے بالمقابل کوئی بھی معترض جم جانا تو الگ۔۔۔ ٹھہر نہیں سکتا تھا۔۔۔بلکہ ان کے تابڑ توڑ دلائل سے قائل ہو کے اٹھتا تھا۔۔۔انہوں نے کبھی بھی، کسی بھی، وہ نجفی ہو یا ایرانی، قمی ہو یا ہندوستانی، پنجابی ہو یا پاکستانی

۔۔۔نفرت کا اظہار نہیں کیا۔۔۔جس قسم کا ضمیر ہمارا ہے کہ ہندوستانی کو دیکھ لیں۔۔۔وہ چاہے جتنا بھی لائق و فائق کیوں نہ ہو۔۔۔ہمارے نتھنوں میں خواہ مخواہ شوں شوں ہونے لگتی ہے۔۔۔حالانکہ پنجابی کا پنجابی سے یا پاکستانی کا پاکستانی جو برتاؤ ہوتا ہے۔وہ بھی کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے کہ ہر ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے کے چکر میں لگا ہے۔۔۔۔!

سرکار علامہ محمدی صاحب قبلہ مرحوم۔۔۔مختلف زبانوں میں مہارت تامہ کے حامل تھے۔۔۔عربی پڑھانا، اگرچہ ان کا مشغلہ نہیں رہا۔۔۔تاہم نجی محافل میں ہم نے انہیں عربی کے بارے میں ریمارکس دیتے سنا۔۔۔اور عربی کتب کا مطالعہ کرتے دیکھا۔۔۔فارسی پر عبور حاصل تھا۔۔۔انگریزی زبان یوں بولتے تھے کہ بڑے بڑے انگریزی دان دریائے حیرت میں ڈبکیاں لینے لگتے۔۔۔۔!! اس کی وجہ شاید یہ رہی ہو کہ کسی مولانا سے (وہ بھی شیعہ حضرات کے) اس قسم کی زبان مہارت سے استعمال کرنے کی توقع بہت کم ہی ہوتی ہے۔۔۔کیونکہ صنف علماء میں ایک عام پیش نماز سے لے کر بڑے بڑے قائدین تک۔۔۔اکثر اسکول سے بھاگے ہوئے ہوتے ہیں۔۔۔جو کہ دینی مدارس میں آکے پناہ لیتے ہیں۔۔۔پھر ایک مولوی آدمی کو اس قدر دسترس اور وہ بھی انٹرنیشنل زبان پہ۔۔۔شاید کسی نے خواب میں بھی نہ دیکھا ہوگا۔۔۔اور زبان اُردو میں تو۔۔۔میں انہیں جوش ملیح آبادی کا ہم پلہ قرار دوں گا۔۔۔کیوں کہ زبان دانی یا فصاحت و بلاغت زبان کا سرٹیفکیٹ محض شعر و شاعری کرنے والے ہی کے ہاتھ میں نہیں تھمایا جا سکتا۔۔۔بلکہ اس جوہر کو پرکھنے کے کئی اور طریقے بھی ہیں۔علامہ نے ایک دفعہ ایک محفل میں "شورش کاشمیری" جیسے سکّہ بند شاعر اور خطیب کو سر منبر جھاڑ پلا دی تھی۔۔۔اگرچہ کسی بر سر منبر شخص کو اس طرح ٹوک دینا اخلاقیات کے باب میں کچھ مناسب نہ رہا ہو۔۔۔مگر جب اتنا بڑا، نامور شاعر و مقرر، اہل زبان ہونے کے باوجود۔۔۔مادری زبان سے ناروا سلوک برت رہا ہو۔۔۔تو میرے خیال میں ایسا ہونا ہی چاہیے۔۔۔اور پھر خیر سے محفل میں "مولانا شبیہ الحسنین محمدی" تشریف فرما تھے۔۔۔جن کی موجودگی میں بڑے بڑے بولنے والوں کو گنتی بھول جاتی تھی۔۔۔لیکن بھلا ہو "شورش کاشمیری" مرحوم کا۔۔۔کہ انہوں نے باقاعدہ شکریہ ادا کیا۔۔۔اور کہا کہ مجھے انتہائی مسرت ہوئی کہ ابھی بچوں کو سمجھانے کے لیے بڑے موجود ہیں۔۔۔!!

اسی طرح سابق صدر ضیاء الحق کے دور میں۔۔۔تمام مکاتب فکر کے علما کو ایک دفعہ پریسڈینٹ ہاؤس میں مدعو کیا گیا۔۔۔اور جو دعوت نامے بھیجے گئے، وہ انگریزی میں ٹائپ تھے۔۔۔دوران گفتگو علامہ مرحوم نے صدر کو مخاطب کرتے ہوئے کچھ کہنے کا ارادہ ظاہر کیا۔۔۔اب معہ صدر صاحب کے۔۔۔تمام لوگ اپنے بیگانے متوجہ ہوئے۔۔۔فرمایا۔۔۔کہ صدر صاحب!۔۔۔اس وقت یہاں قریباً ایک سو افراد مدعو ہیں۔۔۔جن میں وزراء بھی، مشیر حضرات اور اکثریت پورے ملک کے علماء کی ہے۔۔۔آپ بتا سکتے ہیں کہ ان میں انگریز کتنے ہیں؟

اب خود محسوس کیجیے کہ سماں کیسا بندھا ہوگا؟۔۔۔بہر حال جب کچھ افاقہ ہوا تو پریذیڈنٹ صاحب نے پہل کی۔۔۔کہ مولانا میں کچھ سمجھا نہیں۔۔۔تو فرمایا کہ صاحب! بات تو آپ کرتے ہیں قومی زبان کی۔۔۔ڈھنڈورا تو پٹواتے ہیں "اردو" کا۔۔۔اور یہ دعوت نامے آپ نے سات سمندر پار کی زبان میں چھپوا رکھے ہیں۔۔۔یہ تضاد کچھ سمجھ میں نہیں آیا؟

قصہ مختصر۔۔۔کہ صدر ضیاء الحق نے تسلیم کیا۔۔۔کہ آپ نے خوب ہماری اصلاح فرمائی۔۔۔آئندہ احتیاط کی جائے گی۔۔۔۔یہ حوالہ جات عرض کرنے سے علامہ کی ذات میں کچھ قصیدہ خوانی مراد نہیں ہے۔۔۔نہ ہی مرحوم ایسی باتیں سن کے سر دھنا کرتے تھے۔۔۔بلکہ جب کوئی بھی ان کے سامنے ان کی تعریف کرتا تو کڑے تیوروں سے فرماتے۔۔۔کہ ہم نے کون سا تیر مارا ہے۔۔۔بس حق، سچ کہنے کے لیے دل گردہ چاہیے۔۔۔۔

قارئین!

اب تو تجربات و مشاہدات سے ثابت ہو چکا ہے کہ حق اور سچ کے خود ساختہ یا عوام ساختہ نمائندے سے۔۔۔تھانیدار منس کر بات کرلے۔۔۔تو حضرات کو چارپائی پر بھی اُڑن طشتری کے سے مظاہرے فرما رہے ہوتے ہیں۔۔۔۔ مگر علامہ کی سادگی کی انتہا ملاحظہ فرمایئے۔۔۔کہ پہلے پہل۔۔۔جب میں مدرسۃ الواعظین میں داخل ہوا۔۔۔تو چونکہ ابتدا تھی۔۔۔لہٰذا ان کی خو بو سے اچھی طرح واقف نہ تھا۔۔۔ایک دن ان کے دولت کدے پہ چلا گیا۔۔۔تو مکان کے باہر مجھے زمین پر بیٹھے نظر آئے۔۔۔تھوڑے فاصلے کی وجہ سے یہ واردات ملاحظہ نہ کرسکا۔۔۔جب قریب پہنچا تو دیکھا کہ چلم میں آگ رکھ رہے تھے۔۔۔(چونکہ حقہ بڑے اہتمام سے پیتے تھے) میں آگے بڑھا کہ قبلہ میں یہ کام انجام دیے دیتا ہوں۔۔۔تو فرمایا: "مولانا آپ بیٹھیے۔۔۔یہ کام میں خود کرلوں گا۔۔۔۔حقہ پیوں میں اور بنائیں آپ۔۔۔؟ یہ کہاں کا انصاف ہے"۔۔۔یہ تھی ان کے معمولات زندگی کی سادگی و پرکاری۔

بڑے بڑے جغادری ان کے روبرو آتے۔۔۔تو بولتی بند ہو جاتی۔۔۔اور محض بتیسی بجا کے رہ جاتے۔۔۔علامہ شروع میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے اور تادم آخر اسی میں رہے۔۔۔"پیر صاحب پگارا" کو ان سے یا انہیں پیر صاحب پگارا سے قربت حاصل تھی۔۔۔اور پیر صاحب ان کے مشوروں اور خیالات کو غور سے سنا کرتے تھے اور ان کے مداح بھی تھے۔۔۔۔شیعہ قوم کے اوپر، جب خالصیت و شیخیت کا عذاب نازل ہوا۔۔۔تو علامہ نے کئی ایک مرتبہ اپنی دور اندیشی کے طل پر۔۔۔دونوں دھڑوں کو مل بیٹھنے اور غلط فہمیاں دور کرنے کے مواقع فراہم کیے۔۔۔جس سے کوئی بھی علامہ فہامہ انکار نہیں کرسکتا۔۔۔یہاں تک کہ وہ تنظیم شیعہ اتحاد میں بھی سنگ میل کی حیثیت رکھتے تھے۔۔۔جیسا کہ قائداعظم محمد علی جناح مرحوم نے

پاکستان بنتے ہی کہا تھا کہ شیعہ حضرات سے میں گزارش کروں گا کہ وہ فقہ جعفریہ وغیرہ کا نعرہ مت لگائیں۔۔۔ فقط اسلام کی بات کریں اور صاحبانِ خرد نے اس بات کو سراہا۔۔۔ اور جو "لال بجھکڑ" قسم کے حضرات تھے انہوں نے اس وقت بھی کچھ کچھ اختلاف کیا تھا۔۔۔ مقصد اس سے یہ تھا کہ جب اسلامی نظام کے نفاذ کا وقت آیا۔۔۔ تو اسلام تو وہی ہے جو کتابِ خدا اور محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں دیا ہے۔۔۔ نہ کہ خلفاء کی بازی گری کو اسلام کہا جائے گا۔۔۔ اس طرح مذہب امامیہ، مذہب جعفریہ (فقہ جعفریہ سرے سے نام ہی غلط ہے) کا نفاذ خود بخود عمل میں آجائے گا۔۔۔ اور اگر تم نے کسی فقہ کی بات کی تو پھر تمہیں فقہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کے نافذ ہو جانے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔۔۔ کیوں کہ ہر ملک میں وہی مذہبی قانون نافذ ہوتا ہے جو اس ملک کی اکثریت کا ہو۔۔۔ جبکہ شیعہ حضرات اقلیت میں ہیں۔۔۔ یہی رونا علامہ محمدی صاحب قبلہ زندگی بھر روتے رہے فرمانِ قائداعظم کے مطابق۔۔۔ مگر یار لوگوں نے کہا کہ محمدی صاحب تو بکے ہوئے ہیں۔۔۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اگر محمدی صاحب بکے ہوئے تھے۔۔۔ تو پھر قائداعظم مرحوم کی تو بڑی قیمت لگی ہوگی؟۔۔۔ انہیں کیا انگریزوں یا ہندوؤں نے خریدا تھا۔۔۔؟ اگر ایسی بات ہوتی تو پاکستان کہاں ہوتا۔۔۔ بلکہ پاکستان کہلوانے والے پاکستان میں نہیں بلکہ بھگوان کی کرپا سے گنگا جمنا میں جال لگائے مچھلیاں پکڑ رہے ہوتے۔۔۔ عامیانہ ذہن رکھنے والوں نے بغیر کسی شرم کے۔۔۔ یہ کہنا شروع کر دیا کہ محمدی صاحب حکومتی آدمی ہیں۔۔۔ کہ فقہ جعفریہ نافذ نہیں ہونے دیتے۔۔۔ یا نام نہیں لینے دیتے۔۔۔ اب جب درجنوں عمامہ پوش علماء یہ پروپیگنڈہ فرما رہے ہوں تو عوام بیچارے تو پھر عوام ہیں۔۔۔ لہٰذا اس نے سمجھا کہ واقعی یہی دردمند مذہب اور خیر خواہ قوم ہیں۔۔۔ لہٰذا رہی سہی کسر بھی نکل گئی۔۔۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ:

ہر موڑ پر مل جاتے ہیں ہمدرد ہزاروں
شاید میری بستی میں اداکار بہت ہیں

بدقسمتی سے پاکستان میں ایسے ایسے علماء کو ہم نے سیاسی بساط کا ہیرو بنا رکھا ہے۔۔۔ جو بیچارے سیاست کے سین سے بھی واقف نہیں ہیں۔۔۔ یہ وہی بات ہے ایک لفظ کی تبدیلی کے ساتھ کہ:

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا جانیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام

محمدی صاحب قبلہ ایک وقت میں قائداعظم، راجہ صاحب محمود آباد، ڈاکٹر اقبال اور دیگر سینکڑوں ایسے لوگوں کے ساتھ بھی رہے جو سیاست میں اوتار سمجھے جاتے تھے۔۔۔ لہٰذا وہ سیاست کے اجزائے ترکیبی ہی نہیں آئے۔۔۔ بلکہ ان کے اُتار چڑھاؤ سے بھی پوری طرح واقف تھے۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ جیسی بھی حکومت رہی اس نے ہر دور میں ان سے مشورے طلب کیے۔۔۔ کبھی دینیات کا مسئلہ۔۔۔ کبھی شریعت کورٹ میں شیعہ نمائندگی کا مسئلہ۔۔۔ کبھی ہلال کمیٹی کی رکنیت کا مسئلہ۔۔۔ کبھی

شیعہ حضرات کے لیے ٹی وی کو ریچ کا مسئلہ۔۔۔ یا دیگر مسائل۔۔۔۔۔!! آج یا کل اگر علامہ طالب جوہری یا دیگر علماء شیعہ۔۔۔ ٹی وی پر تقریر کرنے آتے تھے۔۔۔ یا آتے ہیں۔۔۔ تو یہ انہیں کی کاوشوں کا ثمرہ ہے۔۔۔ کہ ہر مذہب کا فرد، ہمارے علماء کی بیان کردہ گفتگو کو سراہ رہا ہوتا ہے۔۔۔ اور انہیں پتہ چلتا ہے کہ شیعہ حضرات کے عقائد ونظریات کیا ہیں۔۔۔ اور پھر مزے کی بات یہ ہے کہ علامہ مرحوم نے کبھی بھی تنگ نظری کا مظاہرہ نہ کیا۔۔۔ بلکہ فراخ دلی سے ایسے مواقع پر مختلف علماء کو ایڈجسٹ کروایا۔۔۔ اور ان میں پاکستانی مٹی کے پیدا شدہ علماء زیادہ ہیں۔۔۔ بہ نسبت ان علماء کے۔۔۔ جو مہاجر بن کر یہاں آئے۔۔۔۔ جن جن حضرات کو علامہ ایسے موقعوں پر آگے لائے۔۔۔ ان میں سے کچھ باقی ہیں اور کچھ اگلے جہان سدھار چکے ہیں۔۔۔ اس سے ثابت ہوا کہ مرحوم نے
کبھی بھی مہاجر وغیر مہاجر کے درمیان غیریت کی حد قائم نہیں کی۔۔۔ سب سے زیادہ شور وغوغا اس وقت مچا کہ جب اسلام آباد کونشن میں آپ شریک نہ ہوئے۔۔۔ کیوں کر نہ ہوئے۔۔۔ یہ بالکل واضح امر ہے۔۔۔ کہ کونشن یا احتجاج اس وقت کیا جاتا ہے جب اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو۔۔۔ جب تمام راستے مسدود ہو چکے ہوں۔۔۔ یہی موقف ان حضرات کا تھا۔۔۔ مگر جناب۔۔۔! ارے، ارے کا شور مچ گیا۔۔۔ چلیے مان لیا کہ وہ حکومت کے خریدے ہوئے تھے۔۔۔ باقی تو بھی خود دار اور مذہب کے ہمدرد تھے تو کیا مطالبات منوا لیے؟۔۔۔۔!!

مگر قارئین!۔۔۔۔ مسئلہ بکاؤ یا غیر بکاؤ کا نہیں۔۔۔ پالیسی کا ہوتا ہے۔۔۔ اگر آپ غیر مذاہب کے اجماع کو باطل قرار دیتے ہیں۔۔۔ تو آپ کا اجماع کون سا آسمان سے تصدیق شدہ ہو جائے گا۔۔۔ اگر کہیے کہ اجماع اور احتجاج میں فرق ہوتا ہے تو اجماع کسی گھسیارے کا نام نہیں۔۔۔ بلکہ کسی بات پر متفق ہو جانے کو اجماع کہتے ہیں۔۔۔ اور اجماع ہمیشہ غیر معصوم کیا کرتے ہیں۔۔۔ لہٰذا کوئی اس کے حق میں ہوتا ہے اور کوئی حق میں نہیں ہوتا۔۔۔ رہ گئی بات تعداد کی۔۔۔ تو جب تمام غیر معصوم ہیں تو قلت و کثرت کا معیار کیا رہا۔۔۔ اور پھر جو علماء صدر سے ملے تھے۔۔۔ وہ بھی یہی مطالبات لے کے گئے تھے۔۔۔ نہ کہ وہاں چڑی چھکا کھیلنے گئے تھے۔۔۔ اور پھر مزے کی بات یہ ہے کہ جو جواب حاضرین کونشن کو ملا۔۔۔ وہی ان علماء کو ملا جو کونشن میں نہیں تھے۔۔۔ تو پھر جیتا کون؟ وہ چند حضرات یا وہ کثرت افراد۔۔۔ جو وہاں ایک بندہ مردا کے آنسو گیس کی وجہ سے آشوب چشم کا شکار بھی ہو گئی۔۔۔ ہر مسئلہ میں انتہاپسندی سے کام لیا جائے تو بنتے کام بگڑ جاتے ہیں۔۔۔ ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ حکومت سے مراعات لینے والے علماء بھی ہم میں تھے۔۔۔ اور ہیں۔۔۔! جنہوں نے پلاٹ لیے، رشتہ دار نوکر کروائے، گاڑیاں وصول کیں یا بینک بیلنس بڑھائے۔۔۔ مگر جن کی بات ہم کر رہے ہیں۔۔۔ وہ تو آج تک ایک اسکوٹر نہ خرید سکے۔۔۔ اور جو بکاؤ کا نعرہ لگاتے تھے۔۔۔ ان کا بینک بیلنس، گاڑیاں اور جائیدادیں آپ گن لیجیے۔۔۔۔ وہ علمائے

اسلام جو تقریری و تحریری دونوں لحاظ سے کورے ہیں۔۔۔۔ محض مدرسہ کی ماہوار تنخواہ جن کی ظاہری آمدنی ہے۔۔۔ان کی تین تین گاڑیاں تیس تیس لاکھ کی کوٹھیاں بلاشرکت غیرے ملکیت ہیں۔۔۔کوئی بتاسکتا ہے کہ یہ سب کچھ کہاں سے آگیا؟

حقیقت وہ نہیں ہوتی جو شو کی جاتی ہے۔۔۔لیکن خیر یہ مادی اشیاء۔۔۔ان کو تو ایک دن یہیں رہ جانا ہے۔۔۔ایک جسم بے چارہ ہوگا یا کرمامادی روح ہوگی۔۔۔جنہیں قبر اور حشر میں نچوڑا جائے گا۔۔۔لیکن ہم یہ ضرور کہیں گے کہ اگر حکومت کو مشورہ مانگنے پر صحیح مشورہ دینا (عمل کرنا نہ کرنا اس کی مرضی ہے) اور اپنے مذہبی حقوق کے لیے رہنمائی کرنا۔۔بغیر کسی لالچ کے، بکاؤ ہونے کی دلیل ہے۔۔۔تو بعد معذرت عرض ہے کہ کیا حضرت علیؑ سے لے کر امام حسن عسکریؑ تک جو اپنے اپنے وقت کی حکومتوں کو مشورہ دیا کرتے تھے۔۔۔باوجود دشمنی کے۔۔۔تو کیا معاذ اللہ یہ سب بکے ہوئے تھے؟

بار دیگر یاد دہانی کرانا شاید مناسب ہو کہ اس وقت لکھنؤ یا ہندوستان کے ان علماء میں سے ایک بھی باقی نہیں رہا۔۔۔جن کی شبانہ روز محنتوں اور خدمتوں کے بل پر پاکستان میں شیعیت کو فروغ ہوا۔۔۔اور لاکھوں غیر شیعہ شیعہ ہوئے۔۔۔یا جو زینتِ مجلس و منبر ہی نہیں۔۔۔زیب مدارس اور مجسمہ ہائے اخلاق بھی تھے۔۔۔اور جن کے علم کا غیروں کو بھی اعتراف تھا، جن میں ہر ایک اپنی اپنی جگہ سند کا درجہ رکھتا تھا۔۔۔اب ماشاء اللہ ہمارے اپنوں کی شاہی ہے۔۔۔جنہیں سنی سے شیعہ کم بلکہ شیعہ سے وہابی بنانے میں مہارت تامہ حاصل ہے۔۔۔ابھی بھی چند نابغہ روزگار ہستیاں ہمیں میسر ہیں۔۔۔ہمیں ان کی قدر کرنی چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم لکیر کے فقیر والی روایت قائم کیے ہیں۔۔۔اور جیسے ہم نے لکھنؤ اور یہاں کے مخلص علماء کی حقیقتاً قدر نہیں کی۔۔۔بلکہ ہندوستانی و پاکستانی کے چکر میں پڑے رہے۔۔۔یا ہوائیاں اُڑانے والوں کی باتیں آنکھیں بند کر کے تسلیم کرتے رہے۔۔۔اس طرح چند بچے کھچے اہل درد علماء حضرات کو بھی۔۔۔کہیں گنوا نہ بیٹھیں۔۔۔۔بزرگ لوگ، ان بزرگ علماء کو جواب ہم میں

نہیں ہیں۔۔۔یاد کرتے ہیں تو ہائے ہائے کرتے ہیں۔۔۔انہیں پہلے کی نسبت اب مزید پتہ چلا ہے کہ وہ کتنے قیمتی لوگ تھے۔۔۔مگر ہماری روایت یہ رہی ہے کہ ہم زندگی میں تو بے اعتنائی برتتے ہیں۔۔۔اور ایسے لوگوں کی کتر بیونت میں لگے رہتے ہیں۔۔۔اور جب وہ چلے جاتے ہیں تو سوائے سر پیٹنے کے اور ٹھنڈی آہیں بھرنے کے کوئی چارہ نہیں رہتا۔۔۔۔!!!

بہتر ہے کہ زندگی میں ان لوگوں سے محبت کریں اور ان کی قدر کریں ان سے استفادہ کریں ان کی علمی و اخلاقی گفتگو اور ان کی دوررس نتائج کی حامل باتوں کو غور سے سنیں۔۔۔نہ کہ بعد مردن۔۔۔اُن کی ضرورت پڑنے پر ہاؤ، وہو کرنے لگ جائیں۔۔۔جو سوائے لکیر پیٹنے کے کچھ کام نہیں آتی۔۔۔کیا خوب تجزیہ کیا ہے شاعر نے ہماری اس روایت کا کہ:

جب مر گئے تو آئے ہمارے مزار پر
پتھر پڑیں صنم، ترے ایسے پیار پر

بعض مجبوریوں کی بنا پر ہم اتنا کچھ عرض نہیں کر سکے۔۔۔ مذکورہ شخصیت۔۔۔ یعنی علامہ محمدی صاحب قبلہ کیا تھے۔۔۔! واقعی وہ اپنی جگہ اتنے گہرے تھے کہ شاید انہیں سمجھنے کے لیے اہل خرد کو بھی خوردبین لگانا پڑتی تھی۔۔۔۔ جنہوں نے انہیں دیکھا، سنا اور پھر سمجھا۔۔۔ ان کے بارے میں تو وہی بتا سکتے ہیں کہ وہ کس قدر دردمند قوم و مذہب تھے۔۔۔ جبکہ اندھا کیا جانے بسنت کی بہار۔
خداوند کریم بطفیل محمد و آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔۔ انہیں کروٹ کروٹ جنت عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

"حق مغفرت کرے۔۔۔ عجب آزاد مرد تھا"۔۔۔!

تاثرات۔۔۔۔۔!

میری یادیں۔۔۔۔"آبلہ پا مسافر کے ساتھ"

تحریر: جاوید درانی، سینئر جرنلسٹ، صدر پاکستان جرنلسٹ ریسرچ فورم، کراچی

مولانا شبیہ الحسنین محمدی سے۔۔۔۔ ۴۰ سالہ سیاست۔۔۔اور سیاسی رفاقت اور دوستی۔۔۔میری زندگی کا حاصل ہے۔۔۔۔لدھیانہ سے لے کر۔۔۔ریاست خیر پور (سندھ) تک۔۔۔کئی واقعات ومشاہدات کا گواہ ہوں۔۔۔!!

دیدۂ بینا۔۔۔۔مولانا شبیہ الحسنین محمدی۔۔۔۔!

قافلہ جمہوریت کے نقیب۔۔۔۔!

بے تکان خطیب۔۔۔۔۔!

طرحدار ادیب۔۔۔۔!

سخن فہم ہونے کے ساتھ ساتھ سخن ور۔۔۔۔۔!

سیاست کے داؤ پیچ سے بہرہ ور۔۔۔۔۔۔۔۔!

آئیڈیل جمہوریت کے خواہاں سیاست داں۔۔۔۔۔۔۔۔۔!

آل انڈیا مسلم لیگ کے کارکن۔۔۔۔۔۔۔۔۔!

شہید ملت خان لیاقت علی خان کے دستِ راست۔۔۔۔۔۔۔!

ادب کے شیدائی۔ جمہوریت کے فدائی۔۔۔۔۔۔!

حضرت سید سکندر علی شاہ پیر پگارا اور سید غوث علی شاہ کے سیاسی اتالیق۔۔۔۔۔!

دوستوں کے دوست، بلکہ دشمنوں کے بھی دوست۔۔۔۔۔۔!

خنے کی نے کو۔۔۔لبوں کے حوالے کرنے سے قبل۔۔۔دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور انگشت شہادت سے کھیلتے ہوئے۔۔۔! مولانا شبیہ الحسنین محمدی کو دیکھتے ہوئے بقول "جوش ملیح آبادی" دل سے یہی آواز اٹھتی ہوئی محسوس ہوتی ہے کہ

"ابھی اگلی شرافت کے نمونے" پائے جاتے ہیں۔

مولانا شبیہ الحسنین محمدی پاکستان کے وہ واحد سیاسی رہنما، عالم دین، مفکر اسلام کہ سات عشروں پر محیط طرز زندگی اور ظاہری وضع قطع سے سرمو انحراف نہ کیا۔

میری نصف صدی تک مولانا سے نشست وبرخاست رہی۔

مولانا شبیہ الحسنین محمدی پاکستان کے وہ واحد سیاسی رہنما کہ جن کی چھ سات عشروں پر محیط بھرپور سیاسی زندگی کے دوران ان گنت نشیب و فراز آئے۔ مگر انہوں نے اپنی "بود و باش" طرز زندگی اور ظاہری وضع قطع سے سرمو بھی انحراف نہ کیا۔

مراد آباد، بدایونی کے علاقے کی کاٹ دار شیروانی اور لکھنوی پاجامہ، ان کا لباس اور خلوت و جلوت میں حقہ اُن کا ہمدم و ساز رہا۔ جسے یار لوگ مولانا شبیہ الحسنین محمدی کا امتیازی نشان بھی کہتے ہیں۔

جہاں تک مولانا شبیہ الحسنین محمدی دوستوں کا دوست اور دشمنوں کا بھی دوست ہونے کا تعلق ہے، تو اس کی ہلکی سی جھلک کے لئے یہ واقعہ ہی کافی ہوگا کہ اُن کی طرف سے سالہا سال سے حلقۂ احباب میں (انتہائی خاموشی سے) مالی اعانت کا سلسلہ جاری رہا۔ یہ سلسلہ ایک تہائی صدی سے زائد عرصہ تک جاری رہا۔ مولانا شبیہ الحسنین محمدی کا حلقۂ احباب سیاست دانوں، اخبار نویسوں، انشاء پردازوں، قانون دانوں، دانشوروں، شعراء اور سول سروس تک پھیلا ہوا تھا۔۔۔۔!!

مولانا شبیہ الحسنین محمدی بنیادی طور پر ایک مجلسی شخصیت تھے، یہ خصوصیت آل انڈیا مسلم لیگ سے سیاسی زندگی کا آغاز کرنے کی وجہ سے اُن کے حصے میں آئی کہ اس جماعت کے مقتدر رہنما اپنے اپنے وقت میں مکانوں کی بیٹھکوں اور جماعت کے دفتروں میں سیاسی کارکنوں، عقیدت مندوں اور عام لوگوں سے مختلف سیاسی و سماجی اور زندگی کے دیگر شعبوں سے متعلق امور پر تبادلہ خیال کیا کرتے تھے تاکہ انہیں سیاسی کارکنوں اور عام لوگوں کے مسائل سمجھنے اور سمجھانے کا موقع ملتا ہے۔

آپ ۱۹۱۷ء میں "سرسی"، ضلع مراد آباد میں پیدا ہوئے، آبائی وطن بدایوں تھا۔ بعد تقسیم ریاست خیر پور (سندھ) میں آباد ہوئے، اور یہاں ہر قسم کی بے سروسامانی کے باوجود مہاجرین کی آباد کاری میں غیر معمولی طور پر حصہ لیا۔ خیر پور کی شہری زندگی میں آپ کی خدمات ایک نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔

ریاستی حکومت کی کامیابی کے لئے مولانا شبیہ الحسنین محمدی نے جس خلوص سے حکومت کے ساتھ تعاون کیا، اسے ارتقائے خیر پور کی تاریخ میں ایک ممتاز مقام حاصل رہے گا۔ آپ عصر حاضر کے ایک سحر بیان مقرر، اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں ایسی ساحرانہ تقریر کرتے کہ مجمع آپ کا دم بھرنے لگتا۔ تقریر کے علاوہ تحریر پر بھی کافی مقام حاصل رہا۔

جیسا کہ میں جانتا ہوں نصف صدی کا قصہ ہے، ایک دو دن کی بات نہیں۔ مولانا سے میری رفاقت نصف صدی پر محیط ہے۔ وہ میرے صاحب علم دوست بھی تھے۔ مولانا شبیہ الحسنین محمدی جو فیصلہ کرتے، بڑے سوچ و بچار کے بعد کرتے اور اس کے بعد جو فیصلہ کرلیں اس پر ڈٹ جانا ان کی شخصیت کا خاصا وصف تھا۔ سچے اور کھرے فیصلے کے بعد انہیں جھکانا یا فیصلہ بدلنے پر مجبور کرنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ اور پھر کوئی فیصلہ کرنے کے بعد جس انہماک اور لگن کے ساتھ حصول مقصد کے لئے سرگرم عمل

ہونے کی قدرت رکھتے۔ یہ سب کچھ انہی کا حصہ ہے، اور مجھے اسی ماحول میں تربیت حاصل کرنے کا موقع ملا۔ اپنی انہی خصوصیات کے باعث مولانا شبیہ الحسنین محمدی نے آل انڈیا مسلم لیگ میں پہلے سے موجود قدآور سیاسی شخصیتوں کے ہوتے ہوئے نمایاں مقام حاصل کیا۔

راقم الحروف کے مولانا شبیہ الحسنین محمدی جیسے بطلِ جلیل انسان کے بارے میں تاثرات یہ ہیں کہ:

''مولانا کو روپے، پیسے اور جاہ و منصب کا کوئی لالچ نہ تھا۔۔۔ وہ درویش آدمی تھے''

انہوں نے بیداریٔ ملت کے لئے جلسے کیے۔ اس راہ میں تکلیفیں اور مصیبتیں بھی جھیلیں۔ جیلیں کاٹیں۔۔۔ سیاست کے میدان میں انہوں نے رضا کاروں اور جانثاروں کی ایک بہت بڑی کھیپ تیار کی۔ آل انڈیا مسلم لیگ قائدِ اعظم کی قیادت میں عوامی تنظیم کا روپ دھار رہی تھی۔ چنانچہ مولانا محمدی ''اقبال پارک'' (جسے ان دنوں منٹو پارک کہتے تھے) کے مارچ ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ کے جلسے کو سننے خود گئے تھے، اُن کا بیان ہے: میں نے اس جلسے کی ساری کارروائی خود سنی۔ حضرت قائدِ اعظم کی تقریر سُنی اور میاں منظر بشیر احمد کی وہ نظم بھی سُنی جو اس جلسے کے بعد پورے ہندوستان میں زبان زد خاص و عام ہوئی۔ اس نظم کے تین شعر ہیں:

ملت کا پاسباں ہے، محمد علی جناح
ملت ہے جسم و جاں ہے، محمد علی جناح
لگتا ہے جا کے ٹھیک نشانے پہ جس کا تیر
ایسی کڑی کماں ہے، محمد علی جناح
لاہور اپنے بخت پہ نازاں ہے کیوں نہ ہو
آج اپنا میہماں ہے، محمد علی جناح

مولانا شبیہ الحسنین محمدی بتاتے ہیں کہ جب میاں بشیر احمد اپنی نظم پڑھ چکے تو حفیظ جالندھری اسٹیج پر بیٹھے تھے۔ آپ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ اسی زبان میں ایک شعر ابھی ہوا ہے، اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے یہ شعر پڑھا:

جلتی ہے جو سفینۂ ہندوستاں میں آگ
اس آگ کا دُھواں ہے، محمد علی جناح

آل انڈیا مسلم لیگ کا ریکارڈ ہے، جس میں واشگاف الفاظ میں مولانا شبیہ الحسنین محمدی نے کہا کہ جس کو سیاسی کام کرنا ہے، وہ مسلم لیگ میں شامل ہو جائے۔ ظاہر ہے مولانا کا سیاسی ذہن بن چکا تھا کہ سیاسی کام کرنا ہے۔ چنانچہ وہ مسلم لیگ میں شامل ہوئے اور آخری وقت تک ان کا یہی منشور رہا۔ میری چالیس سال رفاقت نے مجھے مولانا سے حاصل کرنے کا بہترین موقع ملا۔ وہ میرے سیاسی

مرشد۔۔۔۔میرے بزرگ دوست تھے۔۔۔یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مولانا شبیہ الحسنین محمدی عظیم محب وطن۔۔۔سچے، پکے اور کھرے پاکستانی۔۔۔نظریاتی طور پر پاکستان کی سالمیت کے علمبردار تھے۔

مولانا شبیہ الحسنین محمدی جب طویل سیاسی سفر کو بیان کرتے تو اس موقع پر سید غوث علی شاہ سابق وزیر اعلیٰ سندھ، جسٹس سپریم کورٹ سید زوار حسین جعفری۔ جسٹس علی اسلم جعفری، سید محمد کوثر زیدی وغیرہ۔۔۔۔ہم سب بڑے انہماک سے مولانا کی گفتگو سنتے۔۔۔یہی عمل ہماری تربیت کا تھا۔ داستان کو بیان کرتے ہوئے وقت یوں لگتا کہ مولانا شبیہ الحسنین محمدی کے چمنستان میں نواب زادہ لیاقت علی خان، مولانا حسرت موہانی، علامہ بشیر احمد عثمانی جیسے قد آور سیاسی رفیقوں کی مہک رقصاں ہے۔ پیر صاحب پگارا مرحوم۔۔۔۔آپ کے خاص دوستوں میں شمار کیے جاتے تھے۔۔۔۔حضرت پیر صاحب پگارا مرحوم اور جناب سید غوث علی شاہ صاحبان کی سیاسی تربیت میں مولانا شبیہ الحسنین محمدی کا بڑا کردار ہے۔

مولانا شبیہ الحسنین محمدی کے فرزندوں کو آج یہ سعادت نصیب ہوئی کہ آثار محمدی کو زندہ رکھ سکیں۔۔۔میری دعا ہے خداوند عالم سے کہ محمد کاظم حسین فرزند مولانا محمد نذر الحسنین اور جعفر اعجاز محمدی فرزند مولانا فخر الحسنین محمدی کو بھی اپنے آباؤ اجداد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آثار محمدی کے حقیقی وارثوں میں سے قرار دیتے ہوئے علوم آل محمدؐ سے ان کے قلوب کو مزین فرمائے۔(آمین)

تاثرات۔۔۔!

جناب ملک مختار حسین صاحب ایم۔اے، کوٹ بہادر شاہ ضلع جھنگ

آج مورخہ ۲۲ جنوری ۲۰۱۰ء کو جناب مولانا فخر الحسنین محمدی (خیر پور میرس، سندھ) کی ایک عدد کال موصول ہوئی اور یہ حکم صادر فرمایا گیا کہ میں اپنے مشاہدہ اور رفاقت کی روشنی میں وہ معلومات اور تاثرات لکھوں جو میں نے علامہ موصوف (علامہ شبیہ الحسنین محمدی فاضل مشرقیات) سے اخذ کئے۔۔۔ یا ان کے زیر سایہ گزرے لمحات کا احوال بیان کروں۔ کیونکہ آپ کے بڑے صاحبزادہ افتخار العلماء جناب مولانا نذر الحسنین صاحب محمدی علامہ موصوف کی زندگی پر ایک کتاب مرتب کر رہے ہیں۔۔۔ اور خواہش کرتے ہیں کہ ان کا کوئی پہلو تشنہ نہ رہ جائے۔ ظاہر ہے یہ حق فرزندگی بھی ہے اور فریضہ بھی۔ جبکہ اس میں میری واجبی سی شمولیت خارج از امکان نہیں ہو سکتی ہے اور یقیناً یہ لمحات جہاں میرے لئے ایک حکم کا درجہ رکھتے ہیں وہاں میرے لئے ایک آنر اور حوصلہ افزائی و عزت افزائی کے مترادف بھی ہے۔۔۔۔ بس اس حکم کی تعمیل و تکمیل کے لئے قلم لے کر بیٹھ گیا ہوں اور کوشش کر رہا ہوں کہ اپنی کم علمی اور کم مائیگی کے باوجود اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں وہ تاثرات و مطالب بیان کر سکوں جو میرے دل و دماغ میں موجود ہیں۔

برسوں بیت جانے کے باوجود آج بھی علامہ موصوف کو مرحوم لکھتے ہوئے قلم تھرا رہا ہے۔ کلیجہ منہ کو آتا ہے اور ہاتھ پاؤں پھولے جا رہے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اپنے جذبات و احساسات پر قابو رکھنا بھی مشکل نظر آرہا ہے۔ اس کا سبب بھی بڑا واضح ہے کہ

جب ایک شخصیت آپ کی زندگی میں انقلاب برپا کردے۔۔۔۔!
آپ کو حیوانیت سے نکال کر انسانیت کا روپ دے۔۔۔۔۔!
آپ کو جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکال کر علمی زیور سے آراستہ کردے!
اور پھر ان راستوں کا مسافر بنادے جو کبھی نہ بھٹکنے والے ہوں۔۔۔۔!
تو پھر آپ کیونکر انہیں فراموش کر سکتے ہیں۔۔۔!!!

۱۹۷۶ء کو میں نے علامہ موصوف کے در اقدس واقع نواب پیلس لاہور میں حاضری دی اور میری یہ حاضری جناب مولانا سید سجاد حسین بخاری (فتح شاہ) ضلع جھنگ کے توسط سے ہوئی۔ (ایسے میں اگر میں قبلہ بخاری کا ذکر نہ کروں تو یہ میری انتہائی بددیانتی اور بخل ہوگا۔ آپ علامہ موصوف کے انتہائی چہیتے شاگردوں میں سے ہیں اور ہمیشہ آپ کی گڈ بک میں رہے، اگر میں آپ کو ان کا خلیفۃ بلا فصل کہوں تو ہرگز بے جا نہ ہوگا) وہ میرا لڑکپن تھا اور میں نے مڈل کر رکھا تھا، آپ نے مجھے مزید تعلیم جاری رکھنے کا حکم دیا، میں نے میٹرک کیا تو فرمانے لگے یہ میٹرک کیا چیز ہوتی ہے؟ ایف اے

کرو، یونہی کرتے کرتے مجھے ایم اے سیاسیات کروادیا۔ یہ تو تھی ان کی مجھ سے محبت وشفقت کہ جس کی بدولت آج میں کچھ لکھنے پڑھنے کے قابل ہوا۔

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ جب میں لاہور آیا تو علامہ موصوف ایک دینی درس گاہ مظفر المدارس مدرسۃ الواعظین لاہور کے منتظم و ناظم تھے۔ یہ مدرسہ جناب نواب مظفر علی خان قزلباش (سابق وزیر اعلیٰ مغربی پاکستان) کی زیر سرپرستی قائم کیا گیا تھا اور اس کا قیام بھی علامہ موصوف کی کاوشوں ہی کا نتیجہ تھا۔ قبلہ محمدی صاحب کی شہ ورغبت پر ہی علامہ مرزا یوسف حسین صاحب (مفسر میزان الایمان من آیات الفرقان) مدرسہ کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ اس مدرسہ ہی کا یہ شرف ہے کہ علامہ مولانا سید مرتضیٰ حسین صاحب (صدر الافاضل) جیسی نابغۂ روزگار شخصیت درس و تدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے اور علامہ مولانا محمد عارف صاحب قبلہ (ممتاز الافاضل) شرافت و عفت کا پیکر تادم مرگ اس مدرسہ کا حصہ رہے۔ ایک بات ریکارڈ پہ رہے کہ علامہ مرتضیٰ حسین صاحب نے آقائے خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کی زندگی پر ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام "آقائے خمینی قم سے قم تک" ہے۔ یہ ایک تاریخ ساز اور ضخیم کتاب ہے جس سے اہل علم ودانش اور تاریخ کا طالب علم ہمیشہ مستفید ہوتا رہے گا۔ میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مذکورہ مدرسہ کا قیام اور مذکورہ علمائے کرام کی تشریف آوری قبلہ محمدی صاحب ہی کی کاوشوں کا ثمر ونتیجہ ہے۔ علامہ موصوف خود بھی مدرسہ کا انتظام و انصرام اور درس وتدریس کا فریضہ بخوبی نبھاتے رہے، چونکہ آپ کسی ایک مخصوص شعبہ ہائے زندگی میں مقید رہنا پسند نہیں کرتے تھے، لہٰذا اپنی مصروفیات کو کئی حصوں میں بانٹ رکھا تھا۔ آپ تحریر وتقریر میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور آپ کی ہر تحریر وتصنیف چیلنج کی حیثیت رکھتی تھی۔ آپ کی دیگر تصانیف میں سے "اسلامی قانون سزا" یقیناً دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے اور پڑھے لکھے حلقوں میں اسے بہت پزیرائی ملی ہے۔ آپ قیام لاہور کے دوران سینکڑوں مجالس ومحافل اور سیاسی سرگرمیوں کا حصہ رہے۔ آپ وقتاً فوقتاً ریڈیو، ٹی وی اور قومی اخبارات میں جلوہ گر رہے۔ علاوہ ازیں مذہبی اخبارات وجرائد میں آپ کا طوطی بولتا تھا۔ آپ کا ہر مضمون دلائل وبراہین سے مزین ہوتا تھا کسی کے ساتھ دوستی کرتے تو دلائل کے ساتھ اور کسی کے ساتھ اختلاف تھا وہ بھی مدلل۔۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ مثبت سوچ ورویہ کے مالک تھے وہ آپ کے حلقۂ احباب میں جوق در جوق شریک ہوتے گئے اور مفاد پرست سوائے حسد کے اور کچھ نہ کر پائے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ کسی بھی اہل علم شخصیت کو پرکھنا ہو تو کم از کم تین شعبے مدنظر رکھے جاتے ہیں یعنی قومیات، سیاسیات، اور معاشرت۔ کوئی شخص ان شعبہ ہائے علمی میں ایک حد تک پورا اُترتا ہو۔۔۔ تو اسے کامیاب انسان تصور کیا جاتا ہے اور اس کی علمی صلاحیت وخدمت کو سراہا جاتا ہے جبکہ اس سے کم یا ثانوی حیثیت کو ایک حد تک پزیرائی ملتی ہے۔ میں نے بزعم خود علامہ موصوف کو مذکورہ

تینوں شعبوں میں ایک فلاسفر کی حیثیت میں جانا ہے، جس کا بین ثبوت وہ اہل علم و قلم کار ہیں جنہوں نے اپنی تحریر و تقریر میں آپ کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا ہے۔ آپ قومیات کے میدان میں ہمیشہ نمایاں پوزیشن میں رہے اور قومی و مذہبی جماعت ''مجلس عمل شیعہ علمائے پاکستان'' کے جنرل سیکریٹری رہے، اور اسے احسن طریقہ سے چلایا کہ پورے ملک میں شیعوں کی واحد نمائندہ جماعت بن کر ابھری اور قومی حقوق کے تحفظ کا بھرپور حق ادا کیا۔ آپ نہ صرف جید علماء کی صف میں شامل تھے بلکہ ایک زیرک اور منجھے ہوئے سیاستدان بھی تھے۔ یوں تو آپ نے سیاسی زندگی کا آغاز بہت کم عمری یعنی قائد اعظم کے زمانے میں ہی کر دیا تھا۔ تحریک پاکستان میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ خان لیاقت علی خان مرحوم کے دور میں آپ کافی شہرت پا چکے تھے اور یہ سلسلہ تا دم آخر چلتا رہا۔

۱۹۷۷ء کے بعد جو کچھ میں نے دیکھا، پرکھا اور قریب سے مشاہدہ کیا۔۔۔ تو یقیناً آپ مسلمہ اصول پرست سیاستداں کے طور پر نظر آئے۔ آپ نے کبھی اصولوں پر سودا بازی نہیں کی۔ بڑی بڑی مشکلات و مصائب کا سامنا بڑے حوصلہ سے کیا مگر اصولی سیاست سے ذرہ برابر پیچھے نہیں ہٹے۔ میں نے بڑے بڑے سیاستدانوں کو آپ کے دولت کدہ پر آتے دیکھا جن میں چیدہ چیدہ یہ ہیں:

نوابزادہ نصر اللہ خان، پیر صاحب پگارو، مرتضیٰ پویا صاحب، اصغر خان (تحریک استقلال) کوثر نیازی صاحب (سابق وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات)، غلام اکبر ساقی صاحب جبکہ علماء، وکلاء، دانشور، ادیب، عقلاء اور شعراء کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ یہ بات تو سیاسی مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آپ نے کبھی دولت و ثروت کے حصول یا سستی شہرت کے لئے میدان سیاست میں حصہ نہیں لیا، بلکہ ہمیشہ قوم و ملت کی خدمت کو ہی اپنا مطمع نظر قرار دیا، جس کا منہ بولتا ثبوت آپ کی سادہ و درویشانہ زندگی تھی۔ حق گوئی و بے باکی آپ کا طرۂ امتیاز رہا ہے اور اس معاملہ میں نہ تو کبھی لیت و لعل سے کام لیا اور نہ ہی کبھی کسی سے کوئی معاملہ کیا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جنرل ضیاء الحق نے اسلام آباد میں علماء و مشائخ کانفرنس بلائی جس میں ملک بھر کے علمائے کرام و مشائخ عظام، ادیب و دانشور اور ملک کی دیگر ممتاز شخصیات نے بھرپور شرکت کی۔ اس کانفرنس میں قبلہ علامہ موصوف کو نہ صرف شرکت کی دعوت دی گئی بلکہ بطور مقرر بھی مدعو کیا گیا تھا۔ مقررین میں آپ کے پیشرو جناب اے۔ کے بروہی تھے (اے۔ کے بروہی وہ شخصیت ہیں جو نہ صرف ایک علمی مقام رکھتے تھے بلکہ ضیاء الحق کی حکومت چلانے میں ان کا نمایاں اور مرکزی کردار رہا ہے) انہوں نے بڑی مدلل تقریر کی اور اسلامائزیشن پر زور دیا۔ ان کے بعد جناب علامہ موصوف کو تقریر کی دعوت دی گئی۔ آپ نے بلا جھجک اور لگی لپٹی رکھے بغیر اے۔ کے بروہی کو مثبت تنقید کا نشانہ بنا ڈالا۔ یہی نہیں بلکہ انہیں یہ چیلنج دیا کہ آپ نفاذ اسلام کی بات کرتے ہیں اور بار بار

پبلک لاء اور پرسنل لاء کی بات کرتے ہیں۔۔۔! انہیں قرآن مجید اور احادیث میں مذکورہ الفاظ کا متبادل ڈھونڈ کر دکھادیں تو وہ آپ کے دعویٰ کا پیروکار بن جائیں گے۔ آپ کی تقریر کے دوران پورے ہال میں سناٹا چھایا رہا اور یوں لگ رہا تھا کہ جیسے شرکاء کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ اور تا اختتام کانفرنس کسی میں یہ ہمت نہیں پیدا ہوئی کہ وہ آپ کے تاریخی و مدلل سوال کا جواب دیتے۔

آپ اپنے کیریئر میں مختلف حکومتی عہدوں پر فائز رہے۔ جن میں مرکزی رویت ہلال کمیٹی، مرکزی امن کمیٹی، زکوٰۃ و عشر کمیٹی اور پریذیڈنٹ ضیاء الحق کے مشیر وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ مگر ان عہدوں کے باوجود نہ کبھی مالی فائدہ اٹھایا اور نہ ہی ذاتی مفادات کے لئے لب کشائی کی۔ بلکہ ہمیشہ خودداری اور غیرت کا علم بلند کئے رکھا۔

اس میں ہرگز دو آراء نہیں ہو سکتی ہیں کہ آپ نے مذہب، سیاست اور ادب کے ساتھ ساتھ معاشرہ میں بھی اعلیٰ درجہ کا مقام پایا۔ اس کی بنیادی وجہ منصف مزاجی، مساوات اور خدمت خلق ہے۔ انہی خوبیوں کی وجہ سے بڑے بڑے لوگ آپ کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ میں یہاں یہ لکھنا بھی مناسب سمجھوں گا کہ ہمارے ضلع جھنگ کی سیاست کا مرکز و محور شاہ جیونہ کی سید فیملی ہے۔ یہ لوگ نہ صرف بڑے سیاستدان سمجھے جاتے ہیں بلکہ اول درجے کے جاگیردار بھی ہیں اور ہمیشہ سے ہمارے ضلع پر حکمرانی کرتے آئے ہیں۔ سید فیملی کے اکثر لوگ قبلہ محمدی صاحب سے نہ صرف ملنے آتے تھے بلکہ ایک قسم کی نیازمندی کا بھی مظاہرہ کرتے تھے۔ ان میں سید سلطان علی شاہ رئیس اعظم شاہ جیونہ سر فہرست ہیں جو آپ کے قدردان اور چاہنے والوں میں سے تھے۔

آپ کے نمایاں پہلوؤں میں سے ایک پہلو۔۔۔ جسے آپ نے اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا۔۔۔ وہ تھا "تنقید برائے اصلاح"۔۔!! آپ تنقید برائے تنقید یا مخالفت برائے مخالفت کے شدید مخالف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے نزدیک وہی لوگ قابل احترام و قابل تحسین تھے جنہوں نے معاشرہ میں اصلاح احوال کا بیڑہ اٹھایا اور یہی لوگ آپ کے دست و بازو بھی بنے رہے۔ آپ خود بھی بڑے نازک مزاج، حساس، حلیم الطبع اور منکسر المزاج تھے۔ یہی وجہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے واقعات پر بڑے دکھی اور رنجیدہ ہو جایا کرتے تھے۔

ایک دفعہ آپ کے ٹخنے میں چوٹ آگئی۔ میں نے آپ کو بڑا پریشان دیکھا۔ میرے پوچھنے پر فرمانے لگے: میرے یہ پاؤں ہمیشہ مظلوم، مستحق اور غریبوں کے لئے اٹھے ہیں مگر یہ سزا کیسی۔۔۔؟ (مطلب محاسبہ نفس کے عادی تھے)۔ اسی طرح ایک کم پڑھا لکھا شخص آپ کی خدمت میں برائے حصول ملازمت آیا۔ آپ نے اس کے لئے بڑی کوشش کی۔ مگر بے سود۔۔۔!!! ایک دن اچانک مخدوم سجاد حسین صاحب قریشی گورنر پنجاب نے آپ کو گورنر ہاؤس آنے کی دعوت دی، جسے آپ نے قبول فرمایا۔ مجھ سے فرمانے لگے کہ وہ آدمی کہاں ہیں جو مجھے ملازمت کے لئے کہا کرتا تھا کہ اسی

دوران مذکورہ شخص آپہنچا۔۔۔اور اس کی درخواست لے کر گورنر صاحب کو تھما دی، اور وہ سول سیکریٹریٹ لاہور میں نوکر ہو گیا۔۔۔! تقریباً آٹھ برس بعد میں کسی کام کے سلسلے میں لاہور گیا اور سول سیکریٹریٹ کے باہر کھڑا تھا کہ وہی شخص مجھے پہچان کر آملا۔ خصوصی طور پر اس نے قبلہ صاحب مرحوم کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے اُسے آگاہ کیا کہ وہ تو جہانِ فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گئے ہیں۔۔۔تو میں نے دیکھا کہ وہ شخص آبدیدہ ہو گیا اور آپ کی مغفرت کے لئے دستِ دُعا بلند کئے۔!!!

ایسی بے شمار خدمات ہیں جو آپ نے اپنی زندگی میں انجام دیں اور کبھی تفاخر سے کام نہیں لیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کی دینی، سیاسی اور معاشرتی خدمات کی فہرست بڑی طویل ہے۔ مجھ میں اتنی اہلیت وصلاحیت اور ہمت وسکت نہیں ہے کہ آپ کی شخصیت کا احاطہ کر سکوں۔ میں نے اپنی زندگی کے دس سال جو آپ کی خدمت میں گزارے، اس کی روشنی میں چیدہ چیدہ حالات وواقعات کا تذکرہ کر سکا ہوں، جو سمندر میں ایک قطرہ کے برابر ہے۔ ورنہ ان کی ہمہ جہت وہمہ گیر اور قدآور وعہد ساز شخصیت کو سمجھنے کے لئے ایک دیوان چاہیے۔۔۔۔!!

الغرض ایسی شخصیات روز روز نہیں بلکہ مدتوں اور صدیوں بعد پیدا ہوتی ہیں اور ان کی معرفت کے لئے دن اور مہینے نہیں بلکہ برسوں درکار ہوتے ہیں۔ میں تو بس دُعا ہی کر سکتا ہوں کہ:

''خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را''

حصۂ شاعری

از: مولانا محمد شبیہ الحسنین محمدی بدایونی مدیر مسئول "البرہان" لدھیانہ۔
۱۳ر فروری ۱۹۳۵ء

آئینۂ عرفاں

در مدح صاحب العصر والزماں عجل اللہ فرجہ الشریف

نگاہ شوق ہے محروم نظارہ کی لذت سے
کوئی بہلائے دل کو تاب کے ایذائے فرقت سے

مسافر ہوں سمجھ کر میں سرائے دہر آنکلا
کسی غربت زدہ کو واسطہ کیا عیش و عشرت سے

ہمیشہ مرتبہ دینا ہو غم کو شادمانی پر
رہا کرتا ہوں میں جنگ آزما قانون فطرت سے

میرے دل پر جفا و رحم کی تاثیر یکساں ہے
مزہ ملتا ہے دیوانوں کو فرقت میں اذیت سے

نہ پوچھے اب جنون کی حوصلہ افزائیاں کوئی
عروج آسماں ششدر ہے دیوانوں کی ہمت سے

ملا کر خاک میں مجھ کو فلک اب کیا مٹائے گا
بگولے حشر تک اٹھتے رہیں گے میری تربت سے

میرا دل توڑنے میں سعی لاحاصل ہے اے گردوں
کہ دب سکتا نہیں جوش جنوں اب تیری طاقت سے

لہو میں ڈوبنا اک رسم ہے دنیائے الفت کی
زمانہ دیکھتا ہے کس لئے عاشق کو حیرت سے

مرا سر کام آیا راہ جاناں میں زہے قسمت
سبکدوشی ہوئی حاصل مجھے بار امانت سے

یہی قطع رگ جاں سربلندی نے کیا ظاہر
کہ بزم لامکاں کو ربط ہے عاشق کی رفعت سے

مٹانا چاہتے ہو تم میری تربت مٹا ڈالو
نہ ہوں گے میرے لب تک آشنا حرف شکایت سے

میرا نقش قدم الفت میں اس کی رہبر حق ہے
اٹھالیں آنکھ والے فائدہ میری بصیرت سے

اگر رضواں بلاتا ہے بلائے مجھ سے کیا مطلب
رہ جاناں کے رہرو کو غرض کیا باغ جنت سے

میرا ذوق طلب ہے رہنما راہ تجسس میں
قدم میں تیزیاں آتی ہیں ہر تازہ مصیبت سے

کبھی تو میری کوشش بارور ہوکر ثمر دے گی
قیامت تک یونہی الجھا رہوں گا اپنی قسمت سے

میری ناکامیاں تمہید عیش جاودانی ہیں
کہ مل جاتی ہے راحت ایک دن تحصیل زحمت سے

پہونچ جاؤں گا میں بھی بارگاہ حسن تک ایک دن
ملا ہی دیں گے یہ جذبات صادق بزم قربت سے

سکوں نا آشنا دل کو سکوں ملتا گیا آخر
مشام جاں میں آئی تازگی تاثیر محبت سے

اشارہ کر رہا ہے انقلاب دہر عاشق کو
بر آمد ہونے والا ہے کوئی ایوان غیبت سے

نگاہِ شوق محرومِ نظارہ رہ نہیں سکتی
میں ہو سکتا نہیں مایوس مولاؑ کی زیارت سے

حمیدیؔ چھوڑ یہ بحثِ ثنا کا وقت آپہونچا
سنا مطلع جو ہو آراستہ مولاؑ کی مدحت سے

جمالِ حق تو چھپ سکتا نہیں دامانِ غیبت سے
وہ کیا دیکھے گا جو محروم ہو نورِ بصیرت سے

کسی کا اشتیاقِ دید کیا اسبابِ غیبت کیا
وہ خود آراستہ ہے حُسنِ تدبیرِ مشیت سے

دلیلِ ہستیِ معبود ہے قائمؑ کی مستوری
وجودِ حاضر و غیبت ہے ثابت اس کی غیبت سے

نہیں پیدا ہوا وہ نورِ حق گر ماہِ شعباں میں
زمانہ کس طرح معمور ہے نورِ ہدایت سے

وجودِ قائمِ آلِ عباؑ سے جو ہوا منکر
کھلا انکار کردیتا ہے خالق کی عدالت سے

عدم کو خلعتِ ہستی عطا کرتا ہے جو قادر
حیاتِ جاوداں ممکن نہیں کیوں اُس کی قدرت سے

امامِ عصر اُٹھ جائے تو دُنیا رہ نہیں سکتی
قیامِ دہر وابستہ ہے قائمؑ کی امامت سے

وجودِ قائمِ آلِ عباؑ کو جو عبث سمجھے
بصیرت مٹ چکی ہے اُس کی تاثیرِ جہالت سے

یقیں اک شاہدِ اعمال کے موجود ہونے کا
بچا لیتا ہے انساں کو گناہوں کی خباثت سے

خدا کی سُنّتِ جاری ہے حجت اِس حقیقت کی
کہ دُنیا رہ نہیں سکتی ہے خالی حق کی حجت سے

کمالِ احمدیؐ کا ہیں یہی آئینہ عالم میں
جمالِ عیسویؑ زندہ ہے اب تک ان کی عظمت سے

چراغِ نورِ حق ضوبار ہوگا بے حجابانہ
جہاں تاریک ہوجائے گا جب آثارِ ظلمت سے

فنا ہوجائے گا نام و نشاں ظلم و تعدی کا
بسے گا باغِ امکاں بوئے گلہائے عدالت سے

جدید آلاتِ حرب و ضرب سب بیکار ٹھہریں گے
وہ جس دم کام لیں گے اپنی لاہوتی شجاعت سے

طلسمِ ساحرانِ عصرِ حاضر بے نشاں ہوگا
کہاں سائنس کو نسبت ہے۔۔۔ الٰہی علم و حکمت سے

حقیقت کیا ہے استبداد کی کورانہ طاقت کی
کہ شیطاں لرزہ بر اندام ہے اُن کی سیاست سے

طہارت ہی طہارت کا عمل رہ جائے گا باقی
زمانہ پاک ہوجائے گا افواجِ نجاست سے

حکومت حق کی خود توحید کا کلمہ پڑھا دے گی
ہویدا ہوگی وحدت چار سو آغوشِ کثرت سے

مصلائے خلیلی کی بھی قسمت جاگ اٹھے گی
امامت جلوہ فرما ہوگی کچھ آگے نبوت سے

حمیدیؔ تیری مداحی اگر مقبول ہوجائے
تو بگڑے کام بن جائیں گے سب شہ کی عنایت سے

فلک زور آزما ہے آج کل مجھ سے میرے مولاؑ
کوئی شہ عنایت کیجئے اپنی شجاعت سے

میں مدت سے پریشاں دل، پریشاں عقل ہوں مولاؑ
رہا کر دیجئے مجھ کو میری ذہنی مصیبت سے

زمانہ چین ہی لینے نہیں دیتا کسی پہلو — زمین و آسماں معمور ہیں میری عداوت سے
میں سرکش اور غافل ہی سہی چشم عدالت میں — مگر لپٹا ہوا ہوں آپؐ کے دامانِ دولت سے
مری ناکامیوں کو کامیابی سے بدل دیجے — کہ عالم بہرہ ور ہے آپ کے فیضِ سخاوت سے

❀❀❀❀❀

از: مولانا محمد شبیہ الحسنین محمدی بدایونی مدیر مسئول "البرہان" لدھیانہ

۱۰ نومبر ۱۹۳۳ء

پیمانۂ عرفاں

بہار آئی وہ گلشن بن گیا رشکِ پری خانہ
حجابِ حُسنِ گل اٹھا یہ اندازِ عروسانہ

نمو نے شاخِ گل میں پھونک دی روحِ توانائی
اٹھایا پھول نے سر جھوم کر بانداز شاہانہ

تبسم زیرِ لب انگڑائی پر انگڑائی اُف توبہ
سجا رکھی ہے کلیوں نے چمن میں بزمِ مستانہ

ہر اک پتی لباسِ سبز سے آراستہ ہو کر
حضورِ گل میں ایستادہ ہے با وضعِ کنیزانہ

نچھاور کر رہی ہے بادِ صبح شبنمی موتی
گلے ملتے ہیں گل جیسے کہ مستانے سے مستانہ

نشے میں لالہ خود رو کی آنکھیں بھی چمک اٹھیں
جوابِ جنتِ رضواں بنا صحرا کا کاشانہ

نسیمِ صبح اتراتی ہوئی پھرتی ہے گلشن میں
کہیں سبزے کو ٹھکرانا، کہیں غنچوں سے اٹھلانا

نگاہِ ناز سے نرگس نے جنگل پر نظر ڈالی
سنواری زلفِ سنبل نے بنا کر پھول کا شانہ

نزاکت کا یہ عالم ہے کہ بیلوں کی کلائی میں
ہزاروں بل پڑے ہوتے ہیں مثلِ زلفِ جانانہ

نظر بازی میں ہر گل دوسرے سے بڑھتا جاتا ہے
جمالِ ہم نشیں کو جذب کرتا ہے حریصانہ

یہ فیضِ نامیہ کا ایک ادنیٰ سا کرشمہ ہے
کہ کانٹوں نے بھی اوڑھی پھول کی چادر امیرانہ

رخِ گل پر سجے ہیں اس طرح شبنم کے قطرے
مقابل آئینے کے ہوگیا ہے آئینہ خانہ

صنوبر کی ادا برما رہی ہے قلبِ بلبل کو
جمالِ سرو، قمری کو کئے دیتا ہے دیوانہ

حسینانِ چمن بھی بڑھ رہے ہیں پیشوائی کو
سحابِ نو بہاری آرہا ہے ہو کے مستانہ

بڑھائے ہاتھ پتوں نے کلی نے کھول دی مٹھی
عطائے ابرِ رحمت تا کہ لوٹیں بے دریغانہ

تبسم ریز ہیں لب ہائے سوسن بزمِ گلشن میں
اشارے کر رہی ہیں نرگسِ شہلائے مستانہ

صبا حلقہ‌بگوش خاموشی ہی کرتی رہ گئی لیکن
گل نے کہہ دیا پھولوں نے ہنس کر سارا افسانہ

کہاں ہے ساقیِ مہوش کہ اب دیکھا نہیں جاتا
گلابی رنگِ گل اور لالۂ خود رو کا پیمانہ

عطا کر مجھ کو وہ ساغر بہ اندازِ قدیمانہ
جسے پی کر بھلا دوں وادیِ ایمن کا افسانہ

وہ ساغر جس کے دامن میں گلے جنت ین ملتے ہوں ۔ جسے پی کر فزوں ہو عقل اور کہلا دوں دیوانہ
وہ ساغر جو تجلی گاہ انوار حقیقت ہو ۔ وہ ساغر جس میں آجائے نظر تصویر جانانہ
وہ ساغر جو "سقاہم ربہم" کا کھینچ دے منظر ۔ وہ ساغر جس کے ہر قطرے میں ہو تصویر جانانہ
وہ ساغر جس کو پی کر ہو گئے آدم صفی اللہ ۔ وہ ساغر جس نے موسیٰ کو دیا اوج کلیمانہ
وہ ساغر نار نمرودی کو جس کے چند قطروں نے ۔ خمار خلت افزا سے کیا گلزار شاہانہ
وہ ساغر جس کی چھینٹوں نے بچائی نوح کی کشتی ۔ فضائے کوہ جودی بن گئی قصر ملوکانہ
وہ ساغر جس نے عیسیٰ کو بٹھایا چرخ چارم پہ ۔ سلیماں کے لئے جس نے بچھایا تخت شاہانہ
وہ ساغر جس کو احمد نے غدیر خم کے میداں میں ۔ اٹھا کر اپنے ہاتھوں پہ پلایا بے حجابانہ
وہی، ہاں ہاں وہی، مجھ کو پلا دے بے خطر ساقی ۔ بہک اٹھوں نشے میں اور سناؤں دکھ کا افسانہ
نہاں ہے شمع ہستی اور میں مشتاق پروانہ ۔ خدا جانے کب اٹھے گی نقاب روئے جانانہ
نہ پوچھو کچھ نہ پوچھو میرے جذبات محبت کو ۔ کہ دل کی بات لب تک آ کے ہو جاتی ہے افسانہ
تحیر ہے کہ شوق دید کو لے کر کہاں جاؤں ۔ کہ اب وحشت ہے آبادی سے ویرانہ تو ویرانہ
میرا دل گنبد خضرا کی جانب بڑھتا جاتا ہے ۔ ملا دوں گا کسی دن جذبِ آبادی سے ویرانہ
ذرا اے پردۂ غیبت کے ساکن! اتنا بتلا دے ۔ کہ کب معمور ہوگا تیرے نور رُخ سے ویرانہ
خموش اے شکوہ شیخ وجہ ہستی ہوشیارانہ ۔ کہ فردوس نظر ہے نور ربانی سے ویرانہ
زمین سامرہ ڈوبی ہوئی ہے آج جلووں میں ۔ فرشتے آسماں سے آرہے ہیں بے حجابانہ
چمک اپنے نصیبے کے ستارے کی فزوں پا کر ۔ حکیمہ گن رہی ہے آج تارے راز دارانہ
خوشی کی بات ہوتی ہے تو اپنے آہی جاتے ہیں ۔ وہ آئیں مادر عیسیٰ پئے تسکین زچہانہ
جمال صبح صادق نور افزائے دو عالم ہے ۔ کہ خورشید امامت ہو گیا طالع مسیحانہ
جناب نرجس خاتون ہیں مشغول نظارہ ۔ کہ بچہ کر رہا ہے سجدۂ حق بے حجابانہ
پدر کے ہاتھ پہ آ کر گل گلزار احمد نے ۔ سنایا کلمۂ وحدت بہ انداز حکیمانہ
شباب آئے تو وہ نام خدا تیور بتاتے ہیں ۔ اُلٹ دے گا اشاروں سے وہ ہر ایک تخت شاہانہ
بجھے گی شمع بزم شرک اس مولود کے ہاتھوں ۔ جہان کفر بن جائے گا ایماں کا طرب خانہ
یہ شان معرفت ہو جائے گی شایان عالم کی ۔ صدائے یا علیؑ دے گا ہر ایک ناقوس بتخانہ

یہ میزانِ حقیقت ہے کتاب اللہ کی صورت
حق و باطل جدا کرتے ہیں ان دونوں میں روزانہ

ذریۂ ابنِ نجیح کا یہی مصداقِ صادق ہے
لیستخلف بتاتا ہے یہی ہے وارثِ خانہ

خلیل اللہ کی بھی دعا کا آخری مظہر
لسانِ صدق بحرِ معرفت کا دُرِّ یک دانہ

یہ عبدِ مخلصِ اللہ ہے قرآن شاہد ہے
اسی کے خوف سے شیطاں ہوا جاتا ہے دیوانہ

مٹا دے گا جہاں سے نام ظلم و جور و بدعت کا
سجا دے گا یہ عدل و قسط کا اک روز کاشانہ

حیاتِ مہدیٔ دیں میں تعجب ہو نہیں سکتا
ہبیوِ عدل ہے نفسِ پیغمبر کا آئینہ خانہ

ویلقی الروح من امرہ اسی کی شان میں آیا
یہی ہے خازنِ وحیٔ الٰہی رازدارانہ

نبی کہتا ہے "ان الارض لا تخلوا من الحجۃ"
یقینِ دل کو کافی ہے یہی قولِ حکیمانہ

بس اے مداحِ قائم مانگ لے جو کچھ تمنا ہے
تیری حالت فقیرانہ ہے یہ دربار شاہانہ

نقی ابنِ تقی مشکل کشائے اہلِ امکاں ہیں
انہی کے فیض سے ہوتا ہے نخلِ بار ذروانہ

بھکاری بن کے آیا ہوں نہ خالی ہاتھ پلٹوں گا
میرے مولا دکھا دیجئے مجھے شانِ کریمانہ

تمنائیں تو لاکھوں ہیں مگر اک عرض کرتا ہوں
شراب اتنی ہی ہونی چاہئے جتنا ہو پیمانہ

جنوں خیزیٔ شوقِ علم ہے وجہ پریشانی
بنائے دے رہی ہے فکرِ فردا مجھ کو دیوانہ

مگر افکارِ دنیاوی میں وہ طوفان برپا ہے
کہ ٹوٹا جا رہا ہے میرے صبرِ دل کا پیمانہ

میرے حالِ پریشاں پہ عنایت کی نظر کیجئے
شرابِ علمِ دیں کا دیجئے لبریز پیمانہ

از: مولانا محمد شبیہ الحسنین محمدی بدایونی

بمقام سرسی، ضلع مرادآباد (ہندوستان) بتاریخ ۱۶ مارچ/ ۱۹۶۵ء

غزل

دلِ فلک میں مسلسل کھٹک رہا ہوں میں
کہ راہِ عشق میں خود اپنا رہنما ہوں میں

حدودِ ہوش میں اتنا تو آگیا ہوں میں
کہ خود انہیں کا پتہ اُن سے پوچھتا ہوں میں

کسی کو دیکھ کے ہر بار سوچتا ہوں میں
جمالِ دوست نیا ہے کہ خود نیا ہوں میں

کبھی تو کاش یہ احباب ساتھ دے دیتے
کہ اب تو اپنے مقدر پہ ہنس رہا ہوں میں

کسی کا ذکر ہے کیا خود مجھے نہیں معلوم
مری نظر ہے کہاں کس کو دیکھتا ہوں میں

تمہارا راز بھلا مجھ سے کوئی کیا لے گا
کہ جان بوجھ کے دیوانہ ہوگیا ہوں میں

زمانے بھر کے مصائب نہ کیوں مجھے ڈھونڈیں
کہ کائنات کے سینے کا مدعا ہوں میں

ضمیرِ عشق میں بھی بجلیوں کا مسکن ہے
تمہاری آنکھ سے گلشن کو دیکھتا ہوں میں

تلاشِ دوست کی منزل بھی آہی جائے گی
ابھی تو اپنے تجسس میں پھر رہا ہوں میں

چمن پہ کس کا تسلط ہے اے چمن والو!
کہ سینہ چاک ہر اک گل کا دیکھتا ہوں میں

یہ بجلیوں کا تلاطم بلا سبب تو نہیں
تیرے ضمیرِ پنہاں کو جانتا ہوں میں

کہاں ہے برق کہاں ہے خزاں، کہاں صیاد
کہ پھر سے اپنا نشیمن بنا رہا ہوں میں

یہ ڈوبنا تو ہر اک کو خدا نصیب کرے
بھنور کی گود میں ساحل کو پا رہا ہوں میں!

از: مولانا محمد شبیہ الحسنین محمدی بدایونی مدیر مسئول

بمقام سرسی، ضلع مرادآباد (ہندوستان) بتاریخ ۱۳ اپریل ۱۹۶۵ء

غزل

زباں کو حوصلۂ ذکرِ غم تو کیا ہوگا
ہوا جو سینہ میں کچھ زیر و بم تو کیا ہوگا

ہر ایک کانٹے کو ایک دوست چوم لیتا ہوں
جو تُو بھی بخش دے دو چار غم تو کیا ہوگا

تم اپنے اپنے فسانے پہ رو پڑے یارو!
سنو گے جب میری روداد غم تو کیا ہوگا

گلوں کے سائے میں تو بجلیاں برستی ہیں
ہوئے کبھی جو گرفتار ہم تو کیا ہوگا

حیاتِ عشق کے ضامن ہیں دل کے افسانے
ہمارا سر جو ہوا بھی قلم تو کیا ہوگا

جوابِ طور ہے ضبطِ الم سے میرا دل
بھڑک اُٹھا یہ چراغِ حرم تو کیا ہوگا

چمن کے صحن میں میرا قفس نہ رکھ صیاد
جو یاد آگئے ایامِ غم تو کیا ہوگا

تصادمِ نظر و دل، اک حادثہ ہی سہی
اُٹھا دیئے گئے محفل سے ہم تو کیا ہوگا

جفا و جور نے بخشی ہے زندگی مجھ کو
ہوئے وہ مائل لطف و کرم تو کیا ہوگا

یہ سوچتا ہوں کہ بیزار زندگی ہے جنون
نہ راس آئی فضائے عدم تو کیا ہوگا

مرے نصیب کے تارے تمام ڈوب چکے
وہ اب دکھائیں بھی شانِ کرم تو کیا ہوگا

زمانہ صدیوں کی تاریکیوں پہ نازاں ہے
جو سو چراغ جلائیں بھی ہم تو کیا ہوگا

ہمارے خون سے سینچا گیا ہے جو گلشن
اسی کے پھولوں کو ترسیں گے ہم تو کیا ہوگا

میں اپنے سینے کے داغوں پہ فخر کر تو لوں
جو کوئی اہل غم تو کیا ہوگا

کہیں پہ اشک کہیں پہ دھواں، کہیں پہ لہو
میرے فسانہ کا اب کیف کم تو کیا ہوگا

تسلسلِ غمِ دوراں میں کوئی لطف نہیں
دیا نہ آپ نے کچھ اپنا غم تو کیا ہوگا

تغیرات کا احساس چھیننے والے!
جو غم میں بھی نہ رہا کیفِ غم تو کیا ہوگا

ہمارا قتل تو ظاہر ہے کوئی بات نہیں
ہوا جو آپ کو احساسِ غم تو کیا ہوگا

بھری بہار میں گلشن کو لوٹنے والے
ہوا نہ ہم کو بھی احساسِ غم تو کیا ہوگا

غمِ فراق سے مر مر کے دل بچایا ہے
جو لٹ گئے، بھری محفل میں ہم۔۔۔تو کیا ہوگا

جفا و جور نے بخشی ہے زندگی مجھ کو
ہوئے وہ مائلِ لطف و کرم تو کیا ہوگا؟

نزع کا وقت ہے، کہہ دو نہ آئیں بالیں پر۔۔۔
جو رُک گیا میری آنکھوں میں دم تو کیا ہوگا!

تمہارا نام مرے لب پہ آئے، ناممکن
ہوا جو سینے میں کچھ زیر و بم تو کیا ہوگا

تمہارے جلووں سے وابستہ ہے غزل میری
ہوا نہ شعر کا ساماں بہم تو کیا ہوگا

❀❀❀❀❀

غزل

ناکامیوں کی راہِ وفا میں کمی نہیں!
خوش ہوں کہ مجھ کو اب الم بے کسی نہیں!

کانٹوں کا شکوہ رسم پرستی کا عکس ہے
سالک کے دل میں، جذبہ منزل، رہی نہیں

شمع لحد کے شعلۂ لرزاں سے پوچھ لو!
جو آگ تم نے بخشی تھی، اب تک بجھی نہیں!

❀❀❀❀❀

قطعہ

بے تابیاں سمیٹ کے سارے جہان کی
جب کچھ نہ بن سکا تو مرا دل بنا دیا!
خاصا پڑھا لکھا تھا نگاہوں میں دہر کی
اس خیرپور نے مجھے جاہل بنا دیا

❀❀❀❀❀

"طرحی مشاعرہ"
بر مکان سید قسیم حسن سرسوی عرف دودھا
محلہ علی مراد، خیرپور، سندھ۔ ۱۹۶۵ء

غزل

دیکھوں کیا لاتے ہیں سر پہ میرے الزام ابھی
بزم پہ چھائی ہے کیفیت سرسام ابھی

مجھ سے کیا پوچھتے ہو درہم و ترو ے خانہ۔۔۔!
میں نے تو پی ہی نہیں۔۔۔ذرہ وتیہ جام ابھی

ایسے دیرینہ تعلق پہ میں رووں کہ فسوں؟
ٹھیک سے یاد نہیں، ان کو میرا نام ابھی

میں کہ آغاز محبت ہی میں دل دے بیٹھا
مجھ کو معلوم نہیں، قیمت انجام ابھی

آس اور یاس کا آئینہ ہے، میری دنیا
منظر صبح ابھی، کیفیت شام ابھی

قبر عشاق کی مٹی تو نہ بیچو یارو!
خون عشاق کی قم لے تو چکے دام ابھی

ہیں مریضان حسد، آج بھی گری کے قریب
مجھ کو رہنے دو میرے جوہر و گمنام ابھی!

کیوں یہ ابنائے عزازیل ہیں، مجھ سے دل ریش
کیا میرے جسم پہ ہے، جلوۂ احرام ابھی

خود فروشی پہ جنھیں ناز ہے، کہہ دو ان سے
دامن چرخ میں ہیں، سینکڑوں انعام ابھی

❀❀❀❀❀

قطعہ

میں نے آج اک مورت دیکھی
کان میں پہنے بالے دو
جس کو دیکھ اچنبھا ہووت
چاند تو ایک۔۔۔ اور ہالے دو

❀❀❀❀❀

محفل مشاعرہ "طرحی"

بر مکان سید قسیم حسن سرسوی عرف دولھا

محلہ علی مراد خیر پور، سندھ۔ ١٩٦٦ء

غزل

غلغلہ جس کا سرا پردۂ افلاک میں ہے!
وہ مے شعلہ مرے شیشۂ ادراک میں ہے!

دوستو! آؤ زمانے سے کوئی غم مانگیں۔۔۔!
زندگی رقص کناں۔۔۔ جرأتِ بے باک میں ہے

روکتے ہیں وہ مرا ذکر۔۔۔ ہر اک محفل میں
اب تو صیاد بھی، نخچیر کے فتراک میں ہے!

دل و سر دونوں۔۔۔ ہتھیلی پہ لیے پھرتا ہوں!!
حادثہ کوئی نیا۔۔۔ دامنِ افلاک میں ہے؟؟

مسکراتی ہوئی آنکھوں میں تسلی مت ڈھونڈ۔۔۔!!
دل کا جلوہ تو۔۔۔ میرے دیدۂ نمناک میں ہے!

شکوۂ جورِ فلک رسمِ کہن ہے یارو!
سچ تو یہ ہے کہ مرا دل ہی مری تاک میں ہے

جل گیا میرا نشیمن تو بگولے اُٹھے
مر کے بھی اُٹھنے کا جوہر بھی، مری خاک میں ہے

آپ دل والوں کو ٹھکرائیں تو کچھ بات نہیں۔۔۔!
بال سا آپ کے آئینۂ ادراک میں ہے

ہے تسلط جو چمن پر تو نہ اتراؤ صیاد!!
پھول کے سائے میں ہر خار تری تاک میں ہے!

❁❁❁❁❁

محفل مشاعرہ "طرحی"
بر مکان حکیم ڈاکٹر سید وجیہ الحسنین مرحوم
محلہ پنج ہٹی، خیرپور، سندھ۔ ۱۹۶۷ء

غزل

نظر ملا کے کبھی، اور کبھی گلے مل کے!
حضور ہی تو بڑھاتے ہیں، ولولے دل کے!

ستون! اگر نہ پڑیں گے تمہاری محفل میں
فریب شہر کو کرنے وہ بات محفل جل کے

سناتے کیسے بھلا؟ اُن کو ماجرے دل کے
ہمارے ہونٹ تو محفل میں رہ گئے جل کے

نگاہِ شوق کو آوارگی عطا کر دی۔۔۔!
وہ بیٹھے بزم میں، چلمن سے اس طرح ہل کے

رقیبو! کچھ تو نظامِ چمن کا پاس کرو!
کہ کانٹے رہتے ہیں گلشن میں پھول سے ہل کے

تمہاری بزم میں کیا دل جلوں کو۔۔۔ بار نہیں؟
بجھے بجھے سے ہیں۔۔۔ سارے چراغ محفل کے

ہماری آبلہ پائی پہ دوستو! نہ ہنسو!
ہمیں نے خار چنے ہیں، تمہاری منزل کے

چمن کے گوشے میں، یہ کیا دھواں سا ہے یارو!
اٹھو۔۔۔! پہاڑ بھی ہوتے ہیں اوٹ میں تل کے

فضا میں اُڑنے لگی ہیں گلابیاں ہر سو
خدا کرے نہ اُڑیں۔۔۔ ہوش اہل محفل کے

ہمارے خون کے قطرے۔۔۔ چراغ راہ بنے
جو، ہم نہ ہوتے تو گم تھے نشان، منزل کے

ہمیں اُٹھا کے، اندھیروں میں ڈوب جاؤ گے!
ہمیں چراغ ہیں یارو! تمہاری محفل کے

اُن عاشقوں کا، خدا جانے حشر کیا ہوگا؟
جو بیٹھ بھی نہ سکیں، بزمِ یار میں ہل کے

❀❀❀❀❀

خراج تحسین

ناخدائے سخن سرکار علامہ نسیم امروہوی

حضرت اعجاز حسن کے خلف نیک انجام
فلسفے میں تیرے حجت ہے نہ منطق میں کلام

کون اعجاز؟ بدایوں کا وہ مرد فاضل
سو کتب جس کی ہیں دینِ نبویؐ کا پیغام

موت نے جس کا دہن برسرِ منبر چوما
اور کیا اس سے سوا ہوگی قبولیت عام

چمنِ ثالثِ حسنینؑ محمدؐ کی بہار
گل تو بادۂ گلدستۂ اشرافِ کرام

خدمتِ دینِ نبیؐ جس کے سلف کی میراث
بادۂ علم سے سرشار جو تھا جام بہ جام

اب وجد جس کے تھے تشریح و تفقہ میں سند
پیشوا قوم کے اور احمدؐ و حیدرؑ کے غلام

اب افاضل کے گھرانے کا ہے یہ چشم و چراغ
جس کی تالیف گرامی یہ صحیفہ ہے تمام

ہیں مناسک میں جو مرقوم قوانین حدود
ترجمہ ان کا یہ "قانونِ سزائے اسلام"

متن میں جس کی بسی ہے وہ خوئی کی خوبو
جس کی لگ جائے ہوا بھی تو مہک جائیں مشام

وہ خوئی، حوزۂ علمیِ نجف کے قائد
الفقیہ عہد رواں، سید ابوالقاسم نام

ترجمے کی ہے وہ پُر لطف زبانِ شیریں
ہونٹ چاٹیں جو پڑھیں اس کو فصیحانِ عظام

متن اک افضلِ عالم کے قلم کی برکت
ترجمہ فاضلِ مشرق کے قلم کا ارقام

ترجمے میں وہ مزہ ہے کہ اسے جو بھی پڑھے
جی یہ چاہے کہ پڑھے جائے نہ جب تک ہو تمام

مستقل اک ہے یہ تصنیف، یہ ہوتا ہے گماں
اس سلیقے سے ہے ترتیبِ مطالب کا نظام

ترجمہ میں نے متن سے جو ملا کر دیکھا
صرف ہے فرقِ زباں، ایک ہیں لیکن احکام

عربی میں جو وہاں ہے، وہی اردو میں یہاں
ہر قدم دل نے کہا اس پہ درود، اس پہ سلام

سنِ تکمیل جو لکھنے کا کیا عزم نسیمؔ
عالمِ غیب سے یہ شعر ہوا تب الہام

حفظ قرآں میں سے کاروں کے لکھے ہیں عدد =997
مرحبا بکلکِ شبیہ الحسین علام =988
1985ء

❀❀❀❀❀

قطعۂ تاریخ وفات

تاریخ وفات جناب مولانا شبیہ الحسنین محمدی مرحوم و مغفور

(سید صفدر حسین آصف جعفری محلہ بھرگڑی، خیرپور سندھ)

ذی	حیا	مولوی	جانباز	شبیہ	الحسنین
۷۱۰	۱۹	۹۲	۶۳		۵۱۰ = 1411ھ

خوش	سیَر	صالح	و	دیں	دار	عزادار حسین
۹۰۶	۲۷۰	۱۲۹	۶	۲۶۹	۲۸۳	۱۲۸ = 1991ء

زیب	بُستانِ	جناں	ہیں	وہ	بہ	ہر	شانِ	سکوں
۱۹	۵۱۳	۱۰۳	۶۵	۱۱	۲۵۷	۳۵۱	۱۳۶	= 1411ھ

غم	سے	ہے	آصف	بے	حال	و	پریشاں	بے	چین
۱۰۳۰	۷۰	۱۵	۱۷۱	۲۳۹	۵۶۳	۱۲	۶۳		= 1991ء

عکسِ لوحِ مرقد حضرت مولانا محمد شبیہ الحسنین محمدی اعلی اللہ مقامہ

۷۸۶

اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُون۔

آخری آرامگاہ

حجۃ الاسلام مولانا شبیہ الحسنین محمدی

ابن

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد اعجاز حسین بدایونی

سابق سیکریٹری جنرل مجلس عمل شیعہ علماء پاکستان

سابق مشیر وفاقی شرعی عدالت اسلام آباد

سابق رکن مرکزی رویت ہلال کمیٹی پاکستان

سابق رکن قومی کمیشن برائے دینی مدارس پاکستان

سابق رکن پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور

سابق رکن ہائر ایجوکیشن کونسل سندھ

سابق رکن زکوٰۃ و عشر کونسل پنجاب

سابق رکن سیرت [illegible] کمیٹی لاہور

ناظم مظفر المدارس مدرسۃ الواعظین لاہور

مؤسس مدرسہ سلطان المدارس خیرپور

زائچہ

(مولانا) شبیہ الحسنین (محمدی)

(۱) آپ کا ستارہ عطارد اور برج سنبلہ ہے

(۲) ان ستاروں کا صاحب طالع بعض اعتبارات سے گردش نصیب اور کچھ قدرتی صلاحیتوں سے مالا مال ہوتا ہے

(۳) لیکن اس کی اپنی صلاحیتیں نمایاں نہیں ہو رہی ہیں مخالف ماحول کے سبب۔

(۴) صاحب طالع کے مخفی اور نمایاں دشمن (حاسد) بہت ہوں گے

(۵) البتہ صاحب طالع کو کوئی علمی کارنامہ انجام دینا چاہیے اور ۹۰ فیصدی امکان ہے کہ وہ کارنامہ انجام دے گا

(۶) مالی خوشحالی کی طرف سے کافی نصیب نہ ہوگی
بہرحال گذارا خاطر خواہ ہوتا رہے گا

(۷) سینے کی بیماریاں اور جگر کے امراض پریشان کن ثابت ہوں گے

(سید محمد مہدی شمس امروہوی)

۷ ستمبر ۱۹۸۵

کیلگری - کیلگری البرٹا کناڈا

مولانا محمد شبیہ الحسنین محمدی فاؤنڈیشن کی مطبوعات

فضائلِ دُرود	طبع شدہ
تذکرۂ محمدیہ	طبع شدہ
تجویدُالقرآن	طبع شدہ
تحف العقول جلد اول	طبع شدہ
تحف العقول جلد دوم	طبع شدہ
تحف العقول جلد سوم	طبع شدہ
تحف العقول جلد چہارم	طبع شدہ
تحف العقول جلد پنجم	طبع شدہ
تحف العقول جلد ششم	طبع شدہ
اسوۂ حسنہ اور دختر رسول ﷺ کی شادی	طبع شدہ
مضامین محمدی	طبع شدہ
مجالس محمدی	طبع شدہ

مولانا محمد شبیہ الحسنین محمدی

فاؤنڈیشن (پاکستان)